جگ ہاری

تحریر : نمرہ اسرار

رات گہری ہو رہی تھی اس بلڈنگ کے تیسرے فلور پر وہ ابھی نیند کی گولیاں کھا کے سونے کے لیے لیٹی تھی جو کے اب داغا دینے لگیں تھیں اس کے وجود پر اثر ہی نہیں کر تیں تھیں۔ کافی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد نیند کی دیوی اس پر مہربان ہو ہی گئی۔

کیا بستر جو اس on مسلسل بیل کی آواز نے اس کے نیند کے تسلسل کو توڑا۔ ہاتھ بڑھا کر سائیڈ لیمپ کو موجود تھا جس comforter وقت بے شمار شکنوں سے بھرا ہوا تھا اس پر سفید چادر اور سفید ہی رنگ کا نے اس چڑیا کے آدھے وجود کو ڈھانپ رکھا تھا اس کے لمبے سلکی بال جو اس وقت بکھرے شانوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن میں ہمیشہ ہی اداسی کا بسیرا ہوتا تھا ابھی بھی سرخ ہو رہی تھیں کھڑی مغرور سی ناک گلابی رنگت وہ ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ بیل کی آواز ابھی بھی آ رہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بیل پر ہاتھ رکھ کر بھول گیا ہو اس نے کو مفورٹر کو اپنے اوپر سے ہٹایا اور سے دیکھ کر تزدیق کرنی چاہی lens دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے تک پہنچنے کے بعد اس نے سے دیکھنے پر اسے ایک لڑکی جو ایک حجاب میں موجود تھی lens کے آیا رات کے اس پہر کون آیا ہے؟ بڑی بڑی بھوری آنکھیں چھوٹی ناک اور گلابی ہونٹ وہ لڑکی بلا کی معصوم دیکھتی تھی۔

" اسلام علیکم۔۔۔۔اب اگر آپ کی تفتیش پوری ہو گئی ہو تو دروازہ کھول دیں"

سر کو ذرا خم کر کے اس نے سلام کیا اور ساتھ ہی طنز بھی فرمایا۔

زینی اس کو یہاں اس وقت دیکھ کے کافی پریشاں ہو گی تھی اس لیے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ اندر آنے والی نے اس کو کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر کہا۔

رانی تمہاری یہ گستاخی معاف نہیں کرے گی بھلا رانیوں کے لیے بھی کبھی دروازے اتنی دیر سے کھولے گئے ہیں "

رانی صاحبہ کیا آپ بتانا پسند فرمایں گی کے رات کہ اس پہر آپ اپنے عالیشان محل کو چھوڑ کر میرے " اس جھوپڑے میں کون سی خدمات حاصل کرنے کے لیے آئیں ہیں "جواب رانی کے انداز میں ہی دیا گیا۔

اس سوال کا جواب ضرور دیا جائے گا پہلے یہ لباس تبدیل کر کے آؤ "رانی کہتے ہوئے زینی کے کمرے " میں آئی اور ایک سوٹ نکل کر اس کے آگے بڑھایا۔

رانی کیا کر رہی ہو ؟ زینی نے تھوڑا چڑ کر کہا۔ "

کہا نا پہلے چینج کر کے آؤ پھر بتاؤں گی "رانی نے اسے واشروم میں دھکیل کے کہا۔ "

پانچ منٹ بعد وہ گلابی رنگ کا سوٹ زیب تن کیے واشروم سے باہر آئی اور اپنی سوالیہ نظریں رانی کے اوپر ڈالیں۔

ہم ساحل سمندر جا رہے ہیں "بہت ہی اطمینان سے بتایا۔ "

"کیا۔۔۔۔۔۔۔رانی تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔۔۔۔وقت دیکھا ہے تم نے ہم اتنی رات کو ساحل سمندر جائیں گے" زینی نے غصّے سے کہا۔

وقت کا سن کر رانی نے گردن موڑ کے گھڑی کی جانب دیکھا جو اس وقت 11:00 بجا رہی تھی۔

زینی کتنی دیر لگا دی تم نے باتوں میں۔۔۔۔اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ بھائی نیچے ہمارا" انتظار کر رہے ہیں۔۔۔۔ جلدی کرو اب "رانی نے زینی کو حجاب تھماتے ہوئے بتایا۔

لیکن "زینی نے احتجاج کرنا چاہا۔"

پلیز نا میرے لیے چلو۔۔۔۔پلیز "رانی منتوں پر آگئی تھی۔"

زینی کو ماننا ہی پڑا رانی زینی کی بچپن کی دوست تھی رانی ایک اچھے امیر طبقے سے تعلق رکھتی تھی اور دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ان دونوں نے اسکول اور کالج ساتھ مکمل کیا تھا۔زینی ایک زہین طلبیعلم تھی پے تعلیم حاصل کی اور چونکے میٹرک کے امتحان میں ٹاپ کیا تھا scholarship اسی لیے میٹرک تک اسی لیے حوکمت پاکستان کی طرف سے انٹرمیڈیٹ کی تعلیم مفت حاصل کرنے کی سہولت فراہم کی گئی تھی اور انٹرمیڈیٹ کے نتائج میں بھی میٹرک کی طرح ٹاپ کیا تھا۔رانی بھی ذہانت میں کم نہیں تھی اسکول ہاف اسکالرشپ پر تعلیم حاصل کی۔ میٹرک اور انٹرمیڈیٹ میں دوسری پوزیشن حاصل کی اور اب ان دونوں نے کراچی کی بہترین یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا جہاں دونوں کے انٹرمیڈیٹ کے نتائج کو دیکھتے ہوئے زینی کو پہلے سیمسٹر میں 100٪ جب کے رانی کو 85٪ اسکالرشپ دی گئی۔ کل ان کی

یونیورسٹی کا پہلا دن تھا۔ زینب والیو اللہ کم گو اور سنجیدہ مزاج کی حامل تھی اس کے برعکس رانیہ احسن شوخ، چنچل، باتونی اور بہت ہی مخلص۔۔۔ رنگوں سے سجی ایک حسین گڑیا۔

زینی نے حجاب اچھی طرح باندھ لیا اور رانی کے ساتھ نیچے آگئی تھی۔ جہاں رانیہ احسن کے دونوں بھائی فرنٹ سیٹس پر براجمان تھے (انس احسن اور بلال احسن) انس احسن رانی کے بڑے بھائی بھوری آنکھیں، لمبی کھڑی ناک، چھ فٹ کد۔۔۔ ذمہ دار اور سنجیدہ مزاج کے حامل وہ mba کر رہے تھے اور ساتھ میں اپنے والد کا بزنس بھی دیکھتے تھے اور بلال احسن رانی سے چھوٹا تھا اور ابھی پانچویں جماعت کا طلبیعلم تھا۔۔۔ رانی کی ہی طرح معصوم اور زہین۔۔۔

وہ دونوں کار میں بیٹھ گئیں اور تھوڑی دیر میں ہی وہ سب ساحل پر موجود تھے۔

ساحل سمندر اس وقت بہت ہی سحر انگیز منظر پیش کر رہا تھا رات نے چاروں اور اپنے پر پھیلا دیے تھے کیوں کے دسمبر کا مہینہ تھا اسی لیے ساحل پر ایکا دکا لوگ ہی موجود تھے لیکن زینی۔۔۔۔۔۔ زینی اس منظر میں کھو سی گئی تھی گہرے نیلے آسمان پر چاند اور ستارے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہے تھے معلوم ہوتا جیسے اوپر بھی آسمان ہو اور نیچے بھی۔۔۔۔۔۔ لیکن پانی میں ہونے والا ارتعاش واضح کر دیتا کہ یہ صرف عکس ہے حقیقت تو آسمانوں میں ہے۔ اسی طرح اس دنیا میں ہمارا اپنا آپ بھی تو ایک عکس سا ہی ہے حقیقت تو آسمانوں کے پرے ہیں۔

زینی انہی سوچوں میں گم تھی جب رانی کی آواز نے اس کی سوچوں کے تسلسل کو توڑا۔رانی اسے اپنی طرف بلا رہی تھی پاس جا کے دیکھا تو ایک فولڈنگ ٹیبل پر کیک رکھا تھا جو ممبتیوں سے سجا تھا البتہ انہیں ابھی جلایا نہیں گیا تھا۔

"HAPPY BIRTHDAY ZEENI JANI"

رانی نے زینی کے گلے لگ کر کہا۔

یہاں مجھے نہیں پتا میں کب پیدا ہوئی اور تم برتھڈے منا رہی ہو میری "رانی ہر سال زینی کی برتھڈے " اسی دن منایا کرتی تھی لیکن زینی نے آج اس سے کہہ ہی دیا۔

تم جس دن میری زندگی میں آئیں۔۔۔میرے لیے تم اسی دن پیدا ہوئیں تھیں۔۔۔۔۔اور ویسے " بھی اچھا ہے نا کوئی تمہاری عمر کا حساب نہیں کر سکے گا "پہلا فقرہ رانی نے زینی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا جب کے دوسرا آنکھ دبا کے کہا۔

رانی تم کبھی نا سدھرنا "زینی نے مسکرا کے طنز کیا۔"

جو حکم۔۔۔۔اور ویسے بھی ہم اگر سدھر گئے تو تمھیں زندگی بے رنگ لگے گی "ایک بار پھر شوخی " سے کہا۔

آہاں۔۔۔بڑی خوش فہمیاں پال رکھی ہیں "زینی نے رانی کو چھیڑنا چاہا۔"

پال لینی چاہیں پیسے نہیں لگتے۔۔۔ویسے تمھیں پتا ہے ؟"رانی نے نصیحت کی ساتھ میں سوال بھی کیا۔"

کیا"زینی نے عام سے انداز میں کہا۔"

یہ کیک بھی انس بھائی کے پیسوں کا ہے"رانی نے مسکراتے ہوئے بتایا۔"

یقیناً تحفہ بھی تم انس بھائی کے پیسوں کا ہی لائی ہو گی۔۔۔کنجوس"زینی نے رانی کو گھور کے کہا اور آخر میں القاب سے نوازنا نا بھولی۔

وہ میں اپنے ہی پیسوں کا لائی ہوں اب اتنی بھی کنجوس نہیں ہوں میں"رانی نے منہ پھلا کے کہا۔"

"کیک کاٹ لیں۔۔۔۔گھر کے لیے بھی نکلنا ہے پھر"

انس بھائی جو کے فون پر کسی سے گفتگو میں مصروف تھے رانیہ کے پاس آکر نرم لہجے میں بولے۔

fountain candles انس بھائی نے کو جلایا تو روشنی کا ایک فوارہ سا پھوٹا اور زینی نے اسی روشنی میں cut کیک کیا اور رانی اور بلال کو کھلایا البتہ انس بھائی کو رانی نے ہی کھلایا۔باری باری رانی کے بھائیوں نے زینی کو وش کیا اور اب باری تھی رانی کی جنہوں نے بڑے ہی شاہانہ انداز میں ہاتھ گھما کے دعا دی جیسے وہ خود تقدیر کے قلم سے خود تقدیر لکھ کر آرہی ہوں۔

"تم جیو ہزاروں سال۔۔۔۔سال کے دن ہوں پچاس ہزار"

اتنے سال جی کے میں کیا کروں گی؟"زینی نے رانی کے کندھے پے ایک دھپ رسید کر کے کہا۔"

پر تم بھی مجھے یہی دعا دی دینا"رانی نے اپنی طرف سے مسلے کا حل birthday تو پھر ٹھیک ہے میری" بتایا۔

کیوں"زینی نے سوال کیا۔"

"اب ایسا تو ہونے سے رہا کے رانیہ احسن زندہ ہو اور تمھیں کوئی کام نا ہو"

زینی کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ ابھری اور پھر وہ کھلکلا کر ہنس دی۔

رانی نے اپنی پوری زندگی میں زینی کے آنکھوں میں آنسو صرف ہنستے وقت ہی دیکھے تھے زینی کی زندگی میں بہت سے غم اور دکھ آئے لیکن اس کی آنکھیں ہمیشہ خشک ہی رہیں تھیں لیکن خوشی کے لمحات میں زینی کی آنکھوں سے آنسو چھلک ہی جاتے تھے۔وہ آنسوؤں کو غم میں روکنا جانتی تھی۔۔۔۔خوشی میں نہیں۔

نظر لگاؤ گی کیا"زینی کے بولنے کی دیر تھی رانی نے اس کی بلائیں لے لیں وہ دونوں ایک بار پھر مسکرا" دیں۔کوئی دور کھڑے اس لمحے کو بڑی مبہوت سے دیکھ رہا تھا۔

انس بھائی نے زینی کو گھر ڈراپ کیا اور رانی نے تحائف کا ڈھیر زینی کے حوالے کیا وہ ایسے ہی زینی کے لیے خوشیاں چن کر اس کی جھولی میں بھرتی تھی۔

صبح کا سورج ان دونوں کی زندگیوں کے نئے سفر کا آغاز تھا کسی کے لیے محبّتوں اور چاہتوں کی سیج سجائی جا رہی تھی تو کسی کے صبر کو اور آزمانا تھا کسی پہ حقیقتیں آشکار کرنی تھیں۔

****

نیا سفر

رات کے تیسرے پہر اس کی آنکھ کھلی بستر سے اٹھ کر واشروم میں گئی اور وضو کر کے باہر آئی تہجد کی نماز ادا کی اور جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو لب بلکل ساکت تھے دماغ ہر قسم کی سوچ سے پاک تھا کافی دیر مصلحے پہ بیٹھے رہنے کے بعد اس نے اپنے دعائی ہاتھ چہرے پہ پھیر لئے اور ایک بار پھر سونے کے لیے لیٹ گئی۔

فجر کی اذان اس کے سماعتوں سے ٹکرائیں تو وہ ایک بار پھر ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی فجر ادا کرنے کے بعد اپنا رخ چکن کی جانب کیا اور fridge سے پھل نکالے جو وہ کل لے کر آئی تھی اور اپنی wodrobe سے کچھ شاپنگ بیگز نکالے اور ساتھ ہی اپنا یونیورسٹی بیگ بھی تیار کیا۔

سورج کی روشنی چاروں اور پھیل گئی تھی۔

مین روڈ پر آ کے اس نے ایک رکشا hire کیا اور اپنی منزل کی طرف گامزن ہو گئی۔ آج اس کی زندگی کا ایک نیا سفر شروع ہونے جا رہا تھا اور اپنے ہر سفر میں وہ اپنے اصل کی طرف رخ کرنا نہیں بھولتی تھی آج بھی نہیں بھولی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ ایک بڑے سے گیٹ کے باہر کھڑی تھی گیٹ کے اوپر بڑا سا بورڈ لگا تھا جس پے ایک تحریر موجود تھی "ANGELS ORPHANAGE"۔ یہ یتیم خانہ کافی بڑا تھا۔ زینی نے اپنی زندگی کے سولہ سال اسی یتیم خانے میں گزارے تھے وہ آنکھ بند کر کے بھی اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ سکتی تھی۔

اس نے خان بابا کو سلام کیا اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔ اندر ایک بڑا سا میدان تھا اور اس کے گرد کئی عمارتیں موجود تھیں وہ ایک بڑی راہداری سے ہو کر والی بابا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے کے

باہر کھڑے اس کی نظر اندر بستر پر بیٹھے شخص پر پڑی سفید لباس زیب تن کئے سر پر ٹوپی پہنے چہرے پر سفید داڑھی موجود تھی ان کا چہرہ پر رونق تھا جو اس وقت قرآن کی تلاوت کرنے میں محو تھے۔

دروازے کو دستک دے کے وہ اندر کی جانب بڑھی۔والی بابا نے جب سر اٹھا کے دیکھا تو انھیں بڑی خوشگوار حیرت ہوئی زینی نے مسکرا کر انھیں سلام کیا۔

"اسلام علیکم بابا"

وعلیکم اسلام "والیو اللہ صاحب نے قرآن کو بند کر کے احتیاط کے ساتھ الماری کے اندر رکھا اور اپنا ہاتھ زینی کے سر پر پھیر کر جواب دیا۔والیو اللہ صاحب نے کمرے میں رکھے صوفوں کی طرف زینی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دونوں صوفے پر بیٹھ گئے۔

زینی بیٹے! کمزور لگ رہی ہو" پریشانی سے پوچھا گیا۔"

آپ کی زینی کمزور نہیں ہے بابا" والیو اللہ کی طرف دیکھ کے جواب دیا گیا۔"

میں صحت کی بات کر رہا ہوں زینی" والیو اللہ نے خفگی سے جواب دیا۔"

ٹھیک نہیں ہے تو ٹھیک ہو جائے گی۔۔۔ آپ پریشان مت ہوں"۔زینی نے اپنی طرف سے انھیں" اطمینان کرنا چاہا۔

سب ٹھیک ہے نا زینی؟" والیو اللہ صاحب اب بھی مطمئن نہیں ہوئے تھے۔"

شاید "زینی نے آہستہ آواز میں سر جھکا کے جواب دیا۔ "

زندگی پر سکون ہے؟ "ایک بار پھر سوال کیا گیا۔ "

(وہ کہنا چاہتی تھی زندگی تو کبھی پر سکون نہیں رہی میرے لیے لیکن بس اتنا ہی کہا)

"پتا نہیں"

سے اپنے لیے کچھ کو وہ سوالی زیادہ پسند ہیں جو براہ راست اس زینی تم اپنے لیے دعا کیا کرو۔۔۔ اللہ"

سے مانگ سکتی ہو کوئی دوسرا نہیں مانگ سکتا" وہ زینی کے مانگتے ہیں۔۔۔ تم اپنے لیے جس تڑپ سے اللہ

جوابات پر پریشان ہو گئے تھے اسی لیے سمجھانا بہتر سمجھا۔

میں دعا میں کیا مانگو بابا؟ "زینی نے اس بار والیو اللہ کی طرف دیکھ کے سوال کیا۔ "

سے مانگ لو" والیو اللہ صاحب ایک بار پھر پریشان ہوئے تھے تو کیا اس عمر جو تم چاہتی ہو تمہارا ہو وہ اللہ"

میں زینی کے پاس مانگنے کے لیے کچھ نہیں تھا وہ سوچ کر ہی رہ گئے۔

اور اگر نا ملا تو؟ "زینی نے ایک اور سوال کیا۔ "

کی کوئی مصلحت ہو گی" دوسرا فقرہ یقین سے مانگو گی تو ضرور ملے گا۔۔۔ اور اگر نا ملا تو اس میں اللہ"

تھوڑا ٹھہر کے ادا کیا۔

نے مجھے نہیں دی میں وہ اللہ سے مانگنا بھی نہیں چاہتی۔۔۔ اس میں اللہ جو چیز اللہ"

کی کوئی مصلحت ہو گی" زینی نے والیو اللہ کو لاجواب کیا تھا۔

تھوڑی دیر گزری تھی جب زینی نے ایک بار پھر کہنا شروع کیا۔

اور بابا اگر مانگ بھی لوں تو کیا وہ لوگ مل جائیں گے جو ہیں ہی نہیں" وہ کہنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھوں" کی ہتھیلیوں کو رگڑ رہی تھی جیسے لکیروں کو مٹا دینا چاہتی ہو۔

اور اگر وہ مل گئے تو" والیو اللہ نے بساختہ کہا تھا۔"

کیا مطلب" زینی نے سر اٹھا کر والیو اللہ صاحب کی طرف بے یقینی سے دیکھا تھا جو اب گھبرائے ہوئے" لگ رہے تھے۔

زینی اپی۔۔۔۔زینی اپی۔۔۔۔زینی اپی" دعا کی آواز نے زینی کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی جس پر" والیو اللہ نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

دعا آسیہ بیگم کی بیٹی تھی جو زینی کو پسند نہیں کرتیں تھیں وہ بیوہ تھیں اور اسی یتیم خانے میں کافی عرصے سے جاب کر رہیں تھیں اور ان کا گھر بھی یتیم خانے کے قریب ہی تھا۔یقیناً دعا زینی کا سن کر یہاں چلی آئی تھی۔زینی کی اس پانچ سالہ معصوم سی گڑیا سے کافی اچھی دوستی تھی۔

والیو اللہ ناشتے کا انتظام کرنے چلے گئے تھے وہ جانتے تھے زینی ہمیشہ کی طرح ان کے ساتھ ہی ناشتہ کرے گی۔

یہ تمہارے لئے "زینی نے دعا کے آگے ایک شوپر بڑھا کے کہا۔"

"WOW......i love you zeeni appi....its awesome"

دعا نے شوپر میں سے جب پینٹ colors دیکھے تو وہ بے تحاشا خوش ہو گئی اور زینی کے گلے لگ کر کہا

زینی بھی مسکرا دی۔

تمہیں رنگ سجانا اچھا لگتا ہے نا؟" زینی نے پوچھا۔"

بہت۔۔۔۔۔۔کیوں آپ کو اچھا نہیں لگتا؟" دعا نے پہلا فقرہ اپنی گول گول آنکھوں کو بڑا کر کے"

بولا۔۔۔جب کے اگلا فقرہ پے اس کے چھوٹے سے ماتھے پر شکنے ابھری تھیں۔

نہیں" ایک لفظی جواب آیا۔"

کیوں" دعا کے ماتھے پر ایک بار پھر شکنے ابھریں تھیں۔"

جن کی زندگی بے رنگ ہو انھیں پھر رنگ اچھے نہیں لگتے" زینی نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔"

میں بھر دوں گی رنگ آپ کی زندگی میں۔۔۔۔آپ اگلی بار آئیں تو ساتھ لے کر آیے گا" دعا نے"

بڑی معصومیت سے اپنی خدمات فراہم کرنے کی offer کی۔

میں لے آوں گی" زینی کو حیرت ہوئی اس نے دعا کو غور سے دیکھا جس کی گول گول آنکھوں میں چمک"

تھی black color گلابی گلابی فراک میں بالوں کو مانگ نکال کر دو مونیاں بنائی گئیں تھیں

گال۔۔۔زینی کو اس وقت وہ کوئی معصوم سی پری لگ رہی تھی زینی نے آگے بڑھ کر اس کا گال چوما اور جواب دیا۔

ٹیبل پر رکھی اور زینی کو مخاطب کیا۔ tray اتنے میں والیو اللہ صاحب نے ناشتے کی

آجاؤ زینی بیٹے ناشتہ کر لو۔۔۔ آپ بھی آجاؤ دعا" پہلا فقرہ زینی سے جب کے دوسرا دعا سے کہا گیا۔"

والی با۔۔۔ آپ کہا لیں میں یہ ماما کو دیکھا کر آتی ہوں" دعا والیو اللہ کو والی با کہا کرتی تھی۔"

والیو اللہ صاحب کو جواب دے کر کمرے سے چلی گئی تھی۔

بابا وہاں کچھ سامان رکھا ہے وہ اپنے پاس رکھ لیجئے گا" زینی نے پرانٹھے کا لقمہ لیتے ہوئے کہا۔ "

زینی تمہیں اب اپنی یہ عادت چھوڑ دینی چاہیے" ناراضگی سے کہا گیا۔"

عادتیں بڑی مشکل سے چھوٹی ہیں بابا" بڑی دل کش مسکراہٹ کے ساتھ زینی نے کہا۔"

کوشش تو کی جاسکتی ہے" والیو اللہ ابھی بھی ناراض لگ رہے تھے۔"

میں کوشش بھی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔۔۔۔۔۔کیوں بابا آپ کو اچھا نہیں لگتا؟" اب کی بار زینی نے" سنجیدگی سے پوچھا۔

بات اچھے لگنے یا نا لگنے کی نہیں ہے زینی۔۔۔۔۔۔بات تمہاری رقم کی ہے جو تم مجھ بوڑھے پر خرچ کر" رہی ہو۔۔۔ تمھیں اسے سنمبھال کر رکھنا چاہیے

والیو اللہ صاحب زینی کے اس طرح ان کی ذات پر پیسے خرچ کرنے پر ناراض تھے۔۔۔۔ایسا نہیں تھا انھیں برا لگتا تھا۔۔۔۔وہ خوش ہو جاتے تھے اس قدر اپنایت پر لیکن انھیں زینی کر بارے میں بھی سوچنا تھا۔

بابا آپ کی زینی کے پاس رقم ٹھر جاتی ہے خوشی نہیں ٹھرتی "زینی نے سر جھکا کے جواب دیا۔"

اسلام علیکم بابا" ان کی باتوں کے تسلسل کو رانی کی آواز نے تھوڑا تھا وہ دونوں یک دم رانی کی طرف" متوجہ ہوئے تھے اور سلام کا جواب دیا۔

بابا آج ہمارا پہلا دن ہے تو آپ کو ہمارے لیے دعا کرنی ہے کے ہمارا دن اچھا گزر جائے۔۔۔۔اور ہم" کسی بھی قسم کی جھڑپ سے بچ جائیں "رانی بابا کو دعا کرنے کی درخواست نہیں کر رہی تھی وہ حکم سنا رہی تھی جسے والیو اللہ صاحب سر جھکائے مسکراتے ہوئے سن رہے تھے۔

بابا میں چلتی ہوں دیر ہو رہی ہے "رانی کو نظر انداز کر کے والیو اللہ صاحب سے زینی نے کہا جنھیں اس" کی ناراضگی کا علم بخوبی تھا۔

ہاں اب ہم چلتے ہیں "رانی کے بولنے پر زینی نے اسے گھوری سے نوازا۔"

جیتی رہو خوش رہو اور کامیاب بھی" والیو اللہ نے دونوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی جس پے رانی نے " باقاعدہ ہاتھ منہ پر پھیر کے آمین کہا۔ زینی اور والیو اللہ صاحب مسکرا دئے لیکن زینی نے جلد اپنی حافظ کہ کے کمرے سے باہر چلی گئی۔ مسکراہٹ چھپالی تھی اور والیو اللہ صاحب کو اللہ دعا کیجیے کا اس چڑیل کا موڈ بھی ٹھیک ہو جائے" رانی نے رازدانا انداز میں کہا کہیں زینی سن نالے جس پر" والیو اللہ صاحب کا قہقا بے ساختہ تھا۔

پھر رانی بھی والیو اللہ صاحب کو دعائی الفاظ کہہ کے تقریباً بھاگتی ہوئی باہر آگئی اور زینی جو کے گیٹ سے باہر جانے ہی والی تھی اس کو ہاتھ پکڑ کے روک لیا۔

رانی نے چھوٹتے ہی کہا۔ sorry" زینی اچھانا"

نہیں چاہیے۔" زینی نے pick and drop service میں نے کتنی دفع کہا ہے تمہیں مجھے تمہاری" غصّے سے کہا وہ رانی کی اس حرکت سے تنگ آگئی تھی پہلے اسکول اور کالج اور اب۔۔۔۔ اب یونیورسٹی بھی وہ اسے جتنی بار منا کرتی اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔

ہو جائیں اور پہلے ہی دن ہماری عزت پر late اچھانا ابھی تو چلو۔۔۔۔ دیکھو ٹائم ہو رہا ہے ایسا نا ہو ہم" چار چاند لگ جائیں" رانی نے موضوع بدلنے کی کوشش کی اور کالائی پے بندھی گھڑی زینی کے سامنے کی۔ کیا گیا۔ warn تم کل سے مجھے لینے نہیں آوٴ گی" انگلی اٹھا کر"

بلکل بھی نہیں "رانی نے فرمابرداری سے کہا۔"

نہیں تو میں ناراض ہو جاؤں گی "زینی نے باور کرایا۔"

ٹھیک ہے "رانی نے بلاتوافق کہا۔"

اور بات بھی نہیں کروں گی "زینی نے ایک بار پھر کہا دراصل اسے رانی کی اتنی فرمابرداری ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

ٹھیک ہے "رانی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔"

اور اب تم ہنسو گی بھی نہیں "زینی نے رانی کے لبوں پر دبی دبی سی مسکرات دیکھ لی تھی۔"

بلکل بھی نہیں "رانی کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔"

رانی۔۔۔۔۔۔"زینی نے گھور کر کہا۔"

اچھا چلو بھی سوری نا "رانی اسے اپنے ساتھ کھینچتی ہوئی کار تک لائی جہاں انس بھائی انہی دونوں کا انتظار کر رہے تھے انہوں نے ایک نظر دونوں کو دیکھا اور گاڑی روڈ پر ڈال دی۔

نیا سفر پارٹ 2:

اس وقت وہ دونوں پاکستان کی سب سے بڑی بزنس یونیورسٹی "برائٹ بزنس یونیورسٹی" کے باہر کھڑی تھیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے انس احسن ان دونوں کو یہاں چھوڑ کر جا چکے تھے۔ وہ دونوں اس قد آدم دروازے کو عبور کر کے اندر داخل ہو گیئں اندر بیحد افراتفری اور ہلچل مچی ہوئی تھی آج freshers کا پہلا دن تھا کوئی اپنے ڈیپارٹمنٹ کی تلاش میں تھا تو کوئی سینئرز کے pranks کا شکار ہو رہا تھا۔ سامنے ایک وسیع و عریض میدان گھانس، پھولوں اور درختوں سے سجا ہوا تھا میدان کے آگے قطار میں بہت سی عمارتیں موجود تھیں جن پر ماربلس لگائے گئے تھے دھوپ کی وجہ سے یہ عمارتیں اس وقت چمک رہیں تھیں میدان کے دائیں اور بائیں طرف ایک لمبی راہداری تھی جن کو عبور کرنے پر اور بہت سی عمارتیں نظر آتیں تھیں یہاں ہر ڈیپارٹمنٹ کی ایک الگ عمارت تھی۔ زینی رانی کا ہاتھ پکڑے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہی تھی وہ ان فضول قسم کے pranks کا ہرگز شکار نہیں ہونا چاہتی تھی اسی لیے ایڈمیشن کے دوران ہی وہ اپنا ڈیپارٹمنٹ دیکھ کے جا چکی تھی چونکہ بہت سے سٹوڈنٹس نے ایڈمشن آن لائن کیا تھا اسی لیے وہ اس وقت سینئرز کے لیے تفریح کا سامان بنے ہوئے تھے۔

اچانک رانی کی آواز زینی کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

زینی۔۔۔ بھیڑیے "رانی نے ڈرتے ہوئے کہا۔"

کیا!۔۔۔؟"زینی کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔"

بھیڑیے "رانی نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔"

رانی ہم جنگل میں نہیں ہیں ہم یونیورسٹی میں ہیں یہاں بھیڑیے کیسے ہو سکتے ہیں "زینی نے رانی کو نرمی سے سمجھایا۔

یہ ہیں تو اتنے سارے لڑکے "رانی نے جواب دیا۔"

ہیں؟۔۔۔یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟"زینی نے رانی سے پوچھا اور رانی کے جواب نہ دینے پر پھر بولنا شروع کیا۔

رانی ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔۔شکاری شکار صرف تب کرتا ہے جب اُسے موقع ملتا ہے اور وہ موقع" اُسے شکار خود دیتا ہے "زینی نے رانی کو سمجھایا۔

تم سمجھ رہی ہو نہ "زینی نے رانی سے پوچھا آیا اسے اس کی بات سمجھ آئی بھی یا نہیں۔"

ہمم۔۔۔"رانی نے استباط میں سر ہلایا اور زینی کے ساتھ چل دی۔"

رانی کافی ڈری ہوئی لگ رہی تھی رانی کو ایک دم انس بھائی کی باتیں یاد آنے لگیں جو وہ کل کر کے گئے تھے۔

کمرہ روشنی سے نہایا ہوا تھا بستر پر گفٹس پیپرس، ٹیپ، کارڈز، قینچی اور اسی طرح کی کئی چیزیں بکھری ہوئی

تھیں جو رانی زینی کو دینے کے لیے تیار کر رہی تھی اور اپنا سر الماری میں دیے نجانے وہ کون سا چراغ ڈھونڈ رہی تھی۔ دروازے کی نوب کی آواز نے بھی رانی کے کام میں خلل نہیں ڈالا اندر داخل ہونے والا شخص black pant اور grey shirt میں ملبوز اپنے دونوں ہاتھ pant کی جیبوں میں ڈالے ہوئے تھا اور کمرے کا بھرپور جائزہ لے رہا تھا اس نے گلا کھنکار کے رانی کو اپنی طرف متواجہ کیا۔

بھائی آپ یہاں۔۔۔۔ کوئی کام تھا آپ کو؟"رانی نے ان کے آنے کی وجہ دریافت کرنا چاہی۔"

نہیں۔۔۔بات کرنی تھی تم سے۔۔۔۔یہاں آ کے بیٹھو"انس بھائی رانی سے کہتے ہوئے کمرے میں رکھے صوفے پے جا کے بیٹھ گئے۔"

بھائی کو مجھ سے کیا بات کرنی یا اللہ) رانی کو انس احسن معمول کے مقابلے آج کچھ زیادہ ہی سنجیدہ لگے وہ سوچتے ہوئے بھائی کے پاس جا کے بیٹھ گئی۔ (ہے

رانی نے اسکول اور کالج دونوں ہی کو۔ایجوکیشن میں نہیں پڑھے تھے اسی لیے انس احسن کو اندازہ تھا کے ان کی بہن کو مشکلات پیش آسکتیں ہیں انہوں نے رانی کو روکنا مناسب نہیں سمجھا آخر ان کی بہن کو ایک بہترین یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کا سنہری موقع مل رہا تھا لیکن انہوں نے رانی کو سمجھانا بھی اپنا فرض سمجھا اسی سلسلے میں آج وہ رانی سے بات کرنے بھی آئے تھے۔

انس احسن نے بغیر تمہید بندھے بولنا شروع کیا۔

تمہاری حفاظت کی زمیداری میری ہے رانیہ اور اس کے لیے میں اپنی جان سے بھی کھیل سکتا ہوں۔۔۔۔۔۔ لیکن اب تم زندگی میں آگے بڑھ رہی ہو بہت سی ایسی جگہیں ہوں گی جہاں میں موجود نہیں ہوں گا وہاں تمھیں اپنا محافظ خود بننا ہے۔۔۔۔ محرم کی غیر موجودگی میں لڑکیاں اپنی بہترین محافظ خود ہوتیں ہیں۔۔۔۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم لوگوں پر اعتماد کرنا چھوڑ دو، ان پہ اندھا اعتماد نا کرو"

انس بھائی نے رک کر رانی کی طرف دیکھا جو سر جھکائے ان کی باتیں سن رہی تھی وہ اندازہ نہیں کر سکے رانیہ کو ان کی بات سمجھ آئی یا نہیں۔۔۔ انہوں نے پھر کہنا شورع کیا۔

"اس گھر کی چار دیواری میں تم بے فکری سے رہ سکتی ہو لیکن ان چار دیواری کے باہر تمھیں اپنی تمام تر حساسیات کو بیدار کر کے نکلنا ہو گا۔اس دنیا میں انسان اور بھیڑیے دونوں موجود ہیں تمھیں ان میں فرق کرنا سیکھنا ہے۔۔۔۔۔۔ اب بتاؤ تمہاری اس چھوٹی سی عقل میں میری بات سمائی بھی ہے کہ نہیں" آخر میں انس احسن نے رانی کے ماتھے پہ انگلی رکھ کے چھیڑا۔

"آہ! انس بھائی۔۔۔۔۔۔ پہلی بات میری عقل چھوٹی سی نہیں ہے اور دوسری یہ کہ آپ مجھے یہ کہہ رہے تھے کہ آپ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں اسی لیے میں نے اپنا خیال رکھنا ہے" انس بھائی کے "چھوٹی سے عقل" کہنے پر رانی کا منہ کھلا رہ گیا اسی لیے اپنی "عقل" ثابت کرنا بہتر سمجھی۔

"آہا۔۔۔ رانیہ احسن تو سمجھدار ہو گیئں ہیں" انس احسن سے رانی کا ایک بار پھر چھیڑا۔

جی شکریہ۔۔۔۔۔۔کیا کہا؟"رانی نے اپنی تعریف پر شکریہ ادا کیا لیکن جب بات سمجھ آئی تو اس نے" آنکھیں بڑی کر کے انس بھائی کی جانب دیکھا اور پوچھا۔

انس احسن کا جاندار قہقہ فضا میں گونجا۔

میں سمجھدار ہو نہیں گئی میں سمجھدار ہوں"رانی نے منہ بنا کر کہا۔"

جی اس کا مظاہرہ تو میں ابھی تھوڑی دیر پہلے دیکھ ہی چکا ہوں"انس احسن نے مسکرا کے کہا۔"

بھائی۔۔۔۔"رانی نے ناراضگی کا اظہار کیا۔"

اچھا ٹھیک ہے کچھ نہیں کہہ رہا۔۔۔خوش"انس احسن نے مسکراتے ہوئے رانی کو خود سے قریب کیا" اور اس کے سر کا بوسہ لیا۔

خوش"رانی نے دانت نکال کے کہا۔"

انس احسن کمرے سے چلے گئے اور رانی زینی کے لیے تحائف پیک کرنے لگی۔

وہ فائل میں سر دیے نا جانے کیا کر رہا تھا جب وہ دونوں اس کے پاس آ کے گھانس پر بیٹھ گئے جو اب ہنس ہنس کر بحال ہوئے جا رہے تھے۔اس نے نظریں اٹھا کر دونوں کو دیکھا وہ اب اپنے ہنسنے کی وجہ بتا رہے تھے۔

"احمر تجھے پتا ہے ہم کیا کر کے آرہے ہیں؟" ان میں سے ایک نے کہا جو اس وقت blue jeans

اور black shirt میں ملبوز تھا۔

"یقیناً prank ۔۔۔" احمر نے یقین سے کہا۔

"لیکن تمھیں یہ نہیں پتا کے ہم prank میں کیا کر کے آئیں ہیں" ان میں سے دوسرے نے کہا جس

کے چہرے پے بلا کی شطانیت موجود تھی۔

"کیا کر کے آئے ہو تم دونوں؟" احمر نے دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا دراصل علی کے چہرے کی

شطانیت نے اسے یہ سوال کرنے پر مجبور کیا تھا۔

"زیادہ کچھ نہیں بس ریڈ chilli جوس پلا کر آئیں ہیں" علی نے بڑے اطمینان سے بتایا۔

"کیا" احمر کا منہ کھلا رہ گیا۔

"اور تمھیں پتا ہے وہ بندہ اتنا nervous تھا کے پورا گلاس خالی کر گیا اور بعد میں چیخ رہا تھا۔۔۔

مرچیں۔۔۔۔ مرچیں۔۔۔" حاشر نے بھرپور نقل اتار کے بتایا اور ایک بار وہ دونوں پھر ہنس دیے۔

"شرم کرو تم دونوں۔۔۔۔ وہ پہلے ہی نروس ہیں اور تم انھیں مزید تنگ کر رہے ہو" احمر نے ان دونوں کو

شرم دلانی چاہی۔

"بھی نہیں کیا آج میں تجھ سے prank تو پچھلے چار سال سے ہمارے ساتھ ہے اور اب تک ایک prank کروا کر ہی دم لوں گا" علی نے احمر کی بات کو سرے سے نظر انداز کر کے بڑے جوش سے کہا۔

"کوشش کر کے دیکھ لو" احمر نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"یہ تم علی احمد کو چیلنج کر رہے ہو یا دھمکی دے رہے ہو" علی نے پوچھنا مناسب سمجھا۔

"دونوں میں سے جس آپشن سے تمھیں زیادہ بہتر سمجھ آتی ہے وہ چن لو" ایک بار پھر اسی اطمینان سے بتایا۔

"لو حیدر بھی آ گیا" حاشر نے مطلع کیا۔

کانچ سی آنکھیں لمبی مغرور ناک grey حاشر کے کہنے پر دونوں نے گردن گھما کے دیکھا۔ بھورے بال سرخ و سفید رنگت چھ فٹ تین انچ کد۔۔۔۔۔۔وہ جس راہ سے گزرتا اس راہ کی ہر نسوانی نظر اس کے وجود کا طواف کیا کرتی تھی۔ وہ کم گو اور رعب دار شخصیت کا مالک تھا۔ حیدر کے ان تک پہنچنے سے پہلے علی، حاشر اور احمر اس کی طرف بڑھ گئے تھے سلام دعا کے بعد حاشر نے کہا۔

"تو کرے prank یار حیدر بول نا احمر سے ایک"

"کیوں احمر ہو جائے پھر؟" حیدر نے احمر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"یار تجھے پتا ہے مجھے یہ سب پسند نہیں" احمر نے ہمیشہ کہنے والا جملہ پھر دہرایا۔

" احمر۔۔۔ہم سینئرز یہ پرانکس فریشیرز کی nervousness کو divert کرنے کے لیے کرتے ہیں

جس میں ہم کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔۔۔ہاں ان لوگوں کو آج یہ سب شاید برا لگے لیکن کل یہ انہی

یادوں پر مسکرا بھی دیں گے" حیدر نے پہلی بار اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔

" یہ دونوں بھرپور طریقے سے کسی کی nervousness کو divert کر کے آرہے ہیں۔۔۔

ریڈ چلی جوس پلا کے" احمر نے ان دونوں کے آج کے کارنامے حیدر کے گوشگزر کر دیے۔ حیدر اب ان

دونوں کو گھوری سے نواز رہا تھا تب ہی حاشر، علی کی طرف انگلی کر کے بولا۔

"تھا میں نے تو اس بیچارے کو کینٹین سے کیک بھی کھلایا idea حیدر یہ علی کا"

" احمر تو اب کرو گے prank ؟" علی نے باتوں کے دوران احمر کی فائل اس کے ہاتھ سے لے لی تھی

اور اب احمر کے آگے لہرا کر پوچھ رہا تھا۔

ایسا ہو سکتا تھا بھلا کوئی علی احمد کو چیلنج کرے اور علی احمد قبول نا کرے۔

علی یہ غلط ہے" احمر نے دو قدم آگے ہو کے کہا۔"

یہی صحیح ہے" علی نے دو قدم پیچھے ہو کے کمینگی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔"

میں نہیں کروں گا" احمر نے ایک بار پھر انکار کیا۔"

ٹھیک ہے۔۔۔ تین سیکنڈ کا وقت ہے تمہارے پاس اس کے بعد یہ فائل ردّی بن جائے گی" علی نے " فائل کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔

لیکن میں کروں گا کیا" احمر نے ہار مانتے ہوئے کہا کیوں کے علی سے کوئی بعید بھی نہیں تھی وہ جو کہہ رہا" تھا کر بھی دیتا۔

یہ ہمارا سر درد نہیں ہے" علی نے کہا۔"

البتہ یہ ضرور بتا سکتے ہیں کے کس کے ساتھ کرنا ہو گا" علی نے احمر کا لٹکا ہوا چہرہ دیکھ کے کہا۔"

وہ سامنے اس لڑکی کو دیکھ رہے ہو۔۔۔ بس اسی کے ساتھ" علی نے چاروں طرف اپنی نظر گھومائی اور" کو اپنے گرد اچھے سے لپیٹے showl ایک لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو کالے رنگ کے حجاب میں موجود ہوئے تھی اور کافی ڈری ہوئی لگ رہی تھی۔

احمر اس لڑکی کی جانب بڑھنے لگا اسے اس معصوم سی لڑکی کو بیوقوف بنانے کا دل نہیں کیا پھر پیچھے مڑ کے دیکھا حیدر دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسے دیکھ رہا تھا حاشر اسے آگے جانے کا اشارہ کر رہا تھا جب کے علی فائل کو لہرا رہا تھا۔

اس نے سوچا" ان کو اتنی دور سے آواز تو نہیں جائے گی تو میں اس لڑکی سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے ان لوگوں سے کہہ دوں گا کے میں نے لڑکی کو غلط راستہ بتا دیا۔ہاں یہ صحیح ہے احمر" اس نے خود کو مطمئن کیا اور آگے بڑھ گیا۔

رانی کہاں گم ہو گئیں؟" زینی نے رانی کا کندھا ہلا کے پوچھا۔"

وہ۔۔۔زینی میرے اب سمجھ آیا بھائی مجھے کل اتنی نصیحتیں کیوں کر رہے تھے" رانی چونکی اور رونی" صورت بنا کے کہا۔

کیوں کیا ہوا؟" زینی نے نا سمجھی سے پوچھا۔"

یار اتنے سارے لڑکے۔۔۔ہم اتنے سارے لڑکوں کے ساتھ پڑھیں گے؟" رانی نے اپنا مسئلہ بتایا۔"

نہیں یہ سارے ہی تھوڑی ہوں گے" زینی نے اطمینان سے بتایا۔"

زینی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے" رانی نے زینی کو بتایا۔"

رانی پہلے تم اپنا چہرا ٹھیک کرو اگر کسی نے دیکھ لیا تو تمھیں ہی اپنے" prank کا نشانہ بنائے گا۔۔۔۔رانی ڈرو لیکن ڈر کو خود پر حاوی مت ہونے دو۔۔۔اس پر حاوی ہو جاؤ" پہلے فقرے میں

زینی نے رانی کو ڈانٹا جب کے دوسرے میں رانی کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھایا تب ہی رانی کو کسی نے مخاطب کیا۔

"EXCUSE ME"

وہ ایک خوش شکل نوجوان shave کالے بال، ہری آنکھیں، لمبی ناک چہرے پہ ہلکی بڑھی ہوئی تھا۔ وہ خوش اخلاق تھا اور دوسروں کے نظریات سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔

رانی پہلے تو گھبرا گئی لیکن پھر اپنے ازلی روپ میں واپس آ کے بولی۔

نا کرنے کا ارادہ کر prank کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ" رانی کا لہجہ سامنے والے کو کافی ناگوار گزرا وہ جو کے آیا تھا اب ترک کر چکا تھا تبھی کہا۔

آپ کامرس ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھتی ہیں نا وہ دراصل سر احمد کی کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسی" لیے آج وہ کلاس بلڈنگ نمبر 6 میں لیں گے آپ وہیں چلے جائیں" اتنا کہہ کے وہ آگے بڑھنے لگا جب اس لڑکی کی آواز نے اس کے قدم روک لئے۔

اوہ اچھا۔۔۔۔۔۔ ہمیں تو کلاس نہیں لینی لیکن آپ کو تو لینی ہے نہ۔۔۔ آپ وہاں کہاں جا رہے ہیں" غلباً آپ بھی کامرس ڈیپارٹمنٹ سے ہی تعلق رکھتے ہیں" رانی نے اس شخص کے آئی۔ڈی کارڈ کی طرف کافی جتاتی ہوئی نظروں سے اشارہ کیا۔

(آئی۔ڈی کارڈ کی ڈوری کا رنگ کامرس ڈیپارٹمنٹ کو نمایاں کرتا تھا اسی رنگ سے احمر نے رانی کے ڈیپارٹمنٹ کا اندازہ لگایا تھا)۔

اس سے پہلے کے احمر اس پر واضح کرتا کہ وہ نہ تو بی اے کا سٹوڈنٹ ہے اور نہ ہی فریشر ہے وہ زینی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

احمر ابھی وہیں کھڑا تھا جب بھرپور قہقوں کی آواز نے اس کی توجہ اپنی طرف ملبوز کروائی پیچھے مڑ کے دیکھا تو وہ تینوں موجود تھے وہ جو سوچ رہا تھا وہ تینوں دور کھڑے رہیں گے ایسا کچھ نہیں ہوا تھا وہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے سن چکے تھے علی اور حاشر ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے جب کے حیدر سر جھکائے اپنی ہنسی ضبط کر رہا تھا۔احمر کا موڈ کافی خراب ہو چکا تھا اسی لیے علی کے ہاتھ سے اپنی فائل جھپٹی اور اپنی کلاس کی اُور بڑھ گیا۔

حیدر عباس،احمر وقار، علی احمد اور حاشر منیر چاروں کی دوستی اسی یونیورسٹی سے شروع ہوئی تھی ان سب ہی نے بی بی اے ساتھ کیا تھا اور اب ایم بی اے کر رہے تھے۔

چاروں ہی پڑھنے میں زہین تھے لیکن حیدر عباس کا نام یونیورسٹی کے بہترین طالبعلموں کی فہرست میں صف اول تھا۔

زینی اور رانی کا پہلا دن کافی اچھا گزرا تھا وہ دونوں مطمئن تھیں اور آج کافی تھک گیئں تھیں۔

انس احسن نے رانی کو واپسی میں pick کر لیا تھا۔ جب کے زینی یونیورسٹی سے ڈائریکٹ اپنے جاب کے لیے نکل گئی تھی۔ زینی نے بچپن سے ہی کمانا شروع کر دیا تھا یتیم خانے میں سلائی کڑھائی سکھائی جاتی تھی۔ زینی سلائی کڑھائی کرتی اور والیو اللہ اس کو بازار میں بیچ کے آتے اور زینی کا معاوضہ امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیتے اور زینی کو رقم احتیاط سے خرچ کرنے کی تلقین کرنا کبھی نہ بھولتے۔

زینی نے جب میٹرک کر لیا تو پھر بچوں کو tution دینا شروع کیا اور انٹر کے بعد وہ ایک کمپنی میں جاب کر رہی تھی جہاں زینی کو اچھی خاصی تنخواہ مل جاتی تھی۔ زینی نے والیو اللہ کے کہنے پر یتیم خانے کو خیر آباد کر دیا تھا اور اب ایک کرائے کے مکان میں رہ رہی تھی۔

زینب والیو اللہ کی زندگی میں بھی اور بہت سے یتیموں کی طرح بہت سے دکھ و درد تھے لیکن ایک درد وہ تھا جس سے ابھی تک زینب والیو اللہ کو آزمایا نہیں گیا تھا ایک راز تھا جس سے اب تک زینب والیو اللہ بے خبر تھی ایک پردہ اٹھنا ابھی باقی تھا۔

****

ملاقات

حیدر عباس پاکستان کے سب سے بڑے بزنس مین عباس عالَم کا بیٹا تھا اور حیدر عباس کی والدہ سوشل ورک کرتیں تھیں۔ عباس عالَم کے دو بیٹے (سعید عباس اور حیدر عباس) تھے اور ایک بیٹی (صفا عباس) تھی جو ان کے گھر کی رونق تھی۔ عباس عالَم کا بڑا بیٹا سعید عباس تھا اس کے بعد صفا عباس تھی اور حیدر عباس ان سب سے چھوٹا تھا۔

سعید عباس کی شادی ان کی پھپھو (زہرہ وقار) کی بیٹی ثانیہ وقار سے ہوئی تھی جو کہ احمر وقار (جو حیدر عباس کا بہترین دوست بھی تھا) کی بہن بھی تھی اور سعید عباس، عباس عالم کا بزنس سنبھالتے تھے۔
صفا عباس کی منگنی کچھ ہی مہینوں پہلے اس کے پھپھو (آلیہ مرتضیٰ) کے بیٹے ہاشم مرتضیٰ سے ہوئی تھی اور شادی صفا عباس کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد طے پائی تھی۔

وقت گزرتا جا رہا تھا اور اب زینب اور رانیہ کو یونیورسٹی میں دو سیمسٹرز ہو گئے تھے اور ان دونوں ہی سیمسٹرز میں ان دونوں نے بہترین نتائج حاصل کیے تھے اور زینب کی ذہانت کی خبر جنگل میں آگ لگنے کے مانند پوری یونیورسٹی میں پھیل چکی تھی۔
اس یونیورسٹی میں ہر سیمسٹر ایک کمپنی کے ممبرز visit کرنے آتے تھے اور یونیورسٹی کے بیسٹ سٹوڈنٹس ان کے ساتھ اپنے مختلف آئیڈیاز شیئر کرتے تھے اور جو ideas انھیں پسند آتے تھے وہ ان کے لیے طالبعلموں کو معاوضہ دیتے تھے اور انھیں اپنی کمپنی کے لیے استعمال کرتے تھے اور بعض دفع وہ کمپنیز ان طالبعلموں کو جاب کی آفر بھی کرتے تھے اور پچھلے دو سیمسٹرز سے صرف ایک شخص کے آئیڈیاز نا تو صرف فروخت ہو رہے تھے بلکہ اس شخص کو کمپنی سے آفر بھی آئی تھی جسے اس نے بڑی

خوش دلی سے قبول کر لیا تھا اور وہ کوئی اور نہیں تھی وہ۔۔۔۔زینب والیو اللہ تھی جو اپنا آپ بنانا جانتی تھی۔

اس سب کے دوران اگر کسی شخص کو فرق پڑ رہا تھا تو وہ تھا حیدر عباس ایسا نہیں تھا کہ وہ اب یونیورسٹی کا "brightest" سٹوڈنٹ نہیں تھا لیکن یونیورسٹی میں اب کے "bright" سٹوڈنٹ کا اضافہ ہو گیا تھا اور یہ اضافہ حیدر عباس کو بے حد کھل رہا تھا۔وہ تمام استاذہ جن کی زبان پر ہر وقت صرف حیدر عباس کا نام ہوتا تھا اب کسی اور کا بھی رہنے لگا تھا اور جب سے وہ آئی تھی اس کا کوئی ایک آیڈیا بھی کسی کمپنی کو متاثر نہیں کر سکا تھا۔حیدر عباس کی حالت اس وقت اس بادشاہ کی طرح تھی جس نے سالوں راج کیا ہو اور ایک ہی پل میں اس کا تختہ پلٹ دیا گیا ہو۔

وہ اس وقت حسد، جلن اور غصّے کے ملے جلے تاثرات میں تھا اس نے کبھی نہیں سوچا تھا اسے اس کی ذہانت میں بھی کوئی مات دے سکتا ہے۔۔۔۔۔اور اسے مات ہوئی بھی تھی تو ایک لڑکی سے۔۔۔اس نے کبھی کسی لڑکی کے طرف دیکھنا تک گوارا نہیں کیا تھا لیکن یہ لڑکی اس کے حواسوں پر سوار ہو رہی تھی اور اس کے وجہ محبّت ہر گز نہیں تھی وہ اس سے بے حد نفرت کرتا تھا۔

کل سر نے سب سٹوڈنٹس کو کارپوریٹ سوشل ریسپونسبلٹی کی ایکٹیویٹی کرنے کا ٹاسک دیا اور یہ سب اب یہاں بیٹھے اس مرحلے کو حل کرنے کے لیے جگہ منتخب کر رہے تھے۔

یار ہم لوگ جائیں گے کہاں؟" حاشر نے پوچھا۔"

کسی بھی ادارے میں چلے جائیں گے" علی نے کہا۔"

مثلاً۔۔۔ آپ بتانا پسند کریں گے؟" حاشر نے علی سے طنز کر کے پوچھا۔"

حیدر ہمیں کسی یتیم خانے جانا چاہیے کیوں کہ ابھی تک کسی گروپ نے بھی وہاں کا رخ نہیں کیا" احمر نے" حیدر سے کہا جو بے دھیانی سے علی اور حاشر کی باتیں سن رہا تھا۔

یتیم خانے؟" حیدر نے عجیب سے تاثرات کے ساتھ کہا۔"

کیوں تمھیں کوئی مسئلہ ہے؟" احمر نے پوچھا۔"

نہیں۔۔۔۔ میں سوچ رہا تھا ہمیں کسی این۔جی۔او جانا چاہیے" حیدر نے اپنا انتخاب ان سب کے" سامنے رکھا۔

میں نے یہ جگہ اس لیے تجویز کی کیوں کہ یہ مختلف آیڈیا ہے اور بہت سے گروپس پہلے ہی این۔جی۔اوز" کا انتخاب کر چکے ہیں۔۔۔۔" احمر نے وجہ بیان کی۔

احمر ٹھیک کہہ رہا ہے حیدر ہمیں کچھ نیا کرنا چاہیے" علی نے احمر کی بات سے متفق ہوتے ہوئے کہا۔"

وہاں بہت سے ضرورت مند بچے ہوں گے جن کی حقیقتاً مدد ہو جائے گی" حاشر نے کہا۔"

اور ویسے بھی حیدر وہ سب ہماری مدد کے سب سے زیادہ مستحق ہیں" احمر نے ایک بار پھر کہا۔"

ٹھیک ہے ہم چلیں گے" حیدر نے بھی اپنی حامی بھر لی۔"

کے اندر موجود تھے اور بھرپور جائزہ لے رہے تھے۔ "angels orphanage" وہ چاروں اس وقت اس یتیم خانے میں بچوں کو صرف تعلیم اور کھانا پینا ہی میسر نہیں تھا یہاں ان کو سلائی، کڑھائی، پینٹنگ ،کمپیوٹر کلاسز اور بہت سی سہولیات بھی فراہم کی جارہیں تھیں۔

وہ چاروں اس یتیم خانے کے نظام سے کافی متاثر ہوئے تھا۔

حیدر عباس ایک لمبی راہداری سے گزر رہا تھا جب اس کی نظر ایک کمرے میں پڑی وہاں ایک پانچ سالہ بچی بڑی مہارت سے کینوس پر رنگ بکھیر رہی تھی اگر حیدر عباس خود اس بچی کو پینٹ کرتے نہ دیکھتا تو وہ کبھی یقین نہ کرتا کہ یہ پینٹنگ ایک چھوٹی سی بچی کے ہاتھ سے بنی ہے اس پینٹنگ میں سورج کی کرنیں چاروں اُور پھیلی ہوئیں تھیں اور ایک لڑکی گھٹنوں کے بل بیٹھے سورج کو بغور دیکھ رہی تھی۔ حیدر عباس کے لیے یہ جاننا مشکل نہیں تھا کہ وہ اس لڑکی کو یہ پیغام دینا چاہتی تھی کہ طلوع آفتاب کی ہر کرن اپنے ساتھ امید کی ایک نئی کرن لے کے آتی ہے۔

اسلام علیکم "حیدر نے دعا کو مخاطب کیا۔"

وعلیکم السلام "دعا نے پیچھے مڑ کے دیکھا اور ستائشگی سے جواب دیا۔ دعا کو اپنی والدہ سے معلوم ہوا تھا کہ "

آج کچھ لوگ یتیم خانے میں بچوں کی مدد کرنے آنے والے تھے۔

"THIS PAINTING IS PRICELESS------ITS BEAUTIFUL

حیدر نے کھولے دل سے تعریف کی۔"

"THANKYOU SO MUCH"

دعا نے حیدر کی تعریف پر خوش ہو کر کہا۔

کیا میں یہ لے سکتا ہوں؟ "حیدر نے پینٹنگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔"

نہیں "دعا نے معصومیت سے کہا۔"

کیوں "حیدر نے ایک بار پھر پوچھا۔"

یہ میں نے زینی اپی کے لیے بنائی ہے۔۔۔میں آپ کو اور بنا دوں گی "دعا نے بتایا اور ساتھ میں اپنی "

خدمات بھی فراہم کیں۔

ٹھیک ہے "حیدر نے جواب دیا اور پھر اچانک حیدر کی نظر کمرے میں دیوار پر بنے ایک شیلف پر پڑی" جہاں مختلف میڈلس، سرٹیفکیٹس اور ٹرافیز رکھیں تھیں جو حاصل کرنے والے کی قبلیت بتا رہیں تھیں اور ایک فریم میں ایک حجابی لڑکی ایک بزرگ شخص کے ساتھ بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

یہ کون ہیں؟ "حیدر نے دعا سے پوچھا۔"

یہی تو میری زینی اپی ہیں "دعا نے خوش دلی سے مسکرا کے بتایا۔"

کتنی بار تمہیں کہا ہے یہ تمہاری زینی اپی نہیں ہیں۔۔۔ سمجھ نہیں آتی تمہیں۔۔۔ اب جاؤ یہاں سے "آسیہ بیگم نے قدرے غصّے سے کہا وہ دعا کی تمام گفتگو سن چکیں تھیں۔

یہ کون ہیں "حیدر نے اب کی بار آسیہ بیگم سے پوچھا۔"

مجھے کیا معلوم بیٹا۔۔۔ نجانے والیواللہ صاحب کو کیا سوجھی تھی کے اس گندگی کے ڈھیر کو یہاں اٹھا لائے۔۔۔ اتنے سالوں سے پتا نہیں کس کا گناہ سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ ہم سب نے تو "آسیہ بیگم ابھی بتا ہی رہیں تھیں کے والیواللہ صاحب کی گرج دار آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

آسیہ بیگم میں آپ کو ہرگز اجازت نہیں دوں گا کہ آپ میری بیٹی کے متعلق اس طرح کے الفاظ استعمال کریں۔۔۔ آپ کو مجھ سے یا بیٹی سے کوئی بھی مسلہ ہے تو آپ باخوشی یہ نوکری چھوڑ سکتی ہیں"۔

آپ کے دوست آپ کا انتظار کر رہے ہیں باہر" والیو اللہ صاحب نے اپنے لہجے کو نرم کرتے ہوئے اس بار حیدر سے کہا۔ وہ حیدر کو ہی ڈھونڈ رہے تھے جب دعا نے انھیں حیدر کے ان کے کمرے میں ہونے کا بتایا۔

السلام علیکم بابا" زینی اس وقت آفس میں تھی جب اس نے والیو اللہ صاحب کو کال کی۔"

وعلیکم السلام بیٹا" دوسری طرف سے بڑی ہی شائستگی سے جواب دیا گیا۔"

بابا کیسے ہیں آپ؟" زینی نے پوچھا۔"

میں ٹھیک ہوں زینی لیکن تم اب تک نہیں آئیں۔۔۔ سب ٹھیک تو ہے؟" والیو اللہ صاحب نے اپنی خیریت سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی فکر مندی سے سوال کیا۔"

جی بابا سب ٹھیک ہے میں نے آپ کو یہی بتانے کے لیے کال کی ہے آج آفس میں کام کچھ زیادہ ہے اس لیے میں آ نہیں پاؤں گیں۔۔۔ آپ پریشاں نہ ہوں اس لیے میں نے آپ کو بتانا بہتر سمجھا" زینی نے تفصیلی جواب دیا۔"

اچھا کیا جو بتا دیا میں پریشان ہو گیا تھا" والیو اللہ نے کہا۔"

زینی نے کچھ یاد آنے پر لپ ٹاپ پے تیزی سے چلتا اپنا ہاتھ روکا اور پوچھا۔

"آج کچھ لوگ آنے والے تھے نہ بابا کسی یونیورسٹی سے۔۔۔سب کچھ کیسا رہا"

اور نام کیا بتایا تھا آپ نے یونیورسٹی کا؟"زینی نے اپنے دماغ پر زور دے کر وہ نام یاد کرنے کی کوشش" کی جو والیو اللہ صاحب نے اسے بتایا ہی نہیں تھا۔

سب ٹھیک رہا۔۔۔تم آؤ گی کل تو بات کریں گے "والیو اللہ صاحب کے ذہن میں آج کا سارا واقعیہ" گھوم گیا لیکن کہا صرف اتنا ہی۔

ٹھیک ہے۔۔۔اللہ حافظ "زینی نے فرمابرداری سے کہا۔"

اللہ حافظ۔۔خوش رہو"والیو اللہ صاحب نے دعا دے کر فون بند کر دیا۔"

حیدر واپسی میں بلکل خاموش تھا اس کے دماغ میں اب تک آسیہ بیگم کی باتیں گردش کر رہیں تھیں جن پر یقین کرنا حیدر کے لیے مشکل تھا مگر پھر والیو اللہ کا زینب کے حق میں بولنا اسے یقین کرنے پر اکسا رہا تھا۔اس یتیم خانے میں آنے سے پہلے وہ یہاں کی تمام تر معلومات اکھٹا کر چکے تھے اور وہ جانتا تھا کہ آسیہ بیگم کافی بڑے عرصے سے اس یتیم خانے میں کام کر رہیں تھیں اور اگر وہ کچھ کہہ رہیں تھیں تو بغیر کسی بات کے تو نہیں کہا ہو گا ضرور کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے یا پھر یہی سچ ہے جو وہ بتا رہیں تھیں اور زینب والیو اللہ وہ کیوں اتنی چُپ چُپ رہتی ہے کیا اس سب کی وجہ یہی ہے اور حیدر عبّاس تم۔۔۔تم کون ہو

تمھیں ایک ایسی لڑکی تمہارے ہی میدان میں تمہیں پیچھے چھوڑ رہی ہے جس کا نہ کل صاف ہے اور نہ ہی آج کوئی نہیں جانتا وہ کون ہے کہاں سے آئی ہے اور حیدر عبّاس اس لڑکی سے با آسانی ہار رہا ہے۔۔۔ نہیں اب ایسا نہیں ہو گا کم از کم حیدر کسی ایسی لڑکی سے ہر گز نہیں ہارے گا۔

پہلے حیدر عبّاس کو زینب والیو اللہ میں تجسّس ہوا اور پھر اس کی جگہ ایک بار پھر حسد، جلن اور نفرت نے لے لی۔ حیدر سے یہ بات برداشت نہیں ہو رہی تھی کے زینب والیو اللہ جس کے بارے میں معاشرہ نہ قبلِ تسلیم باتیں کر رہا تھا وہ لڑکی حیدر عبّاس کا مقابلہ کر رہی تھی جس کے خاندان کا شمار پاکستان کے عزت دار خاندانوں میں

ہوتا تھا۔۔۔

یہ لو" علی نے تینوں کی طرف کین بڑھائے۔"

یہ چاروں اس وقت فٹ بال اسٹیڈیم کی بنچیس پر بیٹھے تھے۔

تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نہ" حاشر نے علی کی "شاخرچی "پر چوٹ کر کے کہا۔"

ہاں ٹھیک ہے" علی حاشر کا طنز اچھے سے سمجھ گیا تھا۔"

تو پھر اتنی مہربانیاں کیوں ہو رہی ہیں" حاشر نے کہا۔"

کنجوسِ زمانہ لوگ شاخرچی کر رہے ہیں" احمر نے حیدر کی طرف دیکھ کے کہا جس پے حیدر مسکرا دیا۔"

میں نے سوچا آخری سال ہے کیوں نہ جاتے جاتے تم غریبوں کی جھولیاں ہی بھر دی جائیں" علی کہاں سدھرنے والا تھا شاہانہ انداز سے کہا۔

آپ کے اس ایک جوس کے کین سے ہماری جھولیاں واقعی بھر گئیں ہیں" حاشر نے فرضی دامن پھیلا کے طنز کیا۔

حیدر عباس آپ کو سر رضا اپنے آفس میں بولا رہے ہیں" آفس کے ملازم نے حیدر کو بتایا۔"

آپ چلے میں آرہا ہوں" حیدر نے جواب دیا۔ حیدر کافی خوش لگ رہا تھا اور اس کی وجہ سر رضا کا بولاوا تھا وہ جب بھی بلاتے تھے کسی بڑے پروجیکٹ کے سلسلے میں ہی بلاتے تھے اور حیدر یہ سوچ رہا تھا کے آخر کار اس کو ایک بار پھر سے پروجیکٹ ملنا شروع ہو گئے ہیں اور اب وہ یونیورسٹی میں بنائی اپنی جگہ پر واپس پہنچ سکتا ہے۔

رانیہ اور نور ابھی آئی۔ ٹی لیب سے پاور پوائنٹ بنا کر باہر نکلی تھیں نور بھی انہی کی کلاس میں تھی اور زینب اور رانیہ دونوں کی ہی اچھی دوست بن گئی تھی۔ گول چہرہ چھوٹی چھوٹی آنکھیں لمبی ناک گوری رنگت اور ہستی ہوئے گالوں پے پڑتے گڑھے اس کو مزید خوبصورت بناتے تھے۔

ان دونوں کا ارادہ کینٹین جانے کا تھا پر جیسے ہی رانی کی نظر سر عمیر پر پڑی تو وہ جھٹ سے پِلر کے پیچھے چھپ گئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سر عمیر سے جب بھی ٹکراؤ ہوتا وہ کوئی نہ کوئی کام سٹوڈنٹس کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔

مس نور" سر نے نور کو دیکھا تو اسے اپنی طرف مخاطب کیا۔"

یس سر" نور نے احترام سے جواب دیا۔"

آپ اکیلی ہیں۔۔۔ مس رانیہ اور مس زینب آئیں نہیں آج" سر عمیر نے نور کو اکیلا دیکھ پوچھ لیا۔"

سر کے لفظ "اکیلی" کہنے پر نور نے گردن گھوما کے دیکھا اور سمجھ گئی کے رانیہ منظر سے غائب کیوں ہو گئی تھی۔

سر رانیہ تو یہیں کہیں ہوں گی اور زینب بھی آئیں ہیں" نور نے "یہیں کہیں" پر زور دے کے کہا۔"

پِلر کے پیچھے چھپی رانیہ نے اپنے ہونٹھ کاٹنے شروع کر دیے تھے۔

اچھا۔۔۔ اگر آپ کو زحمت نہیں ہو تو آپ میرا ایک کام کر دیں گیں؟" سر عمیر اپنی پے آ چکے تھے۔"

سر عمیر کا سوال سن کر رانیہ نے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ کر اپنی اُمڈنے والی ہنسی کو روکا۔

جی سر کہیے" نور نے تابیداری سے کہا۔"

یہ پارسل سر احمد کو دے آئیں" سر عمیر نے پارسل نور کی طرف بڑھا کے کہا۔"

اوکے سر "نور نے پارسل تھام کے کہا۔"

نور نے پیچھے موڑ کے دیکھا تو رانیہ وہاں سے پہلے ہی بھاگ چکی تھی اب یہ کام اس نے ہی کرنا تھا۔ وہ ایک گہری سانس لے کے آگے بڑھ گئی۔

زینی چلو نہ "رانی نے کہا۔"

رانی پچھلے آدھے گھنٹے سے زینی کے سر پر سوار تھی اور کینٹین چلنے کے لیے منّتیں کر رہی تھی اور زینی بھی ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی اور سر جھکائے اپنی کتاب کا مطالع کر رہی تھی۔

نور کہاں ہے؟ "زینی نے موضوع بدلنے کے لیے نور کا ذکر کیا۔"

وہ سر عمیر کے کام سے گئی ہے۔۔۔۔ چلو نہ زینی پلیز مجھے بھوک لگ رہی ہے "رانی کہاں موضوع" بدلنے والی تھی۔

رانی تمہیں کب بھوک نہیں لگتی "زینی نے طنز کیا تھا۔"

زینی میں اتنی ہی بھوکی ہوں تم میرے ساتھ چلو ورنہ میں نے اب تمہیں کھا جانا ہے "رانی نے غصّے سے" کہا۔

اس میں کوئی شک بھی نہیں یقیناً تم کھا جاؤ گی اتنی دیر سے میرا دماغ تو کھا ہی رہی ہو" زینی نے اپنی کتاب بند کر کے بڑے تحمل سے کہا۔

زینی کی بات پر رانی کا تو منہ کھلا رہ گیا۔

مس زینب والیو اللہ آپ کو سر رضا اپنے آفس میں بلا رہے ہیں" ایک لڑکا اپنے مخصوص یونیفارم میں" موجود زینب سے مخاطب تھا اور سر رضا کا پیغام دے رہا تھا۔

ٹھیک ہے آپ جائیں میں آ رہی ہوں" زینی نے جواب دیا۔"

رانی جو یہ سب دیکھ رہی تھی زینی سے پوچھ بیٹھی۔

"سر رضا تمہیں کیوں بلا رہے ہیں؟"

اب یہ تو جا کے ہی پتا چلے گا" زینی نے اطمینان سے کہا۔"

اور میری بھوک" رانی نے رونی صورت بنا کے کہا۔"

جہاں اتنی دیر ماری ہے تھوڑی دیر اور مار لو" زینی نے مسکرا کے کہا۔"

کتنا ٹائم لگ جائے گا؟" رانی نے زینی کی مسکراہٹ پر گھورا اور پھر پوچھا۔"

پتا نہیں" زینی نے کندھے اچکا دیے۔"

پھر میں لائبریری جا رہی ہوں تم وہیں آ جانا" رانی نے بیگ کندھے پے ڈالتے ہوئے کہا۔"

ٹھیک ہے "زینی نے سر اثبات میں ہلا دیا۔"

لائبریری کا یہ کونہ کافی سنسان تھا۔لائبریری کے کونے میں وہ بیٹھی تھی میز پے چند کتابیں موجود تھیں اور وہ ان میں نجانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔

یک دم اس نے کتابیں بند کیں اور کرسی سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی اور اپنی عادت کے مطابق خود کلامی شروع کر دی تھی۔

یہ کتابیں کس نے بنائیں ہیں۔۔۔۔اور چلو بنانے والے نے بنائی تو بنائی یہ مس ثنا نے ہمیں کیوں بنوانے کی assignment بنانے کے لیے دے دیا۔۔۔۔اور یہ سٹوڈنٹس سے assignment پوچھے گا ان سب کو ہم معصوم بچوں پر ظلم کر رہے ہیں "رانی کا خرافات کس کے دماغ کی ایجاد ہے اللہ بھوک کی وجہ سے دماغ کام کرنا تو بند ہو گیا تھا لیکن زبان کے بریک فیل ہو گئے تھے۔ تبھی ایک آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

میں نے تو سنا تھا آپ پڑھائی میں بہت اچھی ہیں۔۔۔ لیکن اب لگتا ہے غلط سنا تھا آپ تو کافی بیزار لگتیں" ہیں پڑھائی سے "احمر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ لائبریری میں اپنی مطلوبہ کتاب کی تلاش میں تھا جب رانی کی آواز اسے سنائی دی وہ اسے پہچان گیا تھا اور اب اپنا حساب برابر کر رہا تھا۔

اس شخص کو دیکھ کر رانی کا دل زور سے دھڑکا اور وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ احمر کی بات کا جواب دیے بغیر اس نے اپنا بیگ اور کتاب اٹھائی اور وہاں سے اندھا دھن باہر نکلی جب اس کا تصادم کسی وجود کے ساتھ ہوا اور ان دونوں کی ہی تمام کتابیں زمین بوز ہو گیئں۔

کیا ہوا رانی کیا بھوت دیکھ لیا ہے "نور نے غصّے سے کہا اور کتابیں سمیٹ کے کھڑی ہوئی۔ "

بھوت نہیں جن دیکھا ہے میں نے جن۔۔۔ "رانی نے اپنی آنکھیں بڑی کر کے کہا۔ "

کیا "نور نے بے یقینی سے پوچھا۔ "

مجھے اس جن کے سائے سے بھی دور رکھے "رانی نے کہا تبھی اسے وہی آواز سنائی بس تم دعا کرو اللہ " دی۔

آمین "احمر نے مسکراتے ہوئے کہا اور رانی کا لائبریری کارڈ اس کے آگے بڑھایا جو وہ جلدی جلدی میں " وہیں چھوڑ آئی تھی اور وہاں سے چلا گیا۔

رانی کی زبان کو ایک بار پھر بریک لگ گئے تھے اس کے دل میں احمر کو لے کے انجانا سا خوف تھا کہ کہیں وہ پہلی ملاقات کی وجہ سے کوئی انتیقامی کروائی نہ کرے۔نور کو رانی احمر سے پہلی ملاقات کے بارے میں بتا چکی تھی لیکن اس شخص کو نور نے دیکھا نہیں تھا اس لیے پوچھا۔

"یہ کون تھا"

"یہ وہی پرینک والا تھا"رانی نے کھوئے ہوئے انداز میں بتایا۔

اچھا چلو تم نے کینٹین چلنا تھا نہ "نور نے رانی کی توجہ اپنی طرف ملبوز کروائی جس میں وہ کامیاب بھی ہو گئی۔

ہاں چلو"رانی فوراًراضی ہو گئی۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تکرار

زینب ایک بڑی راہداری سے گزر رہی تھی اور اس وقت اس کا دماغ سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اس کے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ سر رضا اسے کیوں بلا رہے تھے۔ سر رضا ہیڈ اف ڈیپارٹمنٹ تھے اور اب تک زینی کی ان سے براہراست کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی انہوں نے زینی کو تقریروں کے دوران تعریفی جملات سے نوازا تھا اور اب وہ اسے بلا رہے تھے زینی انہی سوچوں میں سر رضا کے آفس تک پہنچ گئی تھی۔ ہر طرح کی سوچ کو اس نے اپنے زہن سے جھٹک کے آفس کے دروازے پے دستک دی اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہو گئی۔

السلام علیکم سر۔۔۔ سر آپ نے بلایا تھا" زینی نے سلام کے بعد اپنے آنے کا مقصد بھی بیان کیا۔"

جی میں نے ہی بلایا تھا۔۔۔ آیئے بیٹھیے" سر رضا نے اپنے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کر کے" کہا۔

سر رضا اپنی فائل پر دوبارہ جھک گئے۔ زینی کو کافی عجیب لگا وہ اسے بُلا کر خود کام میں مصروف ہو گئے تھے لیکن خود کو کچھ بھی پوچھنے سے باز ہی رکھا اور کمرے کا جائزہ لینے لگی آفس کافی بڑا تھا ایک طرف صوفے اور میز رکھی تھی جو اندر آتے وقت زینب کو نظر نہیں آئی تھی اور بلکل اس کے سامنے گلاس وال تھی جہاں سے باہر کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا آفس کو کافی نفاست سے سجایا گیا تھا۔ زینی کے سامنے میز پر کافی

فائلز ترتیب سے رکھیں تھیں اور سراب تک اپنے کام میں مشغول تھے جب دوازے پر دستک کی آواز نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

السلام علیکم سر۔۔۔۔ سر آپ نے بلایا" آنے والے نے بہت ہی خوش دلی سے پوچھا۔"

چونکہ زینی کی پچُت پر دروازہ تھا اس لیے زینی نہ آنے والے کو دیکھ سکی نہ آنے والا زینی کو دیکھ سکا۔

وعلیکم السلام۔۔۔۔ آؤ بیٹھو" سر رضا نے زینب کے برابر رکھی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔"

حیدر کرسی کی جانب بڑھ رہا تھا جب اس کی نظر زینب پر پڑی وہ ٹھٹک گیا پھر خود کو کمپوز کرتا ہوا وہ بڑے ہی مغرورانہ انداز میں کرسی پر بیٹھا۔

زینب کو اس شخص کے ہر انداز میں ہمیشہ ایک "ناز" کا عنصر نظر آتا تھا لیکن آج کہیں بھی ناز نہیں تھا آج "ناز" کی جگہ "غرور" نے لے لی تھی۔

زینب نے اپنی سوچوں کو ایک بار پھر جھٹکا اور اپنی تمام تر توجہ سر رضا کی جانب ملبوز کی جو کہہ رہے تھے۔

ہر سیمسٹر کی طرح اس سیمسٹر میں بھی ہمارے پاس ایک پروجیکٹ کرنے کی آفر آئی ہے اور چونکہ یہ "

" پروجیکٹ کافی بڑا ہے تو ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ پروجیکٹ آپ دونوں مل کر ہینڈل کریں گے

سر رضا نے اپنی بات مکمل کر کے رضامندی حاصل کرنے کے لیے دونوں کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

سر رضا کی بات سن کر حیدر کو بے تحاشا غصّہ آیا لیکن ضبط کر کے گویا ہوا۔

سر میں اِن کے ساتھ کوئی کام نہیں کرنا چاہتا" حیدر نے "اِن" پر زور دے کر کہا۔"

اس ساری گفتگو میں زینب نے پہلی بار اس کی جانب دیکھا جو بڑے ہی بے نیاز انداز میں بیٹھا بات کر رہا تھا جیسے وہ وہاں بیٹھی ہی نہیں ہو۔

سر رضا کو کافی حیرت ہوئی حیدر نے کبھی کسی کے ساتھ کام کرنے سے مانا نہیں کیا تھا اور اب کر رہا تھا انہوں نے پوچھنا مناسب سمجھا۔

کیوں" سر رضا نے حیدر کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔"

سر میں غیر خاندانی لوگوں کے ساتھ کام کرنا پسند نہیں کرتا" بڑے ہی اطمینان سے توجیہ پیش کی گئی۔"

حیدر کی بات سن کے جہاں سر رضا حیرت میں ڈوبے تھے وہیں زینب کا رنگ فق ہوا تھا ایسا نہیں تھا یہ تانہ اس نے پہلے نہیں سنا تھا لیکن یہ تانہ وہ انتہائی غیر متوقع جگہ پر غیر متوقع شخص کی زبان سے سن رہی تھی۔ زینب نے فرش پے رکھا اپنا بیگ اٹھایا اپنی چادر ٹھیک کی اور کچھ بھی کہے بغیر دروازے کی جانب بڑھی دروازے کے ہینڈل کو تھامے وہ پیچھے کی جانب موڑی جہاں وہ اب تک بے نیاز ہی بیٹھا تھا اور سر رضا کی زبان کو تو شاید تالے ہی لگ گئے تھے اور پھر زینب نے کہا۔

معذرت چاہتی ہوں سر لیکن زینب ولیو اللہ کسی بھی غیر مہذب شخص کے ساتھ کام کرنا اپنی توہین سمجھتی ہے" زینی کہہ کر باہر نکل گئی تھی اور حیدر کا چہرہ غصّے اور ضبط سے لال ہو گیا تھا اگلے ہی لمحے وہ اٹھا اور آفس سے باہر نکل گیا۔

احمر حیدر کا انتظار کر رہا تھا وہ جانتا تھا کے حیدر پریشان ہے اور جب سر رضا کا بلاوا آیا تھا احمر نے حیدر کے چہرے کو کھلتے ہوئے دیکھا تھا۔

وہ آفس کے قریب ہی تھا جب سر رضا کے آفس سے پہلے ایک لڑکی نکلی۔۔۔وہ لڑکی کو پہچان گیا تھا یونیورسٹی میں کوئی ایک بھی نہیں تھا جو اسے نہ پہچانتا ہو۔۔۔اور پھر حیدر باہر آیا تھا جس کا چہرہ غصّے سے لال ہو رہا تھا۔

احمر حیدر کے پیچھے لپکا جو کے لمبے لمبے ڈگ بھرتا پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ رہا تھا۔

حیدر۔۔۔حیدر۔۔۔حیدر۔۔۔" احمر نے آوازیں لگائیں لیکن حیدر نے ایک نہ سنی۔"

حیدر۔۔۔حیدر ہوا کیا ہے؟" احمر نے حیدر کا ہاتھ کھینچ کے اس کا رخ اپنی طرف کر کے پوچھا۔"

تمہیں کیوں سمجھ نہیں آرہی مجھے تم سے بات نہیں کرنی" حیدر نے احمر کو دھکا دے کے غصّے سے کہا۔"

ٹھیک ہے پر تم کہاں جا رہے ہو" احمر نے فکر مندی سے پوچھا۔"

احمر پلیز۔۔۔میں اس وقت اکیلا رہنا چاہتا ہوں" حیدر نے اپنے غصّے پے قابو رکھتے ہوئے کہا۔"

میں کچھ نہیں پوچھوں گا جب تک تم خود نہ بتاؤ۔۔۔۔لیکن میں تمہیں اتنے غصّے میں ڈرائیو بھی نہیں" کرنے دوں گا" احمر نے حیدر کے ہاتھ سے لینڈ کُرُسر کی چابی لی اور ڈرائیونگ سیٹ سنمبھال لی۔

حیدر اپنا رخ ونڈو سکرین کی طرف کر کے بیٹھ گیا وہ جانتا تھا احمر اسے اب اکیلے نہیں جانے دے گا اور اگر وہ تھوڑی دیر اور وہاں رہتا تو یقیناً کچھ نہ کچھ کر بیٹھتا۔

آج کی تمام کلاسز اپنے اختتام پر پہنچ گئیں تھیں۔نور اور رانیہ دونوں مین گیٹ کے پاس کھڑی زینب کا انتظار کر رہیں تھیں۔تب ہی نور نے زینب کو دیکھا اور رانیہ سے کہا۔

"زینی آگئی"

رانیہ اور نور اسے ہی دیکھ رہیں تھیں لیکن جب وہ ان دونوں کو بغیر دیکھے آگے بڑھ گئی تو رانیہ اور نور نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا اور آگے بڑھ کر زینب کو روکا۔

کیا ہوا ہے۔۔۔کہاں کھوئی ہوئی ہو؟" رانی نے سوال کیا۔"

کہیں بھی تو نہیں" زینب نے خود کو کمپوز کر کے کہا۔"

سر رضا کیوں بلا رہے تھے؟" اب کی بار نور نے پوچھا۔"

ایسے ہی" جواب مختصر آیا۔"

ہیں۔۔۔۔ ایسے ہی کا کیا مطلب ہے کچھ تو کہا ہو گا یا تمہارا دیدار کرنے کے لیے بلایا تھا تمہیں" رانی نے" غصّے سے کہا۔

نور نے زینب کو رانیہ کو گھورتے ہوئے دیکھ اپنی ہنسی دبائی۔

ایک پروجیکٹ کو ڈیل کرنے کے سلسلے میں بلایا تھا" زینب نے رانی کو گھوری سے نواز کر جواب دیا۔"

تو پھر" رانی نے کہا۔"

تو پھر کیا؟" زینب نے نہ سمجھ آنے والا انداز اپناتے ہوئے پوچھا۔"

تو پھر کا مطلب ہے تم کر رہی ہو نہ ڈیل اس پروجیکٹ کو" نور نے رانی کے "تو پھر" کی وضاحت کی۔"

نہیں" یک لفظی جواب آیا۔"

کیا!! لیکن کیوں" نور اور رانیہ کی حیرت میں ڈوبی ہوئی ہم آوازیں زینب کی سماعتوں سے ٹکرائیں۔"

وہ دونوں ہی زینب کے جواب کی منتظر تھیں اور زینب پر آنکھیں جمائیں ہوئیں تھیں جو نجانے کیا جوڑ توڑ کر رہی تھی۔

میرے پاس وقت نہیں ہے اس سب کے لیے۔۔۔آفس کا بھی پہلے ہی بہت سا کام پینڈنگ پڑا ہے""

زینب نے ایک نظر دونوں کو دیکھ کے نظریں جھکا لیں اور اپنے بیگ میں نہ مطلوبہ چیز کو ڈھونڈتے ہوئے

جواب دیا۔

تم سچ کر رہی ہو یہی وجہ ہے "رانی نے اپنی کھوجتی ہوئی نظریں زینب پے گاڑ کے پوچھا۔"

زینب کا بیگ میں چلتا ہاتھ یک دم روکا اور اس نے رانی کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

ہاں۔۔۔کام تو ہے مجھے آفس میں "زینب نے سچ اور جھوٹ کے درمیان کی رہ اختیار کی۔"

اور ویسے بھی پچھلے سمسٹرز میں کافی مصروف رہی ہوں اب تھوڑا ریسٹ کرنا چاہتی ہوں"زینی نے ان

دونوں کو مطمئن کرنے کے لیے ایک بار پھر کہا۔

ٹھیک ہے جیسے تمہیں آسانی ہو ویسے ہی کرو"نور نے زینی سے کہا۔"

رانیہ اب بھی مطمئن نہیں ہوئی تھی لیکن مزید سوال کرنے سے گریز کیا وہ جانتی تھی کے زینی نہیں بتانا

چاہتی تو پھر وہ کبھی نہیں بتائے گی۔

کالی لینڈ کُرُ وسر نے سنہرے قد آدم دروازے کو عبور کیا۔ راہداری کے دائیں اور بائیں جانب نفاست سے سجایا گیا گاڈن موجود تھا جس میں نہ صرف طرح طرح کے پھول موجود تھے بلکہ یہاں پھل خاصی تعداد میں لگائے گئے تھے۔ دائیں جانب کے گاڈن کے وسط میں ایک سفید رنگ کا خوبصورت سا جھولا بھی رکھا گیا تھا۔ گھر کے داخلی دوازے کے عین سامنے ایک سفید رنگ کا فوارہ بہہ رہا تھا۔

گاڑی پورچ میں آ کے رکی اور حیدر ایک جھٹکے سے باہر نکلا اور گاڑی کے گیٹ کو اپنی پوری قوت سے بند کیا اور اندر کی طرف بڑھ گیا احمر بھی اس کے پیچھے لپکا۔

ہال میں ثانیہ اپنے دو سالہ بیٹے احد کو چپ کرانے کی انتھک کوشش میں تھی لیکن احد صاحب فل volume میں اپنا راگ لاپ رہے تھے۔ تب ہی ثانیہ نے حیدر کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا جس کا سفید چہرہ اس وقت لال ہو رہا تھا۔

حیدر تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا سڑھیوں کی جانب بڑھا اور ان کو عبور کر کے اپنے کمرے میں مقید ہو گیا۔

ثانیہ پیچھے موڑی تو اس کی نظر احمر پر پڑی۔

اسے کیا ہوا ہے؟" ثانیہ نے تشویش سے پوچھا۔"

پتا نہیں" احمر نے روتے ہوئے احد کو اپنی گود میں لیا تو احد اسے اپنی گول گول نیلی آنکھوں سے دیکھنے" لگا اور پھر کھلکلا کر ہنس دیا۔

"کیا مطلب۔۔۔۔تمہارے ساتھ آیا ہے وہ اور تمہیں نہیں پتا" ثانیہ نے تھوڑے غصّے سے کہا۔

"ہو سکتا ہے کوئی بات بری لگ گئی ہو" احمر نے کہا۔

"تمہیں نہیں بتایا؟" ثانیہ نے پھر پوچھا۔

"نہیں ابھی وہ غصّے میں ہے غصّہ ٹھنڈا ہو گا تو خود ہی بتا دے گا۔۔۔اور آپ مامی سے بھی کچھ مت کہیے گا" احمر نے اپنی بڑی بہن ثانیہ کو تلقین کرنا بہتر سمجھا۔

"ٹھیک ہے" ثانیہ نے رسانیت سے کہا۔

"ان کو تو دیکھو اتنی دیر سے میں چپ کرا رہی تھی تو ہوئے نہیں اور اب تمہاری گود میں آتے ہی نہ صرف چپ ہو گئے ہیں بلکہ ہنس بھی رہے ہیں"

ثانیہ نے احد کی طرف اشارہ کر کے کہا جو اپنے دونوں ہاتھ احمر کے گال پر رکھتا احمر کی ہری آنکھوں میں دیکھتا اور کھلکھلا کر ہنس دیتا۔

"بچے پیار کی زبان سمجھتے ہیں" احمر نے ثانیہ کو چڑانے کے لیے کہا۔

"ہاں بھئی واقعی مجھے یہ زبان بلکل نہیں آتی اب تم ہی اسے سنبھالو میں ذرا اپنا کام ختم کر لوں" ثانیہ نے احمر کی بات کا اثر لئے بغیر کہا اور موڑنے لگی تب ہی احمر نے کہا۔

"آپی پلیز۔۔۔۔مجھے جانا ہے گھر کافی دیر ہو گئی ہے" احمر نے بچارگی سے کہا۔

چائے تو پی کے جاؤ" ثانیہ کو بھائی کی خاطر داری کی فکر ہونے لگی۔"

نہیں پھر کبھی" احمر نے احد کو ثانیہ کی گود میں دیا جو اسے گھور رہیں تھیں۔ وہ احمر کی "پھر کبھی" سے تنگ آچکیں تھیں۔ وہ جب بھی آتا کھڑے کھڑے ہی آتا تھا احد کو لیتا اور پھر اس کے ساتھ باہر نکل جاتا۔

زینب آج آفس میں بھی کھوئی کھوئی سی تھی اس کا دل کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ حیدر عباس کے کہے گئے الفاظ بازگشت کی طرح اس کے چاروں اُور اپنا حصار قائم کیئے ہوئے تھے۔

آج اس نے آفس سے جلدی چھٹی لے کر یتیم خانے کا رخ کیا۔ گاڑی پارک کر کے وہ اندر داخل ہوئی جب خان بابا نے اسے سلام کیا۔

وعلیکم السلام۔۔۔۔ سب ٹھیک ہے" آج خان بابا معمول سے ہٹ کر خوش نظر آرہے زینی نے سلام" کا جواب دیا اور اور وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی۔

جی اچھا ہی ہے آپ کو پتا ہے کل بڑے ہی بھلے لوگ آئے تھے بچوں کی مدد تو کی ہی اور مجھے بھی ایک" لفافہ تھما کر گئے۔۔۔۔ میں نے وہ لفافہ جب والی صاحب کو دیا تو کہنے لگے میاں تمہاری چیز ہے تم خود ہی سنبھالو اس کو" خان بابا نے تفصیل سے بتایا اور اپنی وفاداری ثابت کرنا نہ بھولے۔

ٹھیک کہا بابا نے "زینی نے والی بابا کی تقلید میں کہا۔"

جاؤ آپ مل لو والی صاحب اندر ہی ہیں "خان بابا نے اندر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔"

جی "زینی کہہ کر آگے بڑھ گئی۔"

زینی ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔

السلام علیکم "زینی نے والیو اللہ صاحب کو دیکھ کر سلام کیا۔"

وعلیکم السلام۔۔۔۔۔ آج جلدی آگئیں ؟ "والیو اللہ صاحب نے جواب دے کر پوچھا۔"

جی کل آ نہیں سکی تو سوچا آج تھوڑا زیادہ وقت آپ کے ساتھ گزار لوں "زینی نے صوفے پے بیٹھتے ہوئے بتایا۔

اچھا کیا "والیو اللہ صاحب نے کہا۔"

خان بابا بتا رہے تھے کے کل جو لوگ آئے تھے بچوں کے لئے کافی کچھ دے کر گئے ہیں۔۔۔۔۔ ویسے" بابا آئے کہاں سے تھے وہ لوگ "زینی نے اپنے جوتے اتارتے ہوئے مصروف سے انداز میں پوچھا۔

برائٹ بزنس یونیورسٹی سے "والیو اللہ صاحب نے زینی کو بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔"

والیو اللہ کا جواب سن کر زینی کا چلتا ہوا ہاتھ روکا اور اس کے چہرے پر ایک سایہ لہرایا جو والیو اللہ صاحب کی آنکھوں سے چھپ نہیں سکا۔ والیو اللہ صاحب نے ایک بار پھر کہنا شروع کیا۔

"میں چاہ کر بھی انھیں آنے سے روک نہیں سکتا تھا یہ بچوں کے مستقبل۔۔۔۔"

بابا آپ نے بلکل ٹھیک کیا" زینی نے والیو اللہ صاحب کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی۔"

تمہیں کسی نے کچھ کہا تو نہیں" وہ نجانے کیا جاننا چاہ رہے تھے۔"

کوئی مجھے کیوں کچھ کہے گا بابا؟" زینی نے والیو اللہ صاحب سے الٹا سوال کر ڈالا۔"

ان میں سے ایک شخص تمہاری تصویر دیکھ گیا تھا یہاں" والیو اللہ صاحب نے سر جھکائے بتایا جیسے ساری" غلطی ان کی تھی۔

بابا کسی کے کہے گئے چند لفظ میرا سکون برباد نہیں کر سکتے۔۔۔اور آپ کا بھی نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ہم" کسی کی زبان پر بندھ نہیں باندھ سکتے تو جو وہ کہتے ہیں انہیں کہنے دیں۔۔۔مجھے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں ہے خود کو پہچاننے کے لیے۔۔۔زینب والیو اللہ کو خود کو پہچاننے کے لیے اس کا اپنا آپ کافی ہے کیوں کے میں جانتی ہوں کہ میں کون ہوں۔۔۔میں زینب والیو اللہ ہوں آپ کی بیٹی جس نے اب لوگوں کی باتوں کا اثر لینا چھوڑ دیا ہے۔۔۔آپ بھی چھوڑ دیں۔۔۔کتنا ہی بڑا سانحہ ہو کتنا ہی بڑا حادثہ کیوں نہ ہوا ہو ہماری زندگیوں میں بابا لوگ صرف چند دن، چند مہینے یا چند سال بات کریں گے اس کے بعد بھول جائیں گے" زینی نے والیو اللہ صاحب کے پاس آئی اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر نرمی سے ان کے ہاتھ تھام کے انہیں سمجھایا۔

والیو اللہ صاحب زینی سے کہہ نہ سکے (باتیں بھولائی جاسکتیں ہیں حقائق نہیں)

اِنہوں نے مسکراتے ہوئے محبت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اچھا چلیں اب "زینب والیو اللہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کے کھڑی ہو گی۔"

کہاں "والیو اللہ صاحب نے حیرانی سے پوچھا۔"

آج ہم باہر کھانا کھائیں گے "زینب نے مُسکرا کے بتایا۔"

لیکن۔۔۔اچھا چلو "والیو اللہ صاحب نے زینب کی صورت دیکھ کے ارادہ بدل دیا اور کہا۔"

ایک غیر مرئی نُقتے پر نظریں جمائے وہ بستر پر چِت لیٹا تھا جب دروازے پر دستک کی آواز نے اُسے خیالوں سے بَ ری کیا۔

بڑی بی بی آپ کو کھانے کے لیے بلا رہیں ہیں "ملازمہ نے اجازت ملنے پر دروازہ وا کر کے بتایا۔"

مجھے بھوک نہیں ہے آپ جائیں "حیدر نے بیٹھ کر چڑچڑے انداز میں کہا لیکن لہجہ کو نرم ہی رکھا۔"

تھوڑی دیر ہی گزری تھی جب دروازہ پے پھر سے دستک ہوئی مسلسل دستک دینے کے باوجود بھی جب اس نے کوئی جواب نہ دیا تو ثانیہ بھابی اندر داخل ہو گئیں۔

مجھ سے کوئی توقعات نہ رکھنا کے میں نیچے جا کے تمہارے لیے امی سے کوئی بھی جھوٹ گڑھوں گی پانچ" منٹ میں اپنا حلیہ درست کر کے نیچے آؤ ورنہ اب کے امی ہی آ کر تم سے بات کریں گی"۔ثانیہ بھابی نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر دھونس جمانے والے انداز میں کہا۔

بھابی آپ تو اپنی مامی ساس سے بھی زیادہ خطرناک ہیں"حیدر نے منہ بنا کے کہا۔"

۔۔۔سچی"ثانیہ بھابی نے اپنی بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ہائے اللہ"

مچی"حیدر نے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔"

لیکن تمہارے بھائی تو مجھ سے ڈرتے ہی نہیں ہیں"ثانیہ بھابی نے بڑی ہی اداسی سے اپنا دکھڑا سنایا۔"

حلانا کہ ڈرنا چاہیے"حیدر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔"

ہاں۔۔۔واٹ"ثانیہ بھابی کو جب سمجھ آئی تو چیخ ہی پڑیں۔"

حیدر کا بھرپور مردانہ قہقہ فضا میں گونجا۔

ہونہہ۔۔۔نیچے آؤ"ثانیہ بھابی نے تحمکانہ انداز میں کہا اور کمرے سے چلی گئیں۔"

ناچار حیدر کو نیچے آنا ہی پڑا وہ جانتا تھا اگر فائزہ بیگم آگئیں تو ایک نیا پنڈور بوکس کھل جانا تھا۔حیدر بتاتا تو کبھی نہیں لیکن اسے اچھا نہیں لگتا تھا کیوں کہ فائزہ بیگم ہاتھ دھو کر حیدر کے پیچھے پڑ جاتیں تھیں اور جب تک حیدر انھیں کوئی جھوٹی سچی کہانی بنا کر نہ سنا دیتا وہ مطمئن نہیں ہوتیں تھیں۔

بچپن میں والدین اپنے بچوں کا دھیان دوسری طرف ملبوز کرنے کے لیے کہانیوں کا سہارا لیتے تھے اور وہی بچے بڑے ہو کر والدین کا دھیان دوسری اُور کرنے کے لیے کہانیوں کا ہی انتخاب کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کے والدین کی سنائی گئی کہانیوں میں اولاد کو علم ہوتا ہے کے وہ "کہانی" سن رہے ہیں جب کے اولاد کی سنائی گئی کہانیوں میں والدین لاعلم ہوتے ہیں کے وہ "کہانی" سن رہے ہیں۔

حیدر اپنی روٹین کے مطابق کھانے سے فارغ ہو کر احد کو اپنے ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

۔زینب اور والیو اللہ نے ایک اچھے سے ریسٹورانٹ میں بڑھے ہی خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا اور اب وہ آئس کریم پارلر میں بیٹھے اپنے آرڈر کے منتظر تھے اور ہلکی پھلکی گفتگو بھی کر رہے تھے۔

کافی دیر ہو گئی تھی اور زینب کا آرڈر نہیں آیا تھا ویٹر سے یہی کہنے کی غرض سے زینب نے اپنی کھوجتی ہوئی نظریں سامنے ڈالیں تو نظر اس کے چہرے پر پڑی اور زینب نے بہت ہی مہارت سے اپنے تاثرات چھپائے اور ایسا رویہ اختیار کیا جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو اور ویٹر کو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔

حیدر جو احد کو آئس کریم دلانے آیا تھا زینب کو دیکھ کر اس کے نقوش ایک بار پھر تن گئے تھے وہ اپنا پارسل تھامے تیزی سے وہاں سے باہر نکل گیا۔

حیدر جان نہیں سکا اسے زینب کی کون سی چیز پر غصّہ چھڑتا تھا یہ کہ وہ اس کے وجود سے بے نیاز ہوتی تھی وہ جس کی وجاہت کی ایک نظر بھی حسیناؤں کے دل میں ارتعاش پیدا کر دیتی تھی وہ اس سے کیسے بے نیاز ہو سکتی تھی یا پھر یہ کہ وہ ذہین نہیں ایک "ذہین ترین" طلبہ تھی یا پھر یہ کہ وہ غیر خاندانی ہونے کے باوجود اس کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتی تھی۔

حیدر پارکنگ ایریا میں اپنی کار میں بیٹھا اپنی ہی سوچوں میں گم تھا جب احد جو اس کی گود میں بیٹھا تھا نے اپنے دونوں ہاتھ سے اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف کیا۔

حیدر نے جب احد کو دیکھا تو اس کا منہ کھلا رہ گیا احد کے ہاتھ منہ سے لے کر حیدر کی جینس اور شرٹ پر چاکلیٹ آئس کریم کا لیپ لگا ہوا تھا جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ احد نے آئس کریم کھانے کی بہت جدوجہد کی وہ الگ بات ہے کہ وہ آئس کریم کھانے میں کم اور لگانے میں زیادہ کامیاب ہوئے۔

احد اب حیدر کے ساتھ اپنا پسندیدہ کھیل، کھیل رہا تھا وہ اپنے دونوں ہاتھ حیدر کے چہرے پر رکھتا حیدر کی آنکھوں میں جھانکتا اور کھلکھلا کر ہنس دیتا اور بھلا ایسا ہو سکتا تھا کے احد صاحب کی کلکاریاں کسی کے لبوں پے سجنے والی مسکان کی وجہ نہ بنے۔

زندگی کی تصویر کا ایک حسین رخ یہ بچے بھی ہوتے ہیں جن کی نور سے لبریز آنکھیں جن کی معصومیت سے بھری باتیں جن کی زندگی سے بھرپور کلکاریاں ہمیں تھوڑی ہی دیر کے لیے ہی سہی پر اس جہاں فانی کی الجھنوں سے رہائی دے دیتیں ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نئی چاھتیں نئی نفراتیں

سر رضا زینب اور حیدر کے رویے سے کافی پریشان ہو گئے تھے اسی لیے اُنہوں نے پورے اسٹاف کو بورڈ روم میں بلایا تھا وہ تمام استاذہ سے یہ واقعیہ ڈسکسّس کر کے اس مسئلے کا حل نکلنا چاہتے تھے۔

بورڈ روم کا یہ کمرہ کافی بڑا تھا ایک بڑی سی میز کے گرد بہت سی کرسیاں لگیں تھیں اور میز پر ہر ایک ممبر کے ساتھ ایک پانی کی بوتل اور فرش پیک جوس رکھا تھا اس وقت یہاں تمام اسٹاف موجود تھا اور سر رضا نے ان تمام لوگوں کو کل کی روداد سنادی تھی اور وہاں بیٹھا ہر نفوس سر رضا کو حیرت سے تَک رہا تھا۔

سر آپ زینب والیو اللہ اور حیدر عبّاس کی ہی بات کر رہے ہیں نہ "مس ثناء کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا" اسی لیے پوچھا۔

جی بلکل "سر رضا نے صبر کا دامن تھامے کہا۔"

سر لیکن یہ دونوں ہی انتہائی خوش اخلاق بچے ہیں "سر عمیر نے سر رضا کو بتایا۔"

آپ یقیناً ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں لیکن ہم یہاں اُن کی خوش اخلاقی ڈسکسّس کرنے نہیں بیٹھے اُن دونوں" نے ہی ساتھ کام کرنے کے لیے منع کر دیا ہے اور میرا نہیں خیال کہ یہ پروجیکٹ وہ اکیلے ہینڈل کر سکتے ہیں اور اس پروجیکٹ کو انکار کر دیا گیا تو ہماری یونیورسٹی کی ریپوٹیشن کافی حد تک خراب ہو سکتی ہے اب آپ بتائیں کہ کیا کیا جاسکتا ہے" سر رضا نے اُن کے بُلانے کا مقصد بتایا اور اُن سے اس کا حل نکالنے کے لیے کہا۔

سر آپ ایک بار پھر بات کر کے دیکھیں ہو سکتا۔۔۔۔" سر عمیر نے کہنا شروع کیا۔

اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے" سر رضا نے سر عمیر کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی۔"

سر ہمیں ان کی قابلیت کو انڈر ایسٹیمیٹ نہیں کرنا چاہیے ہمیں انہیں ایک موقع دینا چاہیے ہو سکتا ہے" کہ وہ اکیلے ہی لیڈ کر لیں کیوں کہ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ یونیورسٹی میں اور کوئی اس پروجیکٹ کو ہینڈل نہیں کر پائے گا" سر احمد نے کہا۔

یس سر میں بھی سر احمد کی بات سے اتفاق کرتی ہوں آپ دونوں سے علیحدہ علیحدہ بات کریں اور جو بھی" رضامند ہو جائے اس سے ہی یہ پروجیکٹ کروائیں" مس ثناء نے اپنی تجویز پیش کی۔

اور اگر ہم دوسرے سٹوڈنٹس کو یہ کرنے بھی دیتے ہیں تو ہمارے پاس یہ گارنٹی نہیں ہے کہ وہ اسے" کامیاب ہی بنائیں گے" ایک اور ٹیچر نے اپنا پائنٹ رکھا۔

"SIR afterall organaization can't run without taking risk"

سر احمد نے ایک بار پھر کہا۔

ٹھیک ہے میں بات کرتا ہوں ان دونوں سے" سر رضا نے بل آخر حامی بھر ہی لی۔"

سر رضا اپنے آفس میں بیٹھے میٹنگ میں ہوئی باتوں پر غور و خوص کر رہے تھے تب ہی ایک آفس بوائے ان کے کمرے میں داخل ہوا اور ہاتھ میں پکڑی کافی آفس ٹیبل پر رکھ دی وہ جانے ہی لگا تھا کہ سر رضا نے اسے روک لیا اور کہا۔

حیدر عبّاس اور زینب ولی اللہ کو دیکھیں اگر وہ آگئے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو میرے آفس"
" بھیجیں

جی سر" آفس بوائے نے تابیداری سے کہا۔"

کچھ طالبعلم اپنی نشستوں پر براجمان تھے تو کچھ محو گفتگو تھے اور سر احمد کا انتظار کر رہے تھے۔ سر احمد ان کو سائیکالوجی کا سبجیکٹ پڑھاتے تھے۔ سر احمد کلاس میں داخل ہوئے تو سب ہی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے

ان کے ساتھ طالبعلموں کا ایک ریلا بھی اندر داخل ہوا۔وہ تمام اس وقت سر احمد کے پیچھے جمع کھڑے تھے۔ان میں احمر بلو جینس اور بلیک شرٹ میں ملبوز تھا اور اسے دیکھ کے مسکرا رہا تھا۔

رانیہ کی نظر اس پر پڑی تو کتاب کھول کے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔رانیہ کی یہ حرکت زینب اور نور سے پوشیدہ نہ رہی۔

رانی کیا کر رہی ہو؟"زینب نے کہتے ہوئے اس کے آگے سے کتاب ہٹائی۔"

وہ۔۔۔میں"رانیہ شاید بتانا نہیں چاہ رہی تھی۔"

یہ احمر بھائی سے چُھپ رہی ہے"نور نے زینب کو اس کے چُھپنے کی وجہ بتائی۔"

زینب کچھ کہنے لگی تھی جب سر احمد نے آنکھوں پر لگا اپنا چشمہ پیچھے کیا اور کہنا شروع کیا۔

اس سمسٹر میں میں دو کلاسز کو سائیکالوجی پڑھا رہا ہوں بی۔بی۔اے اور ایم۔بی۔اے اور میں" بی۔بی۔اے یعنی آپ سب کو ایک کیس اسٹڈی پر کام کرنے کے لیے دوں گا جن میں آپ کی مدد ایم۔بی۔اے کے سٹوڈنٹس کریں گے ایم۔بی۔اے کے تمام سٹوڈنٹس کو ان کے سوشل ورک کے مارکس ملیں گے جب کے آپ سب کو آپ کے آسینگمنٹ کے مارکس ملیں گے۔۔۔اس حوالے سے کوئی سوال ہو تو پوچھ لیں"سر احمد نے اپنا چشمہ رومال سے صاف کر کے آنکھوں پے لگایا اور پوچھا۔

سر کیس اسٹڈی کے ٹوپیکس آپ ہمیں خود دیں گے یا ہم ٹوپک کا انتخاب خود کریں گے "ایک سٹوڈنٹ" نے پوچھا۔

جی وہ میں آپ کو خود فراہم کروں گا" سر نے جواب دیا۔"

سر ہم ایم۔بی۔اے کے سٹوڈنٹس میں سے کسی کو بھی اپنی مدد کے لیے چن سکتے ہیں "ایک لڑکے نے" بڑی خوشی سے پوچھا تو کلاس میں ہنسی کا فوارہ پھوٹا۔

جی نہیں میں نے خود آپ کے گروپس بنائے ہیں" سر احمد نے کہتے ہوئے پوڈیم پر رکھی اپنی فائل سے" ایک صفحہ نکالا اور اپنے بنائے گئے گروپس کا اعلان کرنے لگے۔

زینب کا گروپ حاشر کے ساتھ، نور کا گروپ لائبہ کے ساتھ جب کے رانیہ کا گروپ احمر کے ساتھ بنایا گیا تھا۔

رانیہ نے جب اپنے گروپ ممبر کا نام سنا تو اس کی جان ہی نکلنے لگی۔

تب ہی سر نے زینب کو اپنی طرف بلایا اور سر رضا کا پیغام جو آفس بوائے لے کر آیا تھا اسے دے دیا اور زینب کلاس سے چلی گئی۔

سر نے اسی حوالے سے کلاس ڈسکاشن شروع کی۔بہت سے سٹوڈنٹس سر سے اپنے مطلوبہ سوالات پوچھ رہے تھے تو بہت سے اپنے گروپ پارٹنر سے علیک سلیک کر رہے تھے اور اپنا ٹوپک بھی ڈسکسّس کر رہے

تھے۔اسی طرح کلاس اپنے اختتام پر پہنچ گئی اور نہ رانیہ، احمر کے پاس گئی اور نہ احمر، رانیہ کے پاس آیا شاید وہ اس کی حالت سے واقف ہو گیا تھا۔

نور اور رانیہ ایک لمبی راہداری سے گزر رہیں تھیں اور رانیہ کو احمر کے ساتھ گروپ بننے کا صدمہ اس قدر تھا کہ وہ رو دینے کو تھی تب ہی نور نے اس سے کہا۔

"رانی کیا ہو گیا ہے یار احمر بھائی تمہیں کھا تھوڑی جائیں گے"

لیکن۔۔۔"رانیہ نے کچھ کہنا چاہا تب ہی نور نے اس کی بات کاٹ دی۔"

لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔رانی تم جتنا ڈرو گی یہ دنیا تمہیں اتنا ہی ڈرائے گی کبھی اپنی باتوں سے تو کبھی" اپنے عمل سے"نور نے رانیہ کے ڈر کو کم کرنا چاہا۔

ویسے مجھے پتا نہیں تھا تم اس قدر پھٹّو ہو میرے سامنے تو بڑی شیرنی بن کے گھُومتی ہو۔۔۔ڈرنا تو مجھے" چاہیے میرا گروپ تو نکچاڑی لائبہ کے ساتھ بنا دیا ہے سر نے"نور نے رانیہ کو موضوع سے ہٹایا۔

میں ڈرتی نہیں ہوں کسی سے بھی"رانیہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔"

تو پھر جب سر نے احمر بھائی کا نام لیا تھا تو تمہاری ہوائیاں کیوں اوڑھ گئیں تھیں؟"نور نے رانیہ کو وہ لمحہ" یاد کراتے ہوئے پوچھا۔

وہ تو بس میں گھبرا گئی تھی"رانیہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔"

اچھا۔۔" نور نے سمجھ آنے والا انداز اپناتے ہوئے کہا۔"

رانیہ احمر بھائی" کافی آگے بڑھنے کے بعد نور نے رُک کے رانیہ کو پیچھے کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔"

نور اس قدر سنجیدہ تھی کے رانیہ کا رنگ ایک بار پھر اُوڑھ گیا تھا اور رانیہ نے ڈرتے ڈرتے پیچھے مُڑ کے دیکھا تو وہاں احمر نہیں تھا۔

نور کی بچی۔۔۔۔۔" رانیہ نے دانت پیس کے کہا اور نور جو کے ہنستی ہوئی بھاگ رہی تھی اس کے پیچھے" دوڑ لگا دی۔

کچھ ہی دیر میں زینب ان کے آفس میں بیٹھی تھی۔ سر رضا نے بغیر تمہید بندھے کہنا شروع کیا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ آپ یہ پروجیکٹ کریں"

سر ایک بار پھر معذرت چاہتی ہوں پر میں یہ پروجیکٹ نہیں کرنا چاہتی" زینب نے انہیں رسانیت سے" انکار کر دیا۔

آپ جانتی ہیں اس پروجیکٹ سے نہ صرف یونیورسٹی کو بلکہ آپ کے کریئر کو بھی کافی فائدہ ہو گا" سر" رضا نے اسے رضامند کرنے کی کوشش کی۔

یس سر" زینب نے جواب دیا۔"

پھر بھی آپ یہ نہیں کرنا چاہتیں؟" سر رضا نے پوچھا۔"

جی سر" زینب نے اطمینان سے جواب دیا۔"

آپ کو یہ پروجیکٹ اکیلے ہی دیکھنا ہو گا حیدر عبّاس آپ کے ساتھ کام نہیں کریں گے" سر رضا کو لگا" شاید اس کے منع کرنے کی وجہ حیدر تھا۔

سر وہ یہ پروجیکٹ کریں یا نہ کریں لیکن اب میں یہ نہیں کروں گی چاہے وہ ساتھ ہوں یا نہ ہوں" زینب" نے ان کے اندازے کے برخلاف جواب دیا۔

آپ دونوں مقابلہ کر رہے ہیں ایک دوسرے سے" سر رضا نے زینب کو بغور دیکھتے ہوئے کافی وقفے" کے بعد پوچھا۔

زینب ولیو اللہ اور حیدر عبّاس کا کوئی مقابلہ ہے ہی نہیں" زینب نے مضبوط لہجے میں کہا۔"

ٹھیک ہے آپ جا سکتی ہیں" سر رضا کو اندازہ ہو گیا تھا کے وہ واقعی اب یہ پروجیکٹ نہیں کرے گی اسی" لیے اسے رخصت کر دیا۔

تھنک یو سر" زینب نے جاتے ہوئے کہا۔"

کبھی اپنے نوٹس خود بھی بنا لیا کرو" حاشر نے علی کو غصّے سے کہا۔"

توپھر تم کس درد کی دوا ہو؟" علی نے مسکراتے ہوئے حاشر سے بولا۔"

تم نے مجھ سے دوستی اس لئے کی تھی۔۔۔ خودغرض" حاشر نے حیرت سے پوچھا اور ساتھ میں علی کو" القابات سے بھی نوازا۔

اب ایسا بھی کوئی خودغرض نہیں ہوں میں میری وجہ سے پوری یونیورسٹی میں تمہیں مقبولیت حاصل" ہے ساری لڑکیاں آتیں ہیں میرے پاس تمہارے نوٹس لینے" علی نے حاشر سے سفید جھوٹ بولا۔

نوٹس لینے تو نہیں البتہ تیری حرکات وسکنات پر تجھے مغلظات سے نوازنے ضرور آتی ہوں گی" حاشر " نے علی کی شرارتوں پر چوٹ کر کے کہا۔

اب تو بچ" علی نے سوچا پر کہا نہیں۔"

احمر نے انہیں جھڑکا اور یاد بھی دلایا۔

"تم لوگ جگہ کا تو لحاظ کر لیا کرو کہیں بھی شروع ہو جاتے ہو سر رضا کے آفس کے باہر کھڑیں ہیں ہم" یار خالی خولی کھڑے ہونے کا کیا فائدہ سنتے ہیں نہ سر کیا کہ رہے ہیں حیدر سے " علی کا شیطانی دماغ جاگ " چکا تھا۔

نہیں" احمر نے منع کیا۔"

یار کوئی نہیں دیکھ رہا۔۔۔ چل حاشر سن" علی نے پہلے فقرے میں احمر کو مطمئن کیا اور دوسرا فقرہ" حاشر کو آفس کے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

میں کیوں سنو تمہارے کانوں میں کیا روئی ٹھونسی ہے" حاشر نے علی کے ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹاتے" ہوئے کہا۔

یار کان بند ہے میرا۔۔۔۔ پانی چلا گیا تھا" علی نے بیچارگی سی صورت بنا کے ایک بار پھر جھوٹ بولا۔"

واقعی اس کے کان حقیقتاً بند ہیں مجال ہے جو کسی کی سن لے" احمر کی بڑبڑایا علی نے بخوبی سن لی تھی۔"

اچھا" اتنا کہہ کے حاشر نے اپنے کان آفس کے دروازے پے ٹِکا دیے۔"

علی کہاں اپنی شیطانی فطرت سے باز آنے والا تھا آہستہ آہستہ حاشر کو اتنا دھکیلا کہ وہ جو آفس کہ باہر کان لگائے کھڑا تھا اگلے ہی پل سر رضا کے آفس کے اندر جا گرا۔ احمر اور علی فوراً دروازے کی اُوٹ کے پیچھے چُھپ گئے۔

سر رضا نے حاشر کے اس طرح اندر آنے پر اسے گھورا جب کے حیدر ہونوز اپنی جگہ پر بُرجمان تھا۔

آپ یہاں کیا کر رہے ہیں حاشر منیر؟" سر نے گرجدار آواز میں پوچھا۔"

سر۔۔۔وہ۔۔میں۔۔۔سر۔۔۔وہ" حاشر نے کھڑے ہو کے اپنے بالوں کو درست کیا، اپنے کپڑوں سے" شکنیں دور کیں اور ہکلانا شروع کر دیا (آسان لفظوں میں بہانہ گھڑنا شروع کر دیا)

آپ آگے بھی کچھ کہیں گے" سر نے اپنے سابقہ لہجے میں ہی کہا۔"

سر۔۔۔ آپ کو دیکھنے کے لیے آیا ہوں۔۔۔ میرا مطلب آپ کی یاد آرہی تھی اسی لیے" حاشر نے"

بینا سر پیر کے بہانے بنائے۔

اس طرح گرتے پڑتے۔۔۔ بغیر دستک دیے" سر نے حاشر کے اندر آنے کے انداز پہ اسے "

سرزنش کی۔

سر وہ دوڑتے ہوئے آرہا تھا نہ اس لیے" حاشر نے معصوم سی شکل بنا کے کہا۔"

سر رضا نے ایک گہری سانس لی اور کہا۔

"دیکھ لیا"

کیا سر" حاشر نے الجھتے ہوئے پوچھا۔"

جو آپ دیکھنے آئے تھے" سر نے ضبط کرتے کہا۔"

ہم تو سنے آئے تھے" حاشر نے بے ساختہ کہا۔"

باہر کھڑے احمر نے جہاں اپنا سر پیٹ لیا تو وہیں علی نے اپنے قہقے کا گالا گھونٹا۔

کیا" سر کے ماتھے پر شکنے ابھریں۔"

سر آپ کی آواز" حاشر نے سنمبھلتے ہوئے کہا۔"

"LEAVE now"

سر نے لفظوں پر زور دے کے کہا اور اگلے ہی پل حاشر آفس سے باہر تھا اور علی کو کھری کھری سنا رہا تھا وہ الگ بات تھی کے علی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی تھی اور وہ خوب ہنس رہا تھا۔

سر رضا اپنے تجربے سے کافی کچھ سیکھ چکے تھے اسی لیے حیدر سے کچھ اس طرح بات کی۔

حیدر آپ نے پچھلے کچھ سالوں میں ہماری یونیورسٹی کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ ہمیں علم ہے کہ کوئی بھی" سٹوڈنٹ اس پروجیکٹ کو ہینڈل نہیں کر سکتا اگر آپ یہ اکیلے کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو پوری اجازت ہے زینب والیو اللہ اس پر کام نہیں کریں گیں۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ آپ ہی اس پروجیکٹ کو کامیاب بنا "سکتے ہیں

ایسے نہیں تھا کہ حیدر نہیں جانتا تھا کہ سر اسے رضامند کرنے کی جان توڑ کوشش کر رہے ہیں لیکن اسے خود کو ثابت کرنے کا ایک موقع چاہیے تھے جو اسے کافی انتظار کے بعد ہی سہی پر مل رہا تھا۔

سر میں یہ پروجیکٹ کرنے کے لیے تیار ہوں" حیدر نے کہا۔"

ویری گڈ۔۔۔ یہ کنٹریکٹ کی فائل ہے اس کو اچھے سے پڑھ کر سائن کر دیں" سر رضا نے خوش ہوتے" ہوئے اپنی ٹیبل کی دراز سے فائل نکال کر حیدر کے آگے بڑھائی۔

حیدر نے فائل کو تھام کے اسے اچھے سے پڑھا اور پھر سائن کر دیے اور سر کو دے دی۔

تھنک یو سر "حیدر نے مسکرا کے کہا اور آفس سے باہر آگیا۔"

ان چاروں ہی کا رخ اس وقت کینٹین کی طرف تھا۔ حیدر نے ان سب کو اپنے کنٹریکٹ سائن کرنے کے بارے میں بتایا تو حاشر نے خوشی سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا کے کہا۔

"یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔۔۔ مبارک ہو"

شکریہ "حیدر نے مسکراتے ہوئے حاشر کا ہاتھ تھام لیا۔"

یار حیدر ٹریٹ تو بنتی ہے آج" علی اپنی ندیدے پن سے باز نہیں آیا۔"

لو یہ تو وہی بات ہو گئی مندر بنا نہیں بھکاری پہلے آگئے" حاشر نے علی کی طرف اشارہ کر کہ کہا۔"

سالے بھکاری کس کو بول رہا ہے ابھی کل ہی تم سب کو کین پلایا تھا وہ بھی مفت میں" علی زندگی میں کی گئی اپنی پہلی عنایت بھولا نہیں تھا۔

"وہ تاریخی حادثہ میں کیسے بھول سکتا ہوں"

حاشر نے بلا توافق کہا۔

ابھی ایسے بہت سے تاریخی حادثے ہونا باقی ہیں تمہاری زندگی میں" علی نے بڑی ہی شاطر مسکراہٹ" کے ساتھ کہا۔

کون سے تاریخی حادثے؟" حاشر نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔"

جب رونما ہوں گے تو خبر ہو ہی جائے گی" ایک بار پھر اسی طرح جواب آیا۔"

دوستوں کو تو بخش دیا کرو" حاشر نے غصّے سے کہا۔"

بخشا دشمنوں کو جاتا ہے دوستوں کو نہیں" علی نے حاشر کا کندھا دباتے ہوئے اپنا فلسفہ بیان کیا حاشر "

بس اسے گھور کر ہی رہ گیا۔

حیدر اور احمر ان دونوں کی گفتگو سے لطف اندوز ہو رہے تھے تب ہی حیدر کی نظر اس پر پڑی وہ ہاتھوں میں کتابیں تھامے اسی طرف آ رہی تھی حیدر کے لبوں پے شاطرانہ مسکراہٹ ابھری۔ وہ اس کے سامنے سے گزرنے ہی والی تھی کہ حیدر نے اس کا راستہ روک لیا۔

یہ سب یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں موجود تھے اور وہاں کھڑا ہر شخص حیدر کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ حاشر، علی اور احمر بھی حیرت کے مجسمے بنے ہوئے تھے کچھ ایسی ہی حالت زینب کے ساتھ کھڑی نور اور رانیہ کی بھی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حیدر عبّاس نے زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی کا راستہ روکا تھا۔

افسوس تو بہت ہوا ہو گا" حیدر نے کمینگی سے مسکراتے ہوئے زینب سے پوچھا۔"

کس بات کا" زینب نے بے تاثر چہرے کے ساتھ پوچھا۔"

پروجیکٹ کے ہاتھ سے نکل جانے کا" انداز ہنوز وہی تھا۔"

زینب والیو اللہ ان چیزوں پر افسوس نہیں کرتی جن کو وہ خود ٹھکرا دے" زینب نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

اور حیدر کو تو مانو آگ ہی لگ گئی جس چیز کو اس نے ٹھکرا دیا وہ حیدر عبّاس کے حصّے میں آئی تھی۔ حیدر کا غصّہ اس وقت ساتویں آسمان پر تھا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کنٹریکٹ کی فائل پھاڑ کے آجائے کیوں کہ کنٹریکٹ کے اصولوں کے مطابق کسی بھی مضبوط جواز کہ ساتھ بھی وہ اس کنٹریکٹ سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا اسے اب ہر قیمت پر یہ کنٹریکٹ کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مقابل

وہ اس وقت اپنی شاندار سی لینڈ کرسر کے بونٹ پے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا اور اس سے کچھ دور فاصلے پر احمر کھڑا تھا اور حیدر کے آج کے رواییے کے بارے میں سوچ رہا تھا اس کے دائیں جانب علی ایک کار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور حیدر کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا ٹھیک اس کے ساتھ کھڑا حاشر بھی آج کے واقعئے کے بارے میں ہی سوچ ویچار کر رہا تھا ان میں سے کوئی بھی حیدر سے اُس وقت اس متعلق بات کرنے کی ہمّت نہیں رکھتا تھا کیوں کہ حیدر عبّاس میں اگر کچھ برا تھا تو وہ اس کا غصّہ تھا اور وہ غصّے کا بے حد تیز تھا۔

انہیں یہاں کھڑے آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا لیکن اب تک ان میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

تمہیں کیا لگتا ہے کیا ہوا ہو گا" علی نے حیدر پے نظریں جمائے حاشر سے سرگوشی میں پوچھا۔"

جہاں تک میرا دماغ کہتا ہے۔۔۔" حاشر ابھی کہہ ہی رہا تھا جب علی نے اپنی شہادت کی انگلی اٹھا کے اس" کی بات کاٹی اور کہا۔

"ایک سیکنڈ"

"کیا ہوا" حاشر نے چونک کے پوچھا۔

"پہلے تو یہ بتاؤ تمہارے پاس دماغ آیا کہاں سے؟"

علی نے حیرانی کی بھرپور اداکاری کر کے پوچھا۔

"چین سے امپورٹ کرایا ہے" حاشر نے تپ کے کہا۔

"واہ چین نے کافی ترقی نہیں کر لی خیر تم لوگ تو فائدے میں ہو اصلی نہیں تو کیا ہوا نقلی سے ہی کام چل تو رہا ہے" علی نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔

"تم کبھی سریس بھی ہو جایا کرو" حاشر نے غصّے سے کہا۔

"میں نے سوچا تھا" علی نے کہا۔

"سیریس ہونے کے بارے میں؟" حاشر نے حیرانی سے آئی برو اچکا کے پوچھا۔

"ہاں پھر میں نے سوچا جس دن علی احمد سیریس ہو گیا اس دن تم سب کو چار سو چالیس وولٹ کا نہ صرف جھٹکا لگے گا بلکہ ہو سکتا ہے تم لوگ کوما میں بھی چلے جاؤ اس لیے میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا"

"بڑی فکر ہے تجھے ہماری" حاشر نے دانت پیس کے کہا۔

"کیا کروں عادت سے مجبور ہوں" علی نے رحم دلانا انداز میں کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں" حاشر نے طنز کیا۔

ویسے مجھے لگتا ہے ہمارا آخری سال کافی رنگین ہونے والا ہے" علی نے ایک نظر حیدر کو دیکھ کے کہا۔"

وہ کیوں" حاشر نے ماتھے پے شکنے لئے پوچھا۔"

آج جو کچھ ہوا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے حیدر نے اپنا ریکارڈ توڑا ہے۔۔۔یہ جنگ کافی طویل ہونے والی ہے" علی نے اپنی طرف سے بڑی پتے کی بات حاشر کو بتائی۔

تم جب بھی منہ کھولنا بکواس ہی کرنا" حاشر نے دانت پیس کے کہا۔"

میں تو پیشگویاں کر رہا ہوں اب تمہیں ہضم نہیں ہو رہیں تو وہ الگ بات ہے" علی اطمینان سے کہا۔"

علی بابا آپ کے چالیس چور کہاں ہیں" حاشر نے پوچھا۔"

چالیس کا تو نہیں پتا پر ایک میرے سامنے ہے اور مرنے کی درخواست کر رہا ہے" علی نے چبا چبا کے کہا" اور حاشر نے اس کی دھمکی سن کر چپ سادھ لی۔

یہ دونوں ہلکی آواز میں اپنی باتوں میں مصروف تھے جب احمر کو حیدر کی طرف بڑھتا دیکھا تو خود بھی اس کے ساتھ ہو لئے۔

یہ سب کیا تھا حیدر؟" احمر نے حیدر سے پوچھا۔"

کیا سب" حیدر نے سر اٹھایا اس کا غصہ کم ہو گیا تھا پر وہ اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا فلحال تو" بلکل بھی نہیں۔

اس کنٹریکٹ کو لے کر کیا تمہاری کوئی بات یا کوئی جھگڑا ہوا تھا زینب سے" احمر نے اپنے اندازے سے" پوچھا جو کے ہرگز غلط نہ تھا۔

اب تک جو بات ہوئی ہے وہ تم سب کے سامنے ہی ہوئی ہے اور آگے بھی جو بات ہو گی وہ تم سب کے" سامنے ہی ہو گی" حیدر نے بونٹ سے نیچے اتر کے مضبوط لہجے میں کہا اور گلاسس لگائے۔

حیدر نے گاڑی کی چابی احمر کی شرٹ پاکٹ سے نکالی اور چلا گیا۔

ان کے گھر میں بیٹی ہوئے ایک مہینہ ہو گیا تھا اور انہوں نے اب تک اس کا چہرہ بھی ٹھیک سے نہیں دیکھا تھا۔ بیوی کے ساتھ ان کا رویہ پہلا سا ہی تھا وہ اس کو اب بھی عزت اور محبت دیتے تھے لیکن اگر کسی کے وجود سے انکاری تھا تو وہ ان کی اپنی ہی بیٹی تھی۔

وہ ہاتھ میں فائل لئے بیڈ پے بیٹھے اس کا مطالع کر رہے تھے جب اس کی بیوی ہاتھ میں ایک مہینے کی پھول سی بچی کو لے کر ان کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔ وہ دیکھ کر بھی انجان بن رہے تھے۔

یہ بیٹی ہے آپ کی" انہوں نے نم آنکھوں کے ساتھ کہا۔"

جانتا ہوں" وہ انجان بننا چاہتے تھے لیکن بن نہیں سکے۔"

آپ کیا اس سے نفرت کرتے ہیں" انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔"

نہیں۔۔۔پر بیٹیوں کے باپ کے کندھے جھک جاتے ہیں اس معاشرے کے سامنے "انہوں نے توجیہی پیش کی۔

جھکنا تو خدا کو پسند ہے اکڑ تو مردے میں بھی ہوتی ہے جو انسان کو انسان بنائے وہ عاجزی ہی تو ہوتی ہے "" انہوں نے سمجھایا۔

بیٹیوں کے باپ کو اس معاشرے میں ڈر ڈر کے جینا پڑتا ہے انھیں ہر وقت اپنی عزت کا خدشہ لگا رہتا ہے "انہوں نے ایک اور ڈر ظاہر کیا۔

بیٹیوں کے باپ کو اپنی بیٹیوں کو صرف محبت کے بیج سے ہی نہیں بونا ہوتا انھیں عزت دیں انھیں اعتبار دیں ان کو بولنے کا حق دیں انہیں فیصلہ کرنے کا حق دیں انہیں سنے۔۔۔پھر چاہے اگر وہ غلط ہوں تو انہیں سمجھائیں بھی اور آپ دیکھیں گے وہ ایسی مضبوط لاٹھی بنے گیں جنہیں والدین اپنے بڑھاپے میں بیٹوں میں ڈھونڈتے ہیں "انہوں نے اپنے آنسو صاف کر ایک بار پھر ان کو سمجھایا۔

اور آپ کو لگتا ہے اتنی آزادی کے بعد عزت محفوظ رہے گی "انہوں نے نظریں اٹھا کہ براہراست ان کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھا۔

انھیں اتنی آزادی دیں کہ وہ آپ کی محبت میں قید ہو جائیں پھر وہ اپنی خواہشات کو رد آپ کے ڈر سے " نہیں آپ کی محبت اور اپنی خوشی سے کریں گی۔۔۔آپ کو کیا لگتا ہے ایک ایسی بیٹی جسے باپ مارتا پیٹتا

ہے وہ کیوں چپ چاپ ایک دن کسی عمر رسیدہ مرد سے شادی کر لیتی ہے وہ اپنی تربیت کی قیمت ادا کرتی ہے جو والدین اس سے مانگ رہے ہوتے ہیں جب اسی بیٹی کو آپ عزت محبت اعتبار دیں گے تو آپ خود سوچیں کہ وہ آپ کو کیا نہیں دے گی۔ یہ بیٹیاں بڑی سخی ہوتی ہیں والدین کچھ مانگے تو یہ اپنی ہی خوشیوں کے جنازے بھی نکل دیتی ہیں یوں ہی تو نہیں اتنے شاعروں نے اپنی محبوباؤں کو ظالم کہا ہے یہ ظلم بھی "ان بیٹیوں نے اپنے والد کی عزت کے تاج بلند کرنے کے لیے ہی کئے ہیں

لوگ کہتے ہیں بیٹیاں عذاب ہوتی ہیں "ایک آخری گرھا تھی جو وہ کھولنا چاہتے تھے۔"

تعالیٰ نے فرمایا ہے (اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں) ہمیں لگتا ہے کسی کو قران میں کہی جگہ اللہ" تکلیف پہنچا کر ہم نے اس پر ظلم کیا ہم نے اس پر نہیں ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا جو لوگ کہتے ہیں بیٹیاں کی کی رحمت ہوتیں ہیں اور اللہ عذاب ہوتیں ہیں تو وہ ظلم کر رہے ہیں اپنی ہی ذات پر بیٹیاں تو اللہ "رحمت کو عذاب کہنے والوں پر پھر عذاب ہی نازل ہوتے ہیں

اس نے بڑی نرمی سے اپنی بیوی کی گود سے اسے اٹھایا وہ اپنی بڑی بڑی کالی آنکھیں کھولے انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ انھوں نے جھک کے اس کے ماتھے پے بوسہ لیا تو وہ ننھی سی کلی مسکرا دی اور اس کو یوں مسکراتے دیکھ وہ دونوں بھی نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دیے۔

میری اس سے محبت کی وجہ صرف ایک ہے کہ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔۔۔۔تم ٹھیک" کہتی ہو میں نے خود پے ظلم کیا اس سے اتنے دن دور تھا ایسا لگ رہا تھا کسی عذاب میں ہوں اس کی ایک مسکراہٹ نے میرے دل میں ٹھنڈک اتار دی ہے" انہوں نے اسے خود سے اور قریب کر لیا اور اس کا منہ چومنے لگے۔

میرے ہم سفر ہونے کا شکریہ" انہوں نے اپنی بیوی کا ہاتھ تھام کے کہا۔بے شک وہ ایک بہترین" ساتھی تھیں۔

مجھے اپنا ہمسفر بنانے کا شکریہ" انہوں نے انہی کے انداز میں کہا۔"

حیدر عبّاس اسی کنٹریکٹ کی بات کر رہا تھا جس کو تم نے انکار کر دیا تھا؟"نور نے زینب سے پوچھا۔"

ہاں" زینب نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔"

زینی مجھے اس کے تیور صحیح نہیں لگ رہے تھے میں اس بارے میں انس بھائی سے بات کروں گی"رانیہ" نے پریشانی سے کہا۔

خبر دار۔۔۔خبر دار اگر تم نے اس بارے میں کسی کو کچھ بھی بتایا" زینب نے رک کے رانیہ کو وارن کیا۔"

لیکن ایسے تو۔۔۔"نور نے کچھ کہنا چاہا لیکن زینب نے اس کی بات کاٹ دی۔"

میں ان میں سے نہیں ہوں جو ضرورت پڑنے پر اپنے دوستوں کو ھتیار بنا کر استعمال کرتے ہیں مجھے"
میری جنگیں خود لڑنے دو مجھے پتا ہے تم دونوں کو میری فکر ہے لیکن مجھے خوشی تب ہو گی جب تم دونوں
مجھ پر بھروسہ بھی کرو میں تم دونوں کو یہ یقین دلاتی ہوں کہ جب کبھی بھی مجھے تمہاری مدد کی ضرورت
ہوئی میں ضرور لوں گی لیکن ابھی اپنے مسائل مجھے خود حل

کرنے دو"زینب نے ان دونوں کے ہاتھ تھام کے کہا۔

زینب نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے کوئی بھی تکلیف اٹھائے اسی لیے ان دونوں کو منع کیا۔

ٹھیک ہے"رانیہ اور نور نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر یک زبان ہو کر کہا۔"

وہ لائبریری میں بیٹھی منہ میں قلم دبائے کتاب کی ورق گردانی کر رہی تھی اور وہ ٹھیک اس کے سامنے
والی کرسی پر بیٹھا کافی دیر سے اسے دیکھ رہا تھا لیکن رانیہ دنیا و مافیا سے بے نیاز اپنی کتاب میں اتنی محو تھی
کہ اس کو دیکھا ہی نہیں تھا۔

اس نے رانیہ کی کتاب پر دستک کے انداز میں بجایا تو رانیہ ہوش کی دنیا میں آئی اور نظریں اٹھا کے دیکھا تو اس کا منہ کھلا جس کی وجہ سے منہ میں دبا اس کا پین کتاب پر جا گرا۔ رانیہ نے کتاب اٹھائی اور ایک بار پھر فرار کی راہ لی۔

احمر اس کی اس حرکت پر مسکرایا اور اس کے پیچھے ہی چل دیا۔

اس نے پلر کی اوٹ سے چھپ کر راہداری پر نظر ڈالی جہاں اکا دکا ہی سٹوڈنٹس چلتے پھرتے نظر آرہے تھے رانیہ مطمئن ہو کے پیچھے چھپی اور ایک گہری سانس لینے کے بعد کہا۔

"بچ گئی"

"بچ گئی نہیں پھنس گئیں ہیں آپ"

احمر کی آواز سن کے رانیہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہوئی وہ اس کے سامنے کھڑا تھا فرار کے سارے راستے بند سے کہہ رہی ہو اسے کیوں بھیج دیا۔ تھے۔ رانیہ نے منہ پھلائے اوپر کی جانب دیکھا جیسے اللہ وہ ابھی اوپر ہی دیکھ رہی تھی جب احمر نے اسے پہلے عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں خود بھی آسمان کی طرف سمت کر کے دیکھا اور وہاں کچھ نا پا کر رانیہ کو دوبارہ مخاطب کیا۔

"مس رانیہ"

جی۔۔۔ آپ۔۔۔ میں نے تو آپ کو دیکھا ہی نہیں" رانیہ انجان بنی۔"

جی وہ تو آپ جن دیکھ کے بھاگیں تھیں" احمر نے اپنی ہنسی دبائی اور اس کا دیا ہو القب اسے یاد دلایا۔"

رانیہ اس کی بات پر جھینپ گئی۔

خیر ہمیں سر احمد نے کام دیا ہے جو ہمیں ساتھ کرنا ہے میں اسی سلسلے میں بات کرنے آیا"

ہوں۔۔۔دیکھیں اگر آپ کو ہماری پہلی ملاقات کے حوالے سے کوئی ڈر ہے تو اسے اپنے دل سے نکل دیں میں ہر گز ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر انتقامی کروائی کرتے نہیں کرنا چاہیے تھا اور react ہیں اس دن جو کچھ بھی ہوا میں مانتا ہوں غلطی میری تھی مجھے اتنی جلدی مجھے اچھا لگا کہ آپ میری باتوں میں نہیں آئیں ہم دونوں ہی سٹوڈنٹ ہیں اور سٹوڈنٹ لائف میں یہ سب چلتا رہتا ہے آپ بے فکر ہو جائیں میری طرف سے۔۔۔میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پوھنچاوں گا کیوں کہ میں عورتوں کی عزت کرنا جانتا ہوں" احمر نے رانیہ کو اپنی طرف سے مطمئن کرنا چاہا اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔

یقیناً آپ کو عورتوں کی عزت کرنی آتی ہو گی لیکن کیا لڑکیوں کی عزت کرنا آتی ہے؟" رانیہ کو احمر کا" عورت کہنا بے حد ناگوار گزرا تھا۔

جی الحمد اللہ" احمر رانیہ کی بات پر چونکا اور دھیمے سے مسکرا کے جواب دیا۔"

اگر آپ اجازت دیں تو ہم چلیں کام کرنے؟" احمر نے پوچھا۔"

کہاں؟" رانیہ نے ماتھے پے شکنے لئے پوچھا۔"

جہاں سے آپ ابھی بھاگ کے آئیں ہیں" احمر نے مسکرا کے کہا۔"

جی ضرور" رانیہ نے اعتماد سے کہا اور آگے بڑھ گئی۔"

"---

اسلام و علیکم مس زینب" حاشر نے زینب کو مخاطب کیا جو بریک ٹائم میں بھی کلاس میں ہی تھی اور اپنے دفتر پر جھکی ہوئی کچھ لکھ رہی تھی۔

زینب نے گردن اٹھا کے آنے والے کو دیکھا۔ کالی آنکھیں کالے بال جو کے جیل سے سیٹ کئے گئے تھے اور گندمی رنگت کا یہ لڑکا رائل بلیو شرٹ اور بلیو ہی جینس زیب تن کئے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ لئے اسکے جواب کا منتظر تھا۔

زینب نے اسے پہچان لیا تھا اسے اس نے اکثر اور بیش تر حیدر کے ساتھ ہی دیکھا تھا۔

و علیکم السلام" زینب نے اپنی ازلی بے نیازی سے جواب دیا اور ایک بار پھر اپنے دفتر پر قلم چلانے لگی۔"

ایسے نہیں تھا کہ حاشر اس کے اس طرح سے اگنور کرنے کی وجہ نہیں جانتا تھا ظاہر ہے وہ حیدر کا دوست تھا اور حیدر نے اس کی راہوں میں پھول تو بیچھائے نہیں تھے کہ وہ اس سے خوش دلی سے بات کرتی اور حیدر کا دوست ہونے کے ناتے وہ حاشر کو بھی اسی زمرے میں لے رہی تھی۔

مس زینب میں حاشر منیر ہوں مجھے سر احمد کے پروجیکٹ کے سلسلے میں بات کرنی تھی آپ سے "حاشر نے ایک بار پھر بات کرنے کی کوشش کی۔

بولیں "زینب نے دفتر میں پین رکھ اسے بند کیا اور پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔"

سر احمد نے اسائنمنٹ دیا تھا آپ کو جس میں میری کارپوریشن کا کہا تھا بس یہی پوچھنے آیا ہوں ہم کب سے کام شروع کر سکتے ہیں آپ بتا دیں جیسا آپ کو مناسب لگے "حاشر نے شائستگی سے پوچھا۔

اس کو اس طرح کی ناقادری پر غصّہ بھی آیا زینب پر نہیں حیدر پر کیوں وہ اس کو تنگ کر رہا تھا کیوں لڑ رہا تھا ظاہر ہے کوئی بھی لڑکی ہوتی وہ یہی کرتی۔

زینب کو یہ لڑکا اچھا لگا وہ کتنی عزت سے بات کر رہا تھا اور کہاں حیدر جسے بات کرنے کی تمیز ہی نہیں تھی اور پھر اس کو اگنور کرنے کا کیا فائدہ غلطی تو حیدر کی تھی نا زینب نے سوچا۔

جی میں نے بنا لیا ہے آپ چیک کر لیں ایک بار ٹھیک ہے یا نہیں "زینب نے بیگ سے اپنا سمال سائز لیپ ٹاپ نکل کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

حاشر کو دھچکا لگا کیا کل ہی تو سر احمد نے اسائنمنٹ دیا تھا اور یہ لڑکی بنا بھی لائی تھی۔ یونیورسٹی میں اس کی قابلیت کے چرچے تو سنتے تھے پر یہ قابلیت کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی تھی۔

حاشر نے جلدی سے نشست سنبھالی اور لیپ ٹاپ پر نظریں جمائیں جہاں زینب نے ایک فائل اوپن کر دی تھی۔

وہ چند سیکنڈیوں ہی سکرین کو دیکھتا رہا اور پھر زینب کی جانب پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔

کیا ہوا کچھ غلط ہے کیا" زینب نے اس کے دیکھنے کے اندز سے پریشان ہو کے پوچھا۔"

"جی" یہ آپ نے بنایا ہے" حاشر نے اپنے تاثرات کو نارمل کر کے پوچھا۔"

کتنے وقت میں" حاشر کا اشتیاق بڑھا۔"

کل رات میں۔۔۔۔اب آپ بتائیں گے بھی کیا ہوا ہے" زینب جھنجلا گئی تھی لیکن پھر بھی اپنے لہجے" کو حتاوامکان نرم بنا کر کہا۔

"ITS totally perfect....hnh...not just perfect it's more than perfect"

حاشر نے اپنے ہی جملے کی تصیح کرتے ہوئے ستائشی انداز میں کہا۔

آج یقین آگیا آپ کی قابلیت پے" حاشر نے زینب کو دیکھتے ہوئے کہا۔"

کیوں پہلے نہیں تھا کیا" زینب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔"

حاشر نے اس کی مسکراہٹ دیکھ سوچا یہ لڑکی مسکراتی بھی ہے۔

نہیں ایسا نہیں ہے لیکن تب صرف سنا تھا آج دیکھ بھی لیا" حاشر نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔"

آپ کا لیول ہی الگ ہے آپ کو میری کیا کسی کی بھی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔پتا نہیں سر احمد نے " کیا سوچ کر مجھے آپ کی مدد کے لئے چنا" حاشر نے مسکراتے ہوئے کنفیوزڈ انداز میں اپنے بال کھو جائے۔

شاید اس لیے کے آپ مجھ سے کچھ سیکھ لیں "زینب نے سنجیدگی سے کہا۔"

ہاہاہا۔۔۔ہاں یہی ہو سکتا ہے لیکن آپ نے مجھے کچھ سیکھنے کا موقع ہی نہیں دیا" حاشر نے زینب کا " مذاق سمجھتے ہوئے کہا۔

انشاءاللہ آئندہ "زینب نے مسکراتے ہوئے کہا۔"

میں حیدر کی طرف سے معافی مانگتا ہوں جو بھی وہ کر رہا ہے ٹھیک نہیں ہے لیکن آپ یقین کریں مجھے " بلکل علم نہیں ہے کہ وہ یہ سب کر کیوں رہا ہے " حاشر نے سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کی اور زینب نے تحمل سے ساری بات سنی اور پھر کہا۔

معافی کبھی بھی کسی کی طرف سے نہیں ہوتی اور نا ہی یہ کسی کی بھی طرف سے قبول کر لی جاتی " ہے۔۔۔ غلطی جس کی ہے معافی بھی اسے ہی مانگنی چاہیے آپ کو اس میں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے "

حافظ "زینب نے کہتے ساتھ ہی اپنا بیگ شانوں پر ڈالا اور مسکراتے ہوئے کہا اور کلاس سے باہر چلی اللہ" گئی۔

حاشر نے سوچا کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس طرح سے بات ہر گز نا کرتی وہ ضرور اسے حیدر کے حوالے سے سناتی یا اپنی قابلیت کے لحاظ سے نیچا ہی دیکھاتی لیکن بات تو ساری یہی تھی وہ کوئی اور لڑکی نہیں تھی وہ زینب والیو اللہ تھی جو دوسروں کی غلطیوں کی سزا کسی تیسرے کو دینے کی روادار نہیں تھی۔

اس خبر کو پھیلنے کے لیے اگلے دن کی بھی

ضرورت نہیں پڑی تھی وہ یونیورسٹی بے شک بہت بڑی تھی لیکن یہاں کی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ہیڈ

اف ڈیپارٹمنٹ تک پہنچ جاتی تھی پھر

یہ معملہ تو یونیورسٹی کے دو بہترین طلبا کا تھا

جواب ایک دوسرے کے مقابل آ گئے تھے۔

ان کے متعلق پوری یونیورسٹی چہ مگیوں میں

مصروف تھی اور سر رضا اپنا سر پکڑے بیٹھے

تھے انھیں جس بات کا ڈر تھا وہی ہو رہا تھا وہ دونوں ایک دوسرے سے مقابلے بازی کر رہے

تھے۔ سر رضا بہت سوچنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ کل ہی ان کو اپنے سامنے بیٹھا

کر اس مسلے کا حل نکلوائیں گے کیوں کہ جس طرح کا بچکانہ راویہ ان دونوں نے اپنایا ہوا تھا ان

سے ہر گز اس کی توقع نہیں کی جا

سکتی تھی اور اگر معملہ ڈین تک پہنچ جاتا تو ایک نیا مسلہ کھڑا ہو جاتا۔

اگلے ہی دن سر رضا نے ان دونوں کو اپنے آفس

میں بلایا تھا اور اب وہ دونوں ایک دوسرے سے یکسر بے نیاز سر رضا کو سوالیہ نظروں سے

تک رہے تھے۔ سر رضا اپنا غصّہ ضبط کرتے جملوں کو ترتیب دے رہے تھے اور پھر انہوں نے کہا۔

"آپ کے درمیان جو بھی مسلہ چل رہا ہے اسے یہیں بیٹھ کے حل کریں"

سر ہمارے درمیان کوئی مسلہ نہیں چل رہا" حیدر نے کہا۔"

تو جو کل ہوا اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے" سر رضا اب کی بار صرف حیدر سے مخاطب تھے۔"

سر میں صرف بات کر رہا تھا" حیدر نے لہجے کو قدرے نرم بنا کے کہا۔"

آپ دونوں بات کر رہے تھے تو اتنا بڑا ہنگامہ"

ہو گیا جب ہنگامہ کریں گے تو کون سا طوفان لے کر آئیں گے آپ" سر رضا نے غصّے سے کہا۔

اب آپ کو صلاح کر لینی چاہیے ایک دوسرے سے معافی کا تبادلہ کریں اور آئندہ مجھے آپ دونوں کی "کوئی شکایات موصول نہ ہو" سر نے اپنا حکم سنایا۔

جس پر ان میں سے کسی نے بھی کان نہیں دھرے۔

حیدر۔۔۔ معافی مانگیں" سر نے حیدر کو مخاطب کر کے کہا۔"

لیڈیز فرسٹ سر" حیدر نے مزے سے کہا۔"

اس کے یہ کہنے پر زینب نے سر اٹھایا اور سر کی جانب دیکھا جو اس سے کہہ رہے تھے۔

"زینب۔۔۔"

لیکن سر۔۔۔" زینب نے سر کی بات بیچ میں ہی اچک لی۔"

زینب معافی مانگیں" سر نے تحمکانا لہجے میں کہا۔"

سوری۔۔۔" زینب نے لمحے بھر کو رک کر ہلکی آواز میں کہا۔"

تھنکس بٹ نو تھنکس" حیدر نے اس کی جانب مسکراتی نظروں سے دیکھ کے کہا۔"

حیدر کی اس حرکت پر زینب کو بے تحاشا غصّہ آیا اس نے اس کی جانب مڑ کر اسی کے انداز میں کہا۔

"سوری ٹو سے سوری ٹو یو بیکوز آئی ایم نیور ایور سوری ٹو یو"

اس نے اپنا رخ سر کی طرف کیا جو ہکا بکا سے وہ سب دیکھ رہے تھے اور یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ وہ مصلحت کی کوشش بھی نہ کر سکے پھر زینب نے کہا۔

سر جب جب یہ شروع کریں گے تب تب میں ختم کروں گی۔۔۔میں آپ کو صرف اس بات کی تسلی "دے سکتی ہوں کہ آپ مجھے کبھی پہل کرتا نہیں پائیں گے

تمہیں کیا لگتا ہے مجھے تم سے بات کرنے کا شوق ہے "حیدر اب براہراست اس سے پوچھ رہا تھا۔"

وہ تو نظر آ ہی رہا ہے "وہ یہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔"

حیدر عبّاس مٹھیاں بھینچ کے رہ گیا تھا۔

اس نے کمرے میں داخل ہو کر زور سے اپنا ہینڈ بیگ بستر پر پٹخا وہ غصّے سے پاگل ہی تو ہو گئی تھی جب اسے کل کے قصے کے بارے میں پتا چلا جب یہ ہوا وہ وہاں موجود نہیں تھی اور اگر ہوتی بھی تو اس میں یا کسی میں بھی اتنی ہمّت نہیں تھی کہ حیدر عبّاس کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے سوال کرے۔ایسا نہیں تھا کہ وہ واقعیے کی نوعیت سے ناواقف تھی لیکن حیدر عبّاس کو ہمیشہ اس نے اپنا سمجھا تھا اور اب زینب والیو اللہ ان کے بیچ میں آ رہی تھی جو کبھی ساتھ تھے ہی نہیں۔

اس نے ٹھان لیا تھا کہ وہ زینب کو اپنے راستے سے ہٹائے گی اسے حیدر عبّاس کی زندگی میں کوئی لڑکی دشمن کے روپ میں بھی قبول نہیں تھی۔

زینب والیو اللہ تم نے اچھا نہیں کیا دشمنی سے ہی سہی مگر تم حیدر عبّاس کی توجہ کا مرکز بن رہی ہو جس توجہ کی طلب کبھی میں نے کی تھی جس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنے کی خواہش کبھی میں نے کی تھی آج انجانے میں ہی سہی پر اس کی آنکھوں میں تمہارا عکس ابھرا ہو گا تم نے میری پسند پر آنکھ ڈالی ہے اور اس کی تمہیں بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی کیوں کہ حیدر عبّاس صرف لائبہ ظفر کا ہے۔۔۔۔۔۔صرف لائبہ ظفر کا" اس نے اپنے بال جکڑے اور خود کلامی کی۔

دل پروار

اس واقعے کو آج دو ہفتے گزر چکے تھے اور ان کے درمیان کوئی بات یا یوں کہہ لیں کہ جھگڑا نہیں ہوا تھا اس کی ایک وجہ حیدر کا پروجیکٹ میں بزی ہونا بھی تھا وہ کم کم ہی یونیورسٹی آیا تا تھا اور جلد ہی چلا بھی جاتا تھا۔اس نے خود کو کام میں غرق کر لیا تھا وہ اس پروجیکٹ کو کامیاب بنانے کی جستجو میں جوٹا ہوا تھا اسے اپنا مقام واپس چاہیے تھا جس کے لیے وہ دن رات کوشش کر رہا تھا۔

دوسری طرف زینب والیو اللہ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا تھا حیدر کے نہ ہونے کا۔ وہ نہیں ہوتا تھا تو کوئی اور ہوتا تھا جب حیدر نہیں تھا تب بھی بہت لوگ تھے زینب کے بارے میں بات کرنے والے اور اب بھی تھے وہ الگ بات تھی اس یونیورسٹی میں وہ واحد اجنبی تھا جو اس کے سچ کے بارے میں علم رکھتا تھا۔

ہمیں کتنا شوق ہوتا ہے نہ دوسرے پر اور دوسروں کی زندگیوں پر تبصرہ کرنے کا انہی تبصروں سے لوگ چاند پر پہنچ گئے کیوں کہ وہ پروڈکٹیو ڈسکشن کرنا جانتے ہیں وہ اپنے اور دوسروں دونوں کے فائدے کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور ہم اپنے تبصروں سے خود کو بھی نقصان پہنچا رہے ہیں اور دوسرے کے لیے بھی تکلیف کا باعث بن رہے ہیں اگر آپ کسی کے چہرے پر آنے والی مسکان کی وجہ نہیں بن سکتے تو خدارا ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی وجہ بھی نہ بانے۔

جہاں ان دونوں نہروں کا پانی فلحال بغیر کسی ٹکراؤ کے بہہ رہا تھا وہیں احمر اور رانیہ کی نہریں ایک ہی سمت میں بہہ رہیں تھیں۔ رانیہ نے اب احمر سے ڈرنا چھوڑ دیا تھا پر محتاط رہنا نہیں چھوڑا تھا لیکن ان دنوں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ احمر ایک سلجھا ہوا انسان ہے اور وہ واقعی لڑکیوں کی عزت کرنا جانتا تھا اس نے کبھی اپنی حدود عبور کرنے کی کوشش نہیں کی تھی وہیں احمر رانیہ کے بارے میں جان گیا تھا کہ وہ اس سے محتاط رہتی تھی اور وہ جانا کچھ ایسے

یار چلو لائبریری چلیں" رانیہ نے زینب اور نور سے کہا جو گراؤنڈ میں سبزے پر بیٹھی جوس کے مزے "
لے رہیں تھیں۔

کیوں" نور نے عام سے انداز میں پوچھا۔"

تم دونوں یہاں دھوپ میں بیٹھ کے کالا کوئلہ ہو جاؤ گی گرمی سے پھوڑے پھونسیاں نکل آئیں گے پر تم "
میرے ساتھ نہیں چلو گی" رانیہ نے سیخ پا ہو کے کہا۔

ہیں۔۔۔ ہم دھوپ میں کب بیٹھے ہیں رانی" زینب نے تعاجب سے پوچھا کیوں کہ یہ لوگ درخت کے "
سائے میں بیٹھے تھے۔

تو اے۔ سی میں بھی کب بیٹھے ہو" رانیہ نے منہ پھیر کے کہا۔"

چلو زینی چلتے ہیں ورنہ یہ ریکوڈر بن نہیں ہونے والا" نور نے رانیہ کی زبان پر چوٹ کی۔"

چلو" زینی نے کہا اور یہ تینوں ہی اپنے کپڑے جھاڑ کر کھڑی ہو گئیں۔"

لائبریری میں داخل ہونے پر رانیہ نے ان دونوں کو ایک میز پر بیٹھا دیا اور خود احمر کی میز کی طرف بڑھنے لگی تب ہی نور نے اسے روک کے حیرت سے پوچھا۔

"تم کہاں جا رہی ہو"

وہاں "رانیہ نے ہلکی آواز میں ہاتھ سے احمر کی طرف اشارہ کر کے بتایا جو بلیک پینٹ اور گرے شرٹ "

میں ملبوز کتاب پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

کیوں "زینب نے ایک نظر رانیہ کی بتائی ہوئی سمت میں ڈال کہ ماتھے پے شکنے لئے پوچھا۔"

احمر بھائی کے ساتھ اسائنمنٹ کرنا ہے نہ اس لیے "رانی نے نظریں چرا کے بتایا۔"

ہا۔۔۔تم اپنی چوکیداری کے لیے لائی ہو ہمیں "نور کا تو منہ ہی کھلا رہ گیا۔"

اور نہیں تو کیا "رانیہ نے آنکھ دبا کے کہا اور آگے بڑھ گئی۔"

احمر کو سلام کر کے وہ میز کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی یہاں سے زینب اور نور صاف نظر آ رہیں تھیں اور ان کو تھمب کا نشان بنا کے دکھایا۔ جس پر زینب نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں گردن ہلائی جیسے کہہ رہی ہو (تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا) جس کا جواب رانیہ نے سر اثبات میں ہلا کر دیا جیسے وہ زینب کی بات سے متفق تھی (سچ میں کچھ نہیں ہو سکتا)۔

رانیہ جو سوچ رہی تھی احمر کتاب سے پوائنٹس نکالنے میں مصروف ہے اور یہ سب حرکتیں کر رہی تھی اس کی ایک حرکت بھی احمر سے مخفی نہیں رہی تھی۔ احمر نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو وہاں نور اور زینب نظر آئیں۔

(تو مس رانیہ آپ نے اپنی حفاظت کے لیے گارڈز تعینات کر رکھے ہیں) اس نے سوچا اور دھیمے سے مسکرایا۔

وہ بے بی پنک کلر کا سوٹ زیب تن کیے بستر پر چت لیٹی دیوار کو بِنا پلکیں جھپکیں دیکھ رہی تھی وہاں اس شخص کا عکس تھا جو اسے پہلی بار یونیورسٹی کے باہر ہی دیکھا تھا اور پھر روز دیکھنے لگا تھا اور روز وہ اس کے سحر میں گرفتار گھر لوٹی تھی اس کی سوچوں کا محور اب ایک ہی شخص ہوتا تھا وہ کتنی ہی بار دل کو سمجھا چکی تھی پر دل کب کسی کی مانتا ہے اور دماغ سے تو اسے خاصا بیر ہے۔ وہ اس کی سوچوں سے رہائی حاصل کرنے کے لئے خود کو کام میں غرق کر لیا کرتی تھی پر پتا نہیں کہاں سے وہ لمحے آ ہی جاتے تھے جن سے فرار کے لیے وہ جتن کر رہی تھی اور پھر وہ لمحے آتے تو اس کے گھنٹے تباہ کر کے بھی جانے کا نام نہیں لیتے تھے۔

نور۔۔۔ انسان بن جاؤ" اس نے بستر پے بیٹھ کے سائیڈ میں پڑا دوپٹا اپنے شانوں پر ڈالا اور خود کو" سرزنش کی۔

انسان ہی تو ہوں جب ہی تو۔۔۔" اندر سے آواز آئی جسے اس نے مکمل ہونے سے پہلے ہی روک لیا۔"

کا نام لو مجھے ایسی خرافات میں بلکل بھی نہیں پڑنا" اس نے ایک بار پھر یہیں رک جاؤ نور۔۔۔ اللہ" خود کو سمجھایا۔

گھر اور پڑھائی پے دیہان دو یہ سب بکواس ہے "سلیپیرس کو پیروں میں پہن کے وہ کچن میں چلی گئی اور "تھوڑی ہی دیر میں وہی خیالات اس کے دل و دماغ پے حاوی ہو چکے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کھانا جلا چکی تھی دودھ گرا چکی تھی اور برتن توڑ چکی تھی۔

بڑے ہی کوئی منحوس انسان ہیں آپ میرے سارے کام خراب کرا رہے ہیں "اس نے اپنے آنسو پوچھ "کے معصومیت سے کہا وہ خود کو اس وقت بے بسی کی انتہا پر پا رہی تھی۔

اور دل پے پھرے نہیں بیٹھائے جا سکتے۔

گھر کے سب ہی افراد ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے وہ نیوی بلیو رنگ کی ڈریس کوڈ پے کالے رنگ کی ٹائی لگائے آفس جانے کے لیے تیار تھا اور ناشتہ کر رہا تھا۔

امی موٹی کہاں ہے "انس احسن نے رانیہ کو ناشتے پر نہ پا کر پوچھ لیا۔"

وہ رانیہ کو اکثر موٹی کہا کرتے تھے جو اب ہر گز موٹی نہ تھی لیکن بچپن میں رانیہ کے وزن کی وجہ سے نیلم بیگم کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

نیلم بیگم جو سرونگ میں مصروف تھیں ہاتھ روک کے بتانے ہی لگیں تھیں جب رانیہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی جو انس احسن کی بات بخوبی سن چکی تھی تبھی کہا۔

بھائی کم از کم آپ کے اب موٹی بولنے پر مجھ پر کوئی اثر نہیں ہونے والا" رانیہ نے انس کو آگاہ کیا اور" اس کے سامنے والی کرسی سنبھال لی۔

وہ کیوں ؟" انس احسن نے کھانے سے اپنا ہاتھ روک کے پوچھا۔"

کیوں کے میں یونیورسٹی میں موٹی کی ڈیفینیشن سے واقف ہو گئیں ہوں اور ان لڑکیوں کا وزن مجھ سے" بہت زیادہ ہے" رانیہ نے ایک اور اہم خبر انس کے گوشگزر دی۔

رانیہ بھینسوں اور ہاتھیوں میں فرق ہوتا ہے" انس احسن نے مصروف سے انداز میں کہا۔"

بھائی۔۔۔ آپ مجھے بھینس بول رہے ہیں" رانیہ نے چیخ کے کہا انس کے بھینس کہنے پر وہ اچھل ہی تو" پڑی تھی۔

نہیں میں اُنھیں بھینس بول رہا ہوں" انس احسن نے سنجید گی سے کہا۔"

رانیہ یک دم خوش ہو گئی۔

بھینس انھیں بول رہے ہیں اور ہاتھی آپ کو" بلال جو اسکول یونیفارم میں ملبوز کو نفلیکس کے ساتھ" انصاف کر رہا تھا اس نے ٹکرا لگایا۔

بھائی۔۔۔" اس انکشاف پے رانیہ تڑپ ہی گئی تھی اور انس احسن بڑی دلکشی سے مسکرا رہے تھے۔"

ابو دیکھ رہے ہیں آپ ؟" رانیہ نے باپ کو بیچ میں گھسیٹا جو اکثر اور بیشتر لڑکیوں کی عادت ہوتی ہے۔"

کس کو ہاتھی کو؟" احسن صاحب نے ہنسی دبا کے پوچھا۔"

ہا۔۔۔ ابو آپ بھی۔۔۔۔ جائیں میں بیٹھ ہی نہیں رہی آپ سب کے ساتھ" رانیہ نے ناراضگی سے کہا" اور جانے لگی لیکن احسن صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ کے روک لیا۔

مذاق کر رہا تھا سوری۔۔۔ اب کوئی میری پھولوں سی نازک بیٹی کو تنگ نہیں کرے گا" احسن صاحب" نے اس سے معذرت کی اور ساتھ بیٹھے لوگوں کو اپنا حکم سنایا۔

پھولوں سی نازک۔۔۔۔ اوہ مائے گاڈ" بلال قہقہ لگا کے ہنسا اور احسن صاحب کی گھوری پر فوراً بریک بھی" لگا لیا۔

رانیہ نے بلال کو منہ چڑایا۔

رانیہ باہر آ جاؤ میں ویٹ کر رہا ہوں" انس احسن نے نیپکین سے چہرہ صاف کرنے کے بعد رانیہ سے کہا" اور سب کو دعائی کلمات کہہ کے باہر کی اور قدم بڑھا دیے۔

تھوڑی ہی دیر میں رانیہ انس احسن کے ساتھ کار میں بیٹھی اپنی منزل کی طرف گمزمان تھی جب انس احسن نے اپنا گالا کھنکار کے پوچھا۔

"پڑھائی کیسی چل رہی ہے"

اے ون بھائی" رانیہ نے بلاتوافق کہا۔"

اور یونیورسٹی میں سب ٹھیک ہے" انس احسن نے اس پہ ایک نظر ڈال کے پوچھا۔"

جی۔۔۔سب ٹھیک ہے" رانیہ کے ذہن کی سکرین پہ دو نفوس نمایاں ہوئے اور اگلے ہی پل زینب کی" کہی گئی باتیں اس کے کانوں میں گونجنے لگیں اس نے کچھ بھی بتانے کا ارادہ ترک کر دیا اور کہا۔

اور باقی سب ٹھیک ہیں" نجانے انس احسن کے دماغ میں کیا چل رہا تھا لیکن رانیہ جانتی تھی وہ کس کے" بارے میں پوچھ رہے ہیں۔

بھائی اس میں شرمانے والی کون سی بات ہے بند اس پوچھے نہ جو پوچھنا چاہ رہے ہیں" رانیہ نے اپنی کونی" انس احسن کے کندھے پر رکھ کے بڑے ہی فرانک انداز میں کہا۔

انس احسن نے رانیہ کی بات پر اسے زبردست سی گھوری سے نوازا۔

سوری" رانیہ نے پیچھے ہو کے ہلکی سی آواز میں کہا۔"

"وہ ٹھیک ہے آپ پریشان مت ہوئیں میں ہوں نہ"

گاڑی یونیورسٹی کے گیٹ پہ روکی تو رانیہ نے انس احسن سے کہا اور گاڑی سے اتر گئی۔

انس احسن مسکرا دیے اپنی بہن کے انداز پہ اور کچھ اس کی دی گئی خبر سے۔

وہ دونوں لائبریری میں بیٹھے اسائنمنٹ کے آخری مرحلے پر تھے جب ایک لڑکا پستائی رنگ کی ٹی شرٹ اور بلیو رنگ کی ڈیمیج پینٹ میں ملبوز ہاتھ میں مختلف قسم کے بینڈز پہنے رانیہ کی طرف جھکا اور اس کے کان کے قریب ہو کے بولا۔

"ہیے بیوٹیفل"

اپنے اتنے قریب کسی کی آواز سن کے رانیہ اپنی جگہ بری طرح حل کر رہ گئی تھی اور احمر کا بس نہیں چل رہا تھا اس کا منہ توڑ دے۔

تمہاری ہمّت بھی کیسے ہوئی ایسا کرنے کی" احمر نے اس کا کولر پکڑ کر اپنی سرخ ہری آنکھیں اس پر" گاڑے غصّے سے کہا۔

تمہیں کیوں تکلیف ہو رہی ہے" اس نے کہہ کہ احمر کے ہاتھ جھڑ کے۔"

بیوی ہے تمہاری۔۔۔۔۔ گرل فرینڈ ہے تمہاری۔۔۔۔ یا بہن ہے تمہاری" آخری بات اس نے" کمینگی سے قہقہ لگا کے کہی۔

عزت ہے میری۔۔۔ اس پر پڑنے والی ایک بھی میلی نگاہ کو میں بصارت سے محروم کر سکتا" ہوں۔۔۔ اور اسے محض دھمکی سمجھنے کی غلطی تمہارے حق میں بہت بھاری پڑ سکتی ہے" احمر نے غصّے سے کہا اور رانیہ نے تشکرانا نظروں سے اسے دیکھا رانیہ کے دل میں اس کی عزت اور بڑھ گئی تھی۔

دور کھڑے علی اور حاشر تمام منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے احمر کی اس بات پر دونوں نے معنٰی خیز نظروں کا تبادلہ کیا۔

محبّت میں گرے وہ کچھ ایسے"

" کہ پھر مرنے مرانے پے آگے

علی نے آنکھ دبا کے شعر کہا اور حاشر کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

اور بہن ہے ہماری" علی نے احمر کے آگے کھڑے ہو کے مضبوط لہجے میں کہا۔"

کیا تماشا لگا رکھا ہے آپ لوگوں نے۔۔۔یونیورسٹی ہے یا کوئی جنگ کا میدان ہے اگر لائبریری میں" بیٹھنے کے اصول نہیں پتا تو یہاں سے جائیں" لائبریرین نے قدرے غصّے سے کہا۔

لائبریرین کے کہنے کی دیر تھی عاطف اور وہ سب بھی لائبریری سے باہر نکل آئے۔

شکریہ آپ سب کا" رانیہ نے ان سب کا شکر ادا کرنا ضروری سمجھا۔"

شکریہ کس بات کا بھئی بہن کہا ہے تمہیں اور پھر بہنوں کی حفاظت کرنا بھائیوں کا فرض ہوتا ہے" حاشر" نے خوش دلی سے کہا۔

اور کسی کی عزت بھی ہو" علی نے بظاہر سنجیدگی سے احمر پر چوٹ کی جو صرف رانیہ کے ہی پلے نہیں پڑی" تھی احمر نے علی کو خوفناک گھوری سے نوازا۔

میں اسے چھوڑوں گا نہیں" احمر کو رہ رہ کے وہ لمحہ یاد آ رہا تھا اور اس کا غصّہ بڑھتا جا رہا تھا۔"

آپ کو کیوں غصّہ آ رہا ہے بد تمیزی اس نے میرے ساتھ کی ہے تو بدلا بھی میں ہی لوں گی" رانیہ نے"
اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بتایا۔

اور وہ آپ کیسے لیں گیں" احمر نے رانیہ کے عظیم خیالات جاننے کی کوشش کی۔"

علی اور حاشر بھی رانیہ پر نظریں جمائے کھڑے تھے جس کی آنکھوں سے شرارت ٹپک رہی تھی اور
ہونٹوں پے بھی شرارتی مسکان سجی تھی۔

اس سے" رانیہ نے بیگ سے اپنی شول نکل کے کہا۔"

کیسے" ان تینوں نے نا سمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر یک زبان ہو کے پوچھا۔"

اور پھر رانیہ نے اپنے دماغ کی ساری خرافات ان کے گوشگزر کر دی۔

ہم ایسا کچھ نہیں کر رہے" احمر نے ہر ایک لفظ پے زور دے کے کہا۔"

ہم ایسا ہی کریں گے کیوں علی اینڈ حاشر بھائی" رانیہ نے خوش ہوتے ہوئے اسی کے انداز میں کہا اور"
ساتھ میں علی اور حاشر کی حامی بھی طلب کی۔

ہاں بلکل" علی نے بلا توافق کہا۔"

لیکن اگر میرا نام۔۔۔" رانیہ اب اداسی سے کہہ رہی تھی جب اس کی بات کو علی نے کاٹ دیا۔"

تمہارا نام نہیں آئے گا بے فکر رہو" علی نے اسے تسلی دی تو وہ خوش ہو گئی۔"

احمر منع کرنا چاہتا تھا پر سفید ہالے میں مقید اس کے معصوم سے چہرے پر شرارت اسے بڑی بھلی لگی اور پھر علی جس کام میں شامل ہو جائے اسے آئیکسپوس کرنے کی جرات کسی میں نہیں تھی۔

رانیہ نور اور زینب کو لئے دور کھڑی چھپ چھپ کر سامنے کے منظر پر نظر ڈال رہی تھی اور وہ دونوں سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہیں تھیں۔

رانی ہمیں یہاں کیوں لے کر آئی ہو؟" زینب نے سنسان جگہ دیکھ کے پوچھا۔"

ابھی پتا چل جائے گا بس اپنے ہتھیار مطلب اپنی کتابیں اپنے ہاتھ میں رکھو" رانیہ نے جلدی سے بتایا اور" پھر سے نظریں منظر پر ڈال دیں۔

یونیورسٹی کا یہ ایریا قدرے سنسان تھا وہ یہاں سیڑھیوں پر بیٹھا سگرٹ نوشی کر رہا تھا جب کسی نے اس کے اوپر کالی چادر ڈال دی وہ کچھ بھی دیکھ نہیں پا رہا تھا اس نے مزمت کی کوشش کی مگر مقابل کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

حلّا بول" رانیہ نے ہاتھ اٹھا کے دیھمی آواز میں مگر جوش سے کہا اور ساتھ ہی نور اور زینب کو اپنے ساتھ" گھسیٹ لیا۔

اور پھر رانیہ اور حاشر نے اس شخص کی سر پر تابڑ توڑ کتابوں سے حملے کئے نور کو بھی جوش آیا اور اس نے بھی اس شخص کی اچھی خاصی درگت بنائی۔ زینب منہ کھولے سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ علی نے ان سب کو بھاگنے کا اشارہ کیا تو وہ سب جھٹ سے غائب ہو گئے اور عاطف ظفر اپنا سر پکڑ کے بیٹھ گیا جو بری طرح چکرا رہا تھا۔

یہ سب بھاگتے بھاگتے ایک جگہ روکے اور پھر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے رانیہ اور نور کی ہنسی روکنے کا نام نہیں لے رہی تھی ان دونوں کے چہرے ہنس ہنس کر سرخ ہو گئے تھے اور انہیں دیکھ زینب بھی مسکرا رہی تھی اور ساتھ کھڑا احمر رانیہ کو مبہوت سے تک رہا تھا۔

پھر بڑی مشکل سے ہی سہی لیکن ان کی ہنسی کو بریک لگ گیا تھا اور رانیہ نے زینب اور نور سے اپنے ایک دن کے بھائیوں کا تعارف کرایا اور ساتھ ہی آج کا سارا قصّہ ان دونوں کو بتا دیا۔ جسے سنے کے بعد زینب نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

"بہت شکریہ آپ لوگوں کا"

شکریہ والی کوئی بات ہی نہیں ہے رانیہ ہمیں بہنوں کی طرح عزیز ہیں۔۔۔ کیوں احمر" علی نے احمر کے " کندھے پر ہاتھ پھیلایا اور اسے چڑایا۔

جی ہاں۔۔۔یہ ہمیں بہت عزیز ہیں" احمر نے علی کی باتوں میں سے اپنی مطلب کی بات نکل کے رانیہ کو"

دیکھ مسکراتے ہوئے کہا۔

علی کا جملہ اسی پر بھاری پڑ گیا۔

وہ بیلک ڈنر سوٹ میں ملبوز اس فارمل لک میں بے انتہا وجیہہ اور حسن کا شاہکار لگ رہا تھا ٹانگ پر ٹانگ رکھے بورڈ روم میں بیٹھا تھا جہاں کمپنی کے ممبرز اور بہت سے سینئرز اساتذہ حیدر کے پروجیکٹ کی بہترین کامیابی پر مبارک بعد دے رہے تھے اور انہوں نے اس پروجیکٹ کی کامیابی کے لیے ایک پارٹی بھی منعقد کی تھی جس پر یہ حیدر اور کچھ اساتذہ کو مدعو کر رہے تھے جسے حیدر نے خوش دلی سے قبول کر لیا تھا۔اس پروجیکٹ کی کامیابی کی خبر پوری یونیورسٹی میں پھیل چکی تھی اور ایک بار پھر حیدر کے نام کی گونج ہر طرف سنائی دے رہی تھی۔

کمپنی کے ممبرز اساتذہ کے ساتھ بیٹھے اپنے کچھ اور پروجیکٹ ڈسکسس کرنے لگے تو حیدر ان حضرات سے اجازت لے کر باہر آ گیا اور کینٹین کا رخ کیا وہ صبح بھی جلدی جلدی میں گھر سے نکلا تھا اور اس نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اور اسے اس وقت سخت بھوک لگ رہی تھی۔ کینٹین میں داخل ہوا تو وہاں پہلے سے ہی نہ صرف احمر علی اور حاشر موجود تھے بلکہ ان کے ٹیبل کے دائیں جانب آخری ٹیبل پر وہ بھی بیٹھی تھی اور

اس کے ساتھ سفید اسکارف والی ایک لڑکی بھی بیٹھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی حیدر کی بھوک کہیں اوڑن چھو ہو گئی تھی وہ اپنے دوستوں کے پاس رو کنے کے بجائے اس کی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اسے پکارا۔

"مس زینب"

زینب نے گردن اٹھا کے دیکھا وہ جس کا چہرہ ہمیشہ ہی کسی بھی تاثر سے پاک رہتا تھا وہاں حیدر نے آج صرف ایک تاثر دیکھا تھا اور وہ تاثر "بیزاریت" کا تھا اور یہ اس کے لیے ناقابلِ قبول بات تھی وہ لڑکیوں کی حسرت بھری نظریں دیکھنے کا عادی تھا نہ کے بیزاریت بھری نظریں۔

زینب نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو اس کو اور تپ چڑھ گئی۔

جیلس ہو رہی ہو مجھ سے "اس نے تاپا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔"

میں کیوں جیلس ہوں گی تم سے "زینب نے اس کے سامنے کھڑے ہو کے ماتھوں پے شکنے لئے پوچھا۔"

اوہ کم آن۔۔۔۔بنو مت ظاہر ہے میری کامیابی کی وجہ سے "حیدر کو لگا وہ پریٹنڈ کر رہی ہے۔"

ایسی چھوٹی موٹی کامیابیاں تمہیں ہی مبارک ہوں "زینب نے اس کی گرے کانچ سی آنکھوں میں دیکھ پورے اعتماد سے کہا۔

تم خود کو سمجھتی کیا ہو "حیدر کو سمجھ نہیں آئی "اس" جیسی کو غرور کس بات کا تھا۔"

میں کم از کم تمہاری طرح تو بلکل نہیں ہوں جو باپ کی دولت اور نام پے ناز کرتی پھیروں" زینب نے تہزیک آمیز لہجے میں کہا جو مقابل کو سخت ناگوار گزرا۔

باپ ہوتا تو کرتیں نہ" حیدر نے درشتگی سے کہا۔"

زینب کے چہرے پر رہنے والی سرخی یک دم ہی کہیں تحلیل ہوگئی تھی اس کا ویران چہرہ کچھ اور ویران ہوا زینب کو لگا اس کے پاس کہنے کے لیے کوئی الفاظ ہی نہ بچا ہو۔

رانیہ کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں وہ حیدر کی طبیعت صاف کرنے کی غرض سے دو قدم آگے بڑھی زینب نے اس کی کلائی پکڑ کے اسے پیچھے کیا اور نفی میں سر ہلایا۔

حیدر عبّاس آپ کے والد کی کال ہے وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں" سر عاصم جو کہ جونیئر ٹیچر تھے" انہوں نے حیدر کو مخاطب کر کے کہا۔

حیدر کی نظر کینٹین پر پڑی تو وہاں کھڑا ہر نفوس ان کی توجہ کا مرکز تھا۔

سر عاصم جونیئر ٹیچر تھے اور انہیں جوائن کئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ تمام سینئر اسٹاف میٹنگ میں مصروف تھا اور اگر کمپنی کے ممبرز انہیں اس طرح دیکھ لیتے تو یونیورسٹی کی ساخت کو بہت نقصان پہنچتا ان کی جب سمجھ نہ آئی کے صورتحال کو کس طرح ہینڈل کریں تو انہوں نے حیدر کے والد کو کال کر دی۔

حیدر نے ان کے ہاتھ سے موبائل لیا اور تب ہی زینب نے کہنا شروع کیا۔

زینب والیو اللہ کو آزاد پیدا کیا گیا ہے اسے کسی کا محتاج نہیں بنایا گیا حتکہ باپ کے حکم کا بھی نہیں" زینب" نے بے حد سکون سے حیدر کا سکون برباد کیا تھا۔

وہ ہوا سنگدل

زینب والیو اللہ کو آزاد پیدا کیا گیا ہے اسے کسی کا محتاج نہیں بنایا گیا حتکہ باپ کے حکم کا بھی نہیں "زینب" نے بے حد سکون سے حیدر کا سکون برباد کیا تھا۔

اتنی توہین پے حیدر کا چہرہ لال اور کان کی لوئیں لال سرخ ہو گئیں تھیں۔

زینب رانیہ کو لے کر نور کے پاس آئی جو ہکا بکا سی سب دیکھ رہی تھی نور کا ہاتھ تھاما اور کینٹین سے باہر نکل گئی۔

حیدر کی گرفت موبائل پر سخت سے سخت تر ہوئی اور پھر اس نے کھینچ کے موبائل سامنے دیوار پر دے مارا اور وہ ٹکرے ٹکرے ہو گیا اور اپنے اخلوتے موبائل کی میت دیکھ سر عاصم صدمے سے رو دینے کو تھے۔

رانیہ زینب کا کندھا پکڑے اس سے چپکی ہوئی چل رہی تھی وہ جانتی تھی جو وار آج ہوا تھا وہ بے حد تکلیف دہ تھا وہ چاہتی تھی زینب اپنا دل

ہلکا کر لے لیکن شاید وہ بھول گئی تھی وہ زینب والیو اللہ تھی وہ اپنے اندر کے عذابوں کو اپنے اندر ہی محیط رکھتی تھی ایک آتش فشاں تھا اس کے اندر اگر پھٹ جاتا تو صرف تباہی لاتا اور وہ وقت ابھی نہیں آیا تھا۔

مین گیٹ عبور کرنے پر انس احسن رانیہ کے پاس آئے جو کافی دیر سے اس کا انتظار کر رہے تھے رانیہ کی رونی صورت دیکھ وہ اس کے دیر سے آنے کی وجہ دریافت کرنا ہی بھول گئے تھے انہوں نے پریشانی سے استفار کیا۔

"کیا ہوا ہے رانی تمہارا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے"

کچھ نہیں بھائی بس بھوک کی وجہ سے "رانیہ نے سنبھلتے ہوئے کہا۔"

بھائی انہیں تو آپ جانتے ہی ہیں۔۔۔ان سے ملیے یہ ہیں میری نئی دوست نور "رانیہ نے پہلے فقرہ" زینب کی طرف اشارہ کر کے کہا جب کے دوسرے فقرے میں نور کا تعارف کافی گرم جوشی سے کرایا۔

اسلام علیکم "انس احسن نے احترام سے سلام کیا۔"

وعلیکم السلام "نور نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔"

زینی چلو نہ بھائی تمہیں آفس ڈراپ کر دیں گے "رانیہ کو زینب کی فکر ستائی جا رہی تھی جان جو بستی تھی" رانیہ کی زینب میں۔

انس احسن اسے منتظر نگاہوں سے دیکھ رہے تھے آج بھی وہ اس کے چہرے پے لکھی کوئی تحریر نہیں پڑھ سکے تھے۔

نہیں میں آج آفس نہیں جا رہی بابا کے پاس جاؤں گی "زینب نے رانیہ کو بتایا۔ "

زینب کے بابا کہنے پر نور کو حیرت ہوئی ابھی اندر وہ کیا بول کر آئی تھی اور اب کیا بول رہی تھی نور الجھی ہوئی تھی لیکن خود کی الجھن سلجھانے کے لیے وہ دوستوں کے زخم تو تازہ نہیں کر سکتی تھی نہ۔

ٹھیک ہے میں بھی چلتی ہوں مجھے والی بابا سے ملے بھی کافی ٹائم ہو گیا ہے۔۔۔نور تم بھی چلو نہ "رانیہ نے" اپنے چلنے کا اعلان کیا اور ساتھ میں نور کو بھی دعوت دی۔

لیکن میرا ڈرائیور "نور نے دور کھڑے ایک عمر رسیدہ شخص جو کے اس کا ڈرائیور تھا اور وائٹ کارولا کے" آگے کھڑا تھا کی طرف اشارہ کیا۔

کوئی نہیں تم انہیں بھیج دو واپسی میں انس بھائی ڈراپ کر دیں گے تمھیں "رانیہ نے ایک نظر پیچھے مڑ کے" دیکھا اور حل بتایا۔

اب کوئی اور بہانہ ڈھونڈ رہی ہو کیا "رانیہ نے خشمگیں نظروں سے دیکھ کے کہا۔ "

نہیں۔۔۔ٹھیک ہے چلو "نور جانا تو نہیں چاہتی تھی لیکن اپنی اتنی عزیز دوستوں کو ناراض بھی نہیں کر" سکتی تھی۔

موسم خوشگوار تھا نیلے آسمان کو بادلوں نے ڈھانپا ہوا تھا سورج بھی انہی بادلوں کے آنچل میں چھپا تھا وقفے وقفے سے اپنا دیدار کرتا اور پھر چھپ جاتا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں روح کو تازہ کر رہیں تھیں اور ایک سکون سا اندر اتر رہا تھا۔ گاڑی ترقول کی لمبی سڑک پے نارمل رفتار سے چل رہی تھی اس سڑک پر بہت سی گاڑیاں موجود تھیں اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھیں۔ احمر ڈرائیو کر رہا تھا اور حیدر اسی کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر براجمان تھا اور پیچھے علی اور حاشر بیٹھے تھے وہ تینوں ہی اس نئے شروع ہونے والے قصّے سے پریشان تھے اور اپنی اپنی سوچوں کے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔

احمر کو بے حد الجھن ہو رہی تھی آج ہی تو اس پری پیکر کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا کتنا دل نشین منظر تھا وہ اور آج ہی اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ لئے تھے اور کتنا جان لیوا تھا وہ منظر۔

احمر نے حیدر کے گھر کے باہر گاڑی روکی ہینڈ بریک لگایا ایک سانس بھری ہاتھ ہونوز سٹرنگ پر تھے اور حیدر سے پوچھا۔

"حیدر کیا کر رہے ہو؟"

پتا نہیں" حیدر جانتا تھا اس کا اشارہ کس طرف تھا ونڈو سکرین پر نظریں جمائے جواب دیا۔"

حیدر تم کب سے اتنا نازا ہو گئے ہو؟" احمر نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔"

جب سے وہ میری زندگی میں آئی ہے "حیدر نے اپنے سابقہ انداز میں کہا۔"

تم کبھی ایسے نہیں تھے "احمر نے اسے یاد دلایا۔"

"اس نے مجھے ایسا بنا دیا ہے"

تم ہر الزام اس پر نہیں ڈال سکتے اس میں تم بھی برابر کے شریک ہو "حاشر نے قبل دید بہادری کا" مظاہرہ کر کے کہا۔

جس پے ان تینوں نے ہی اس کی طرف دیکھا۔

لیکن شروعات اس نے کی تھی "حیدر نے ترکی بات ترکی کہا۔"

شروعات کس نے کی تھی یہ تم بھی اچھے سے جانتے ہو لیکن حیدر کم از کم تمھیں پرسنل نہیں ہونا چاہیے" تھا" احمر نے اس کے زینب کے والد کو بیچ میں لانے پر اس سے افسوس کا اظہار کیا۔

میں ہوا ہوں پرسنل تم لوگوں نے سنا نہیں باپ کو بیچ میں وہ لائی تھی میں نہیں "حیدر احمر کی اس بات پر" بھڑک گیا تھا۔

مجھے نہیں پتا تمہیں اس کے والد کے بارے میں کیسے پتا چلا اور میں پوچھوں گا بھی نہیں لیکن حیدر"

تمہارے والد کا ذکر تمہارے لئے تکلیف دہ نہیں تھا اس کے والد کا تھا اور تم یہ اچھی طرح جانتے تھے اسی

لیے تم نے اس کی دکھتی رگ پکڑی۔۔۔یہ تکلیف تم نے جان بوجھ کے اسے دی ہے" احمر نے نرم لہجے میں اسے اس کے ہر عمل کے بارے میں بتایا۔

میرے سمجھ نہیں آرہی میرے دوست ہو کر تمہیں اس کی تکلیف کی فکر کیوں ہو رہی ہے" حیدر نے" جھنجلا کر کہا۔

حیدر مجھے تمہاری فکر ہے کیوں کہ تم کسی کی تکلیف کی وجہ بن رہے ہو اور اس کی سزا ایسی ہے جس کی" کوئی معافی نہیں ہے" احمر نے اسے سمجھایا۔

اس زمانے میں غلط راہ پر ڈالنے والے دوست بہت ملیں گے لیکن حیدر ہم کسی غلط فعل میں تمہارا ساتھ" نہیں دیں گے کیوں کہ ہم صرف تمہارے ساتھ ہی نہیں ہیں ہم تمہارے ساتھ بھی ہیں اسی لیے ہم تمہیں سمجھا رہے ہیں" حاشر نے بھی سنجیدگی سے اپنا حصہ ڈالا۔

حیدر ایک جھٹکے سے باہر نکل کر گھر کے اندر داخل ہو گیا تھا اور وہ تینوں ہی تاسف سے سر جھٹک کر رہ گئے تھے۔

انس احسن ان تینوں کو یتیم خانے ڈراپ کر کے اپنے آفس چلے گئے تھے کیوں کہ رانیہ کا ارادہ دیر تک روکنے کا تھا اور اب زینب رانیہ اور نور والیو اللہ صاحب کے کمرے میں تھے والیو اللہ کو نا پا کر رانیہ نے خوش ہوتے ہوئے بولا اور فوراً ہی منظر سے غائب ہو گئی۔

"والی بابا شاید آفس روم میں ہوں میں ابھی بلا کر لاتی ہوں"

نور والیو اللہ صاحب کے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی تب ہی اس کی نظر لکڑی کی بنی شیلف پر پڑی اور وہ اتنے اعزازات دیکھ کے حیران ہوئے بغیر نا رہ سکی وہاں کیا نہیں تھا اسکولر شپ کے سرٹیفکیٹز اول پوزیشن کی ڈھیروں شیٹس تقریری مقابلات میں دیے جانے والے میڈلس وہ ہر ایک چیز کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ تب ہی اس نے زینب کی آواز سنی جو کمرے میں موجود کھڑکی کے آگے کھڑی گرے رنگ کا سوٹ جس پر جگہ جگہ کالے رنگ سے کام ہوا تھا زیب تن کئے تھی جسے اس کے گرد لپٹی شال نے ڈھانپ رکھا تھا وہ دونوں ہاتھ سینے پر بندھے نیچے میدان میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو کھیلتا دیکھ کہہ رہی تھی۔

"بابا نے بتایا تھا میں ایک سال کی تھی جب ایک کار ایکسیڈنٹ میں میرے والدین کا انتقال ہو گیا لیکن میں بچ گئی کار بری طرح جل چکی تھی اور شاید میرے والدین بھی جل چکے تھے اس آگ پر جلد ہی قابو پا لیا گیا میرے والدین کی سانسیں چل رہیں تھیں اور میں بیک سیٹ پر سو رہی تھی مجھے ایک خروش بھی نہیں

آئی تھی میرے والدین کو جس ہسپتال میں ایڈمٹ کرایا گیا اتفاق سے والی بابا بھی وہاں اپنے کسی رشتے دار کی وجہ سے موجود تھے میرے والدین کی روحیں پرواز کر گئیں تھیں اور مجھے ویسے بھی ہسپتال کی انتظامیہ کسی یتیم خانے میں ہی ڈال دیتی جب والی بابا نے انھیں بتایا کہ وہ ایک یتیم خانے میں ہی کام کرتے ہیں تو ہسپتال کی انتظامیہ اور پولیس نے انکوائری کر کے مجھے والی بابا کو سونپ دیا جب سے میں یہاں ہوں۔۔۔۔بابا کہتے ہیں میں ان کی زندگی کا ایک معجزہ ہوں ورنہ انہوں نے جینے کی امید چھوڑ دی تھی" وہ آخری بات پر تلخی سے مسکرائی۔

وہ اداس نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن اداسی اس میں بسیرا کرتی تھی۔

تمہیں پتا ہے نور دنیا مجھے یتیم نہیں سمجھتی۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے ایک نام کی تلاش ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مرا" ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے باپ کی مثال بھی ایسی ہی ہے باپ بے شک نا ہو صبر آ ہی جاتا ہے لیکن باپ کا نام نا ہو تو نہ صبر آتا ہے نہ سکون آتا ہے اپنا آپ ایک سوالیہ نشان بن کر رہ جاتا ہے۔۔۔۔۔۔باپ کی کمی کبھی نہیں ہونے دی بابا نے باپ کے نام کی ہمیشہ ہی رہی ہے" وہ ایک ٹرانس کی کفیت میں عجیب ٹوٹے پھوٹے جملے بول رہی تھی۔

نور کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے اس کے غم میں اور جیسے اسے کوئی تکلیف ہی نہیں تھی یا پھر تکلیف اتنی سہہ لی تھی کہ اب اس کا احساس ہی مر گیا تھا۔

والی بابا آئیں میں آپ کو اپنی نئی دوست سے ملاتی ہوں "رانیہ والیو اللہ صاحب کو لے کر کمرے کی اُور" بڑھ رہی تھی۔

رانیہ کی آواز سن کے نور نے جلدی سے اپنا چہرہ صاف کیا۔

والی بابا یہ ہیں نور "رانیہ نے نور کی طرف اشارہ کر کے کہا۔"

اسلام علیکم والی بابا "نور نے سلام میں پہل کی۔"

وعلیکم السلام۔۔۔ماشااللہ نام تو بہت پیارا ہے آپ کا "والیو اللہ صاحب نے خوش دلی سے کہا انھیں یہ" گول فیس چھوٹی چھوٹی آنکھیں گورے رنگ اور حجاب میں مقید لڑکی رانیہ اور زینب جیسی ہی لگی۔

اسلام علیکم بابا۔۔۔ آپ تو مجھے بھول ہی گئے "زینب نے قریب آ کے مسکرا کے سلام کیا۔"

نور سمجھ نہیں پا رہی تھی وہ لڑکی کیا تھی اگر یہ ضبط تھا تو کمال کا ضبط تھا اور اگر یہ صبر تھا تو کمال کا صبر تھا۔

وعلیکم السلام۔۔۔ بھلا کوئی اپنی جان کو بھی بھول سکتا ہے "والیو اللہ نے اس کے ماتھے میں بوسہ لے" کے کہا۔

اسی طرح آج کا سارا دن رانیہ اور نور نے زینب اور والیو اللہ کے ساتھ گزارا رانیہ کبھی بے تکا بولتی کبھی بے تکے لطیفے سناتی صرف زینب کے لبوں پر مسکراہٹ برقرار رکھنے کے لیے جسے نور نے بھانپ لیا تھا اور

رانیہ کا ساتھ بڑھ چڑھ کر دے رہی تھی کوئی اندھا بھی ہوتا تو پہچان لیتا پھر تو وہ زینب تھی جتنی کم عمر میں دنیا اس نے دیکھی تھی شاید کسی نے نہیں دیکھی تھی۔

سچے دوست نصیب والوں کو ملتے ہیں اور یہ دوست بڑے پیارے ہوتے ہیں" ان کو اس طرح کی" حرکتیں کرتا دیکھ زینب نے مسکراتے ہوئے سوچا اور یہ پہلی مسکراہٹ تھی آج کے دن کی جو بناوٹی نہیں تھی۔

وہ بلیک ٹائیلس اور براؤن شارٹ شرٹ میں ملبوز تھی شانوں پے اس کے لئیر ز میں کٹے بال جو مصنوئی رنگ سے رنگے تھے بکھرے ہوئے تھے ڈارک بھوری آنکھیں کھڑی ناک سفید رنگت دراز قد اس کا شمار حسیناؤں میں ہوتا تھا۔

وہ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھی ایک کاغذ پر کوئی تحریر لکھ رہی اور اس سارے عمل میں مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا ہوا تھا پین کو پین باکس میں رکھ کے اس نے اس تحریر پر نظر ڈالی اور پروف ریڈنگ شروع کی۔

ڈئیر حیدر"

میں تم سے کچھ کہنا چاہتی تھی سوچا سامنے سے بات کروں گی تو تم پھر غصّہ ہو جاؤ گے بائے داوے تم پر غصّے جچتا بھی بہت ہے جب یونیورسٹی میں اپنی لینڈ کُرُسر میں داخل ہوتے ہو تو کسی ریاست کے شہزادے سے کم نہیں لگتے۔۔۔۔مجھے یہ کہنا تھا جب تم مجھ سے ایسے روڈلی اور حارشلی بات کرتے ہو تو مجھے بلکل اچھا نہیں لگتا اور میں بھی جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتی ہوں حلانا کہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہوتا بھلا کوئی لڑکی تم سے بھی بے نیاز ہو سکتی ہے میں تو تمہیں بہت چاہتی ہوں پر کیا کروں تم ایسی باتیں کرتے ہو تو مجھے بھی غصّہ آجاتا ہے میں بھی غصّے میں تم پر ہی گئی ہوں۔۔۔کب اس تکرار میں تم سے پیار ہو گیا پتا ہی نہیں چلا۔۔۔میں تمہاری طرف دوستی۔۔۔۔نہیں مطلب محبّت کا ہاتھ بڑھا رہی ہوں امید کرتی ہوں تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔۔۔تمہارے ساتھ زندگی شہزادیوں جیسی ہو گی۔

تمہاری زینب والیو اللہ

خط پڑھ کے وہ ایک بار قہقہ مار کے ہنسی اور سوچا۔

"زینب والیو اللہ تیار ہو جاؤ کیوں کہ اب جو ہو گا وہ بہت برا ہو گا تمہارے لئے۔۔۔۔۔۔۔لائبہ ظفر اپنے دشمنوں کو معاف نہیں کیا کرتی تمہیں ہرانے کے لیے میری ایک چال ہی بہت ہے اور یہ دعوا ہے میرا تم یہ دن کبھی نہیں بھول پاؤ گی۔۔۔۔حیدر سے وہ بھی اظہار محبّت" آخری فقرہ کہہ کے وہ استہزیہ ہنسی۔

بس مجھے ڈر ہے کہیں وہ تمہاری جان ہی نا لے لے" اس نے ڈرامائی انداز میں ڈرتے ہوئے کہا اور ایک" بار پھر قہقہ لگایا۔

امی رانی آپی آ گئیں" بلال لاؤنج میں بیٹھا ٹی۔وی دیکھ رہا تھا جب ہی داخلی دروازے سے رانیہ کو اندر" آتا دیکھا تو آواز لگا کے نیلم بیگم کو بتایا جو کچن میں کام کر رہیں تھیں۔

رانیہ نے بلال کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

نیلم بیگم جھٹ سے کچن سے برامد ہوئیں ان کے دائیں ہاتھ میں چھری تھی شاید وہ کوئی اشیاء کاٹ رہیں تھی اپنا بایاں ہاتھ کمر پر رکھے کھوجتی ہوئی نظروں سے رانیہ کو دیکھا اور پوچھا۔

"کہاں تھیں تم"

بھائی نے بتایا نہیں آپ کو" رانیہ نے اپنا بیگ صوفے پر رکھا اور خود بھی وہیں بیٹھ گئی وہ جانتی تھی اب" جب تک نیلم بیگم کی انویسٹیگیشن مکمل نہیں ہو جاتی وہ اسے یہاں سے ہلنے بھی نہیں دیں گی۔

میں تم سے جتنا پوچھ رہی ہوں اتنا بتاؤ" نیلم بیگم نے اپنے سابقہ لہجے میں ہی کہا۔"

امی دوست کے ساتھ تھی" رانیہ نے تھکان زدہ لہجے میں سر صوفے کی پشت پر گرایا اور آنکھیں" موندھے جواب دیا۔

کس دوست کے ساتھ "ایک اور سوال داغا گیا۔"

نور کے ساتھ اور کس کے ساتھ "رانیہ نے سر سیدھا کر کہ آدھا سچ بولا۔"

تم جھوٹ بول رہی ہو؟" نیلم بیگم نے خشمگیں نظروں سے دیکھ کے پوچھا۔"

امی قسم اس کے سر کی "رانیہ نے آگے ہو کے بلال کے سر پر ہاتھ رکھا۔"

آپی مجھے کیوں بھری جوانی میں مار ڈالنا چاہتی ہیں آپ "بلال نے رانیہ کا ہاتھ اپنے سر سے ہٹا کے" سرگوشی کی۔

اہاں بھری جوانی۔۔۔بچے پہلے بڑے تو ہو جاؤ اور ویسے بھی آگ کس نے لگائی تھی "رانیہ نے" مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے کب آگ لگائی میں نے تو بس آپ کے آنے کی اطلاع دی تھی "بلال نے اپنی صفائی دی۔"

اطلاع کے بچے "رانیہ نے اسے پیٹھ میں کونی مار کے کہا۔"

پاگل سمجھ ہوا ہے کیا مجھے یہ کیا سرگوشیوں میں باتیں ہو رہیں ہیں "نیلم بیگم نے غصّے سے کہا۔"

امی کچھ بھی تو نہیں "رانیہ نے جھٹ سے کہا۔"

دیکھو رانیہ میں بتا رہی ہوں اگر تم نے اس لڑکی سے دوبارہ کوئی رابطہ کیا تو اچھا نہیں ہو گا۔۔۔۔دوستی کرنی ہے تم اپنا اسٹینڈرڈ اور سٹیٹس دیکھ کے کرو ایسے ہی کسی بھی راہ چلتے کو دوست مت بنا لیا کرو" نیلم بیگم نے ہاتھ میں تھمی چُھری کو خوب ہلا جُھلا کے رانیہ سے کہا۔

امی میں نور کے ساتھ تھی اور میری ٹینشن لینا چھوڑ دیں آپ۔۔۔اب میرے دوست ایسے ہوتے ہیں" جو پوری یونیورسٹی میں سب سے قابل اور مشہور ہوتے ہیں جن کے آگے پیچھے ہر کوئی گھومتا ہے جن کے ساتھ کام کرنے کے لئے بڑی بڑی کمپنیز مری جا رہیں ہیں" رانیہ نے نیلم بیگم کے پاس آ کے انکا ہاتھ تھام کے ان سے ڈھکے چھپے لفظوں میں زینب کی ہی بات کی جس پر دور بیٹھا بلال اپنی ہنسی ضبط کر رہا تھا۔

اب کچھ کھلا دیں بھوک لگ رہی ہے" رانیہ نے لاڈ سے کہا۔"

نیلم بیگم کتنی بھی سٹیٹس کونشئیس کیوں نہ ہو جاتی ان کے بچے کھانا انہی کے ہاتھ کا کھاتے تھے اور کچھ نیلم بیگم کو کھانے پکانے کا شوق بھی تھا تو انہیں کوئی زیادہ مسلہ نہیں ہوتا تھا۔

لاتی ہوں" نیلم بیگم کہہ کے کچن میں چلیں گئیں تو رانیہ نے بلال کے سامنے والے صوفے پے بیٹھ کے " کوشن اٹھایا اور اس کے منہ پر مارا۔

"چھوٹو کبھی اپنا یہ سڑا ہوا منہ بند بھی کر لیا کرو"

آپی آپ زینی آپی سے مل کر آئیں ہیں نا" بلال نے اس کے پاس آ کر اشتیاق سے پوچھا۔"

رانیہ نے پہلے غصّے سے اس کی طرف دیکھا بلال کے چہرے پر خوشی دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

آئی نیو اِٹ" بلال نے خوشی سے کہا۔"

لیکن آپ مجھے نہیں لے کر گئیں" اگلے ہی پل وہ اداسی سے بولا۔"

ارے چھوٹو تم اداس کیوں ہوتے ہو میرا پلان اچانک بنا تھا لیکن آئندہ ضرور لے کر جاؤں گی" رانیہ نے اس کے گرد اپنا بازو پھیلا کے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

پرومس" بلال نے اپنی ہتھیلی آگے کی۔"

پرومس" رانیہ نے اس کی ہتھیلی تھام کے کہا۔"

ویسے مجھے بہت ساری چاکلیٹس دیں ہیں زینی نے" رانیہ نے کھڑے ہو کے کہا۔"

آپ کو نہیں مجھے دیں ہیں میری چاکلیٹس دیں مجھے آپی" بلال نے ضدی لہجے میں کہا۔"

ابھی موڈ نہیں ہے" رانیہ یہ کہہ کے آگے قدم بڑھنے لگی کہ بلال نے اس کے سامنے کھڑے ہو کے" کہا۔

آپی میں نے امی کو بتا دینا ہے ورنہ" بلال نے دھمکی دی۔"

شوق سے بتاؤ" رانیہ نے اسے ایک سائیڈ میں کر کے کہا۔"

آپی" بلال نے صدمے سے پکارا۔"

نکل گئی جان" رانیہ کھکھلا کر ہنسی اور بیگ سے چاکلیٹس نکال کے اس کے آگے بڑھا دیں۔"

زینی آپی میں اور زینی آپی کی دی ہر چیز میں میری جان بستی ہے میں ان سے بہت پیار کرتا ہوں آپ" سے بھی زیادہ" بلال نے چاکلیٹس رانیہ کے ہاتھ سے لیں پیچھے کی طرف قدم بڑھائے اور آخری فقرے میں اس نے شرارت کی۔

چھوٹو۔۔۔" رانیہ نے چھوٹو کو کافی کھینچ کے کہا اور ایک قدم آگے بڑھی ہی تھی کے اگلے ہی پل وہ" وہاں سے بھاگ گیا رانیہ سر جھٹک کے مسکرائی اور اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔

احمر آفس سے آیا تھا وہ پڑھائی کے ساتھ کچھ ٹائم جاب بھی کرتا تھا۔ اس نے اپنے کمرے میں آ کے بیگ بیڈ پر رکھا خود بھی بیٹ پر بیٹھا اور اپنے جوتے اترنے لگا جوتے اتار کے شو شیلف میں رکھے اور پھر بیگ اٹھا کے سامنے رکھی اسٹڈی ٹیبل پر رکھا۔

اس نے وڈروپ سے اپنی ایک بلیو جینس اور وائٹ شرٹ نکالی اور واشروم میں چلا گیا اس سارے عمل میں اس کے ذہن سے حیدر اور زینب نہیں نکلے تھے۔

وہ واشروم سے نکلا تو گردن کے گرد حائل ٹاول سے اپنے بال خشک کر رہا تھا سفید شرٹ باہر تھی اور پھر وہ آ کے کمرے میں دائیں جانب رکھی ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا ہو گیا۔اس کے کالے بال پیشانی پر پھیلے تھے اس کی نظر جب اپنی ہری آنکھوں پر پڑی تو ایک چہرہ منظر پر آیا اور پھر اس سے جڑی ہر یاد ہر لمحہ ذہن کی سکرین پر چلنے لگا۔

وہ پہلی ملاقات میں اس کا اعتماد سے بات کرنا

وہ اس کے بعد ہر ملاقات میں اس سے بھاگ جانا

وہ اس کا القابات سے نوازنا

وہ اس پر اٹھی نگاہ کو ضائع کرنے کر دینے کی خواہش کرنا

وہ اس کا ڈرنا

وہ اس کے ہنسی سے سرخ چہرے کو دیکھنا

وہ اس کی آنکھوں میں موتی کے قطرے دیکھنا

تو مس رانیہ آپ نے ان ہری آنکھوں میں بسنے کی جسارت بھی کر لی ہے۔۔۔۔اور اس دل کی ہر" دھڑکن آپ کی اس جسارت پر لبیک کہہ رہی ہے" وہ سوچتے ساتھ ہی دلکشی سے مسکرایا تھا اور بال سیٹ کرنے لگا اس پورے عمل میں مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا ہوا تھا۔

یہ آئے دن کی بات ہوگئی تھی مشکل ہی سے کوئی ایسا دن گزرتا ہو گا جس میں یہ دونوں نا لڑتے ہوں کتنی ہی بار انہیں مختلف اسٹاف ممبرز سمجھا چکے تھے لیکن وہ اس وقت بچے بنے ہوئے تھے جو کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتے تھے انہیں وہی کرنا تھا جو وہ چاہتے تھے اور وہ وہی کر بھی رہے تھے لیکن جو کچھ کینٹین میں ہوا اس نے یونیورسٹی کے سارے سٹاف ہو ہلا کر رکھ دیا تھا۔یونیورسٹی کی انتظامیہ کو اس مسلئے کا کوئی حل نظر نہیں آرہا تھا ایسی صورتحال میں عموماً اسٹوڈنٹس کو اکسپیل کر دیا جاتا ہے مگر وہ یہ نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ یونیورسٹی انہیں پریزنٹ نہیں کرتی تھی وہ یونیورسٹی کو پریزنٹ کرتے تھے۔

لائبہ حیدر کا تعاقب کر رہی تھی صبح سے اسے ایک موقعے کی تلاش تھی جو مل ہی نہیں رہا تھا ابھی بھی وہ حیدر کے پیچھے ہی تھی جو لائبریری میں شاید کسی کتاب کی تلاش میں آیا تھا حیدر کے ہاتھ میں ایک کتاب اور موجود تھی اور اسے اپنی مطلوبہ کتاب مل گئی تھی ویسے تو حیدر دراز قد کا مالک تھا لیکن وہ کتاب کافی اوپر کے پورشن میں تھی۔لائبہ کو موقع مل گیا تھا اور اب اسے اس سے فائدہ اٹھانا تھا۔

ہائے حیدر" لائبہ نے دل کشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔"

حیدر نے اس پر ایک بیزار سی نظر ڈالی اور لائبریری میں موجود سٹول کو اپنی مطلوبہ کتاب کے ریگ کے پاس رکھا۔

حیدر نے اپنی ہاتھ میں تھمی کتاب کو دیکھا اور اسے رکھنے کی جگہ ابھی وہ ڈھونڈھ ہی رہا تھا کہ لائبہ جھٹ سے بولی۔

اف یو ڈونٹ مائنڈ میں پکڑ لیتی ہو "لائبہ نے اپنی خدمات فراہم کرنی چاہی۔"

حیدر نے اس پے ایک ناگوار نظر ڈال کے کتاب بک شیلف پر رکھ دی اور خود سٹول پر چڑھ گیا۔یہی موقع تھا لائبہ کے پاس اس نے اپنی پینٹ کی جیب سے لفافہ نکالا اور جلدی سے حیدر کی کتاب میں رکھ دیا۔

حیدر نیچے اترا تو اس نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور کہا۔

"بائے۔۔۔پھر ملیں گے"

حیدر نے کچھ سوچنا چاہا لیکن سر جھٹک دیا کیوں کہ ایسا اکثر ہی ہوتا تھا وہ ہمیشہ حیدر کے اگنور کرنے کے باوجود بھی اس سے ہیلّو ہائے ضرور کرتی تھی۔

یہ سب ہی کوریڈور سے گزر رہے تھے کلاس تھوڑی دیر پہلے ہی آف ہوئی تھی۔ احمر کی ہری آنکھوں میں صبح سے ہی بے چینی تھی نظریں نا جانے کسے ڈھونڈ رہیں تھیں وہ اپنی بے چینی کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بری طرح ناکام ہو رہا تھا کیوں کہ کوئی اس کی حالت سے آشنا ہو تا نہ ہو تا لیکن علی احمد ہر کسی کی ہی سوچ پڑھنا جانتا تھا اور وہ پڑھ چکا تھا۔

احمر عزیزہ کہاں ہے؟" علی نے احمر کے کندھے پے بازو پھیلا کے پوچھا۔"

کون عزیزہ" احمر نے مصروف سے انداز میں پوچھا۔"

لو دیکھ لو یہ ہیں آج کل کے نوجوان۔۔۔ کل تک جو انہیں عزیز تھی۔۔۔۔۔۔ کل تک جو انکی عزت تھی" آج اسے ہی بھلائے بیٹھے ہیں" علی نے ہاتھ ہلا ہلا کے بڑھے بوڑھوں کے انداز میں حاشر کو ایک اہم اطلاع دی۔

احمر کی کھوجتی ہوئی آنکھوں نے یک دم ہی علی کو فوکس کیا تھا اور حاشر اس ساری صورتحال سے کافی محظوظ ہو رہا تھا۔

علی ڈونٹ" احمر علی کی بات سمجھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا"

اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ چینج دی ٹوپک۔۔۔۔ مجھے یہ سوال تو سمجھا دو ذرا میرے سر سے گزر گیا ہے بلکل" سمجھ ہی نہیں آئی سر کیا سمجھا رہے تھے" علی نے نوٹ بک احمر کے سامنے کر کے التجائی لہجے میں کہا۔

وہ دیکھ چکا تھا کہ آج احمر کا دیہان کہیں اور ہی پرواز کر رہا تھا اسی لیے جان بوجھ کر پوچھا۔

میرے بھی نہیں آئی" احمر نے ایک نظر ڈال کے کہا۔"

یہ میں کیا سن رہا ہوں احمر وقار کو کوئی چیز سمجھ نہیں آئی" علی نے بھرپور شاک ہونے کی اداکاری کر کہ "

کہا۔

احمر نے اس کی کسی بات کا اثر نہیں لیا تو علی نے حاشر کو بیچ میں گھسیٹا۔

دیکھ لیا دوست میں نہیں کہتا تھا یونیورسٹی کا یہ آخری سال کافی رنگین ہونے والا ہے لیکن اب لگتا ہے "

" کے رنگین ترین ہونے والا ہے

رنگین کا تم بتا چکے ہو رنگین ترین سے کیا مراد ہے" حاشر نے اطمینان سے پوچھا۔"

اب تم خود ہی دیکھ لو ہمارا ایک دوست لڑکی سے لڑ رہا ہے تو دوسرا لڑکی کے لیے لڑ رہا ہے" علی نے "کے

لئے" پر خاصا زور دے کے کہا۔

علی منہ بندھ رکھو اپنا" احمر نے چبا چبا کر کہا۔"

احمر وقار کو چھ سال میں پہلی بار ایک سوال سمجھ نہیں آیا۔۔تت۔۔۔تت۔۔۔۔۔تمہاری "

حالت پر ایک شعر یاد آیا ہے" علی نے احمر کے کندھے پے کونی جمائے شرارت سے کہا۔

علی۔۔۔۔نہیں" احمر نے وارن کیا۔"

ارشاد۔۔۔ارشاد" حاشر نے بھی احمر کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے علی کا ساتھ دیا اور اپنا ہاتھ جھلا" کے کہا۔

تو عرض کیا ہے" علی نے گلہ کھنکار کے کہنا شروع کیا۔"

علی۔۔۔خبر دار" احمر نے ایک بار پھر وارن کیا اور وہ علی احمد ہی کہا جو کسی کی دھمکیاں سن لے۔"

عشق نے غالب نکما کر دیا"

"ورنہ یہ بھی آدمی تھے کام کے

علی نے انگلی احمر کی طرف کر کے ایک ادا سے شعر پڑھا۔

علی۔۔ی ی ی" احمر نے چیختے ساتھ ہی علی کے پیچھے دوڑ لگا دی تھی جو شعر کہتے ساتھ ہی بھاگ گیا تھا۔" بھاگتے بھاگتے علی کا تصادم کسی وجود کے ساتھ ہوا اور وہ دونوں ہی زمین پر ڈھ گئے۔۔۔۔سامنے والے کی کتابیں زمین بوز ہو چکیں تھیں۔

حاشر نے ہاتھ بڑھا کر حیدر کو کھڑے ہونے میں مدد دی حیدر نے علی کو خون خوار نظروں سے گھورا اور اپنے کپڑے جھاڑ کر کھڑا ہو گیا تو دوسری طرف احمر نے علی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور تھامنے کے ساتھ ہی چھوڑ دیا جس سے علی ایک بار پھر زمین پر گر گیا اور احمر مسکراتے ہوئے حیدر اور حاشر کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

علی کپڑے جھاڑ کر کھڑا ہوا تو اس کی نظر زمین پر پڑے ایک لفافے پر پڑی علی نے جھک کے اسے اٹھایا یہ ایک ہلکے گلابی رنگ کا لفافہ تھا جس کے ایک طرف خوبصورت لکھائی میں مسٹر حیدر عبّاس لکھا تھا۔

علی نے پہلے سوچا کے یہ کس نے حیدر کو دیا ہو گا اور پھر کندھے اچکا کے حیدر کے پیچھے دوڑ لگا دی جو کافی آگے نکل گئے تھے۔

حیدر یہ تمہارا خط" علی نے وہ گلابی لفافہ مسکراتی ہوئی نظروں کے ساتھ حیدر کے آگے بڑھایا۔"

حاشر اور احمر نے ایک نظر اس لفافے پر ڈالی اور دوسری حیدر پر جو کہہ رہا تھا۔

یہ میرا نہیں ہے" حیدر نے عام سے انداز میں کہا۔"

لیکن اس پر نام تو تمہارا ہی لکھا ہے" علی نے حیدر کو اب وہ تحریر دکھائی۔"

حیدر نے اب کی بار اپنا نام لکھا دیکھا تو اس کے نفوس تن گئے اس نے لفافہ تھام لیا اور اسے کھول کے پڑھنے لگا جیسے جیسے وہ پڑھ رہا تھا اس کے نفوس اور بیگڑ رہے تھے چہرے پے بلا کی سختی در آئی تھی وہ تینوں اس پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔

خط پڑھنے کے بعد حیدر نے اس کو سختی سے اپنی مٹھی میں بھینچ لیا اور لمبے لمبے ڈگ بڑھتا آگے نکل گیا اور وہ سب اسے روکتے ہی رہ گئے۔

آج ان کی ایک کلاس کینسل ہوگئی تھی اور موسم بھی کافی اچھا تھا صبح سے ہی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں نیلے آسمان کی چادر سفید بادلوں سے چھپی ہوئی تھی یہ تینوں ہی موسم کا لطف لینے کے لیے باہر گراؤنڈ میں ایک منڈیر پر بیٹھی ٹھنڈی ٹھنڈی آئس کریم کھا رہی تھیں اور موسم سے خوب انصاف کر رہیں تھیں۔

اچانک ہی حیدر ان تینوں کے سامنے کھڑا تھا جو حد سے زیادہ غصّے میں لگ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر اتنا غصّہ دیکھ رانیہ اور نور ڈر گئیں تھیں لیکن زینب بڑے ہی نیڈر انداز میں منڈیر سے اتری اور اس کے سامنے کھڑے ہوگئی اور نور اور رانیہ بھی منڈیر سے اتر کر اس سے تھوڑے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ حیدر نے ایک جھٹکے سے زینب کے منہ پر وہ خط مارا تھا اور یوں مانو زینب کے جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر آ گیا تھا۔

رانیہ اور نور کو حیدر کی اس حرکت پر شدید غصّہ آیا ان دونوں نے ہی ابھی ایک قدم ہی بڑھایا تھا جب نظر زینب پر پڑی زینب کی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ وہ ایک قدم بھی اور آگے نا جا سکیں۔

"یہ کیا بکواس لکھی ہے تم نے اس میں۔۔۔ تمہاری ہمّت بھی کیسے ہوئی اتنی تھرڈ کلاس حرکت کرنے کی۔۔۔ اوہ میں بھی کس سے کہہ رہا ہوں تم سے۔۔۔ تم سے تو اسی سب کی توقع کی جا سکتی ہے آخر تم جیسی لڑکیوں کا کام ہی یہ ہے اچھے امیر گھر کے لڑکوں کو اپنے جال میں پھنسنا انہیں اس طرح کے الفاظ

کہہ کے اور لکھ کر رجھانا اور ان کے ساتھ شہزادیوں جیسی زندگی گزارنے کا تصور کرنا۔۔۔۔ لیکن مس زینب میں کوئی بھی لڑکا نہیں ہوں میں حیدر عبّاس ہوں جو تمہاری کسی بھی چال میں نہیں آئے گا اور میرے ساتھ کا تصور بھی اپنے ذہن سے نکل دو تم دنیا کی آخری لڑکی ہوئیں تب بھی میرے لئے حرام ہی ہو گی۔۔۔۔ میں جانتا ہوں یہ سب کس لئے کیا ہے تم نے۔۔۔۔۔۔ تم جیسی لڑکیاں کس لیے کرتیں ہیں یہ سب صرف دولت کے لئے۔۔۔۔ صرف اس کے لیے" حیدر نے اپنے والٹ سے پیسے نکل اس کے سامنے لہراتے ہوئے کہا اور یک دم ہی وہ تمام نوٹ بھی زینب کے منہ پر مار دیے۔

زینب کے ہونٹ سختی سے بینچے ہوئے تھے اس نے اس سب منظر کو بغیر پلکیں جھپکائے دیکھا تھا جانے وہ خود کو کیوں آزما رہی تھی۔

نور زینب کا دایاں جب کے رانیہ نے زینب کا بایاں ہاتھ پکڑ رکھا تھا کہ جیسے وہ اسے بتانا چھاتیں تھیں کہ وہ اس کے ساتھ ہیں کوئی ساتھ ہو یا نا ہو اور وہ ایک مضبوط دیوار بنی ان دونوں کے آگے کھڑی تھی۔ حیدر کا غصّہ آج پوری یونیورسٹی دیکھ رہی تھی اور احمر علی اور حاشر بھی کھڑے پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب سن رہے تھے اور پھر حیدر کے اس عمل سے یہ تینوں ہی اسے روکنے کے لئے آگے بڑھے تھے لیکن ان

کے قدم رک گئے وہ اب زینب کو عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے جو زمین پر اوڑ ھتے بکھرتے نوٹوں کو جھک کے چن رہی۔

اور حیدر کی زبان کو بریک لگا اور ساتھ ہی زینب کی دماغی حالت پر شبہ بھی ہوا وہ لڑکی کیا پاگل تھی جو اتنی ذلت کے بعد بھی ان نوٹوں کو جمع کر رہی تھی۔

زینی کیا کر رہی ہو چھوڑو اسے "رانیہ نے تڑپ کے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور ساتھ ہی ان نوٹوں کو" واپس پھینکنا چاہا لیکن جیسے زینب کو تو شاید آواز ہی نہیں آرہی تھی۔

زینی پلیز ایسے مت کرو۔۔۔ پلیز زینی "اب کے نور نے زینب سے کہا اور نتیجہ وہی تھا۔"

وہ دونوں ہی اس کی منتیں کرتی رہیں لیکن زینب نے ایک نا سنی۔ جب زینب نے سارے نوٹ جمع کر لئے تو وہ حیدر کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

یہ نوٹ تم نے اس طرح مجھ پے پھینک کر اپنی نظر میں ان کی قیمت بتائی ہے "آج بھی اس نے اپنا سارا" درد اپنی ساری بے سکونی کو اپنے اندر اتارا اور بظاہر سکون واطمینان سے بولی لیکن آنکھوں میں چھایا قرب کا سایہ اور غصّے سے سرخ ہوتا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ ضبط کے کٹھن مراحل سے گزر رہی تھی۔

زینب نے پھر بولنا شروع کیا۔

اب میں تمہیں اپنی نظر میں ان کی قیمت بتاتی ہوں" پھر زینب نے ان تمام نوٹوں کو حیدر کی آنکھوں کے سامنے پھاڑا اور اس کے منہ پر اسی کے انداز میں مارا۔

حیدر غصّے سے اس کی اور بڑھا اس سے پہلے وہ کوئی غلط قدم اٹھاتا اس کا ارادہ بھانپ کے علی اور حاشر نے اسے کندھے سے پکڑا اور احمر اس کے آگے آگیا۔

حیدر۔۔۔۔"احمر نے سمجھانا چاہا تبھی زینب نے کہا۔"

اپنی دولت کا زوم کم از کم تم مجھے مت دکھانا اور جہاں تک رہی تمہارے ساتھ کی بات تو تم دنیا کے " آخری مرد ہی کیوں نا ہوئے زینب والیو اللہ تم پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گی"زینب نے سارا حساب برابر کیا تھا۔

جدا ہوئے راستے

تجھ سے ہے جُدا اب میرے راستے

مل جائیں اگر تو رکھنا فاصلے

یہ سب ڈین کے آفس کے باہر کچھ فاصلے پر کھڑے زینب اور حیدر کے باہر آنے کا انتظار کر رہے تھے جنہیں کچھ دیر پہلے ہی سر رضا یہاں لے کر آئے تھے۔

یہ عمارت قدیم طرز پر بنی تھی داخلی دروازہ محراب کی صورت میں بنا تھا اور دیواریں لال اینٹوں سے بنی تھی اور ساتھ ہی رہداری کے دائیں اور بائیں جانب سیمنٹ کی لال ہی رنگ کی بنچیز بھی بنی تھیں۔

رانیہ کے آنسوں تھے یا کوئی سیلاب تھا جو روکنے کا نام نہیں لے رہا تھا اور احمر کی حالت ایسی تھی کے رانیہ اگر کچھ دیر اور روتی تو یا تو وہ تھپڑ لگا دیتا یا خود بھی رونا شروع کر دیتا۔ نور رانیہ کو چپ کرانے کی اپنی سی کوشش کر رہی تھی لیکن رانیہ نے تو شاید نا چپ ہونے کی قسم کھا رکھی تھی۔

نور احمر کے اشارے پہ اٹھی اور علی اور حاشر کے ساتھ جا کھڑی کوئی۔

احمر نے رانیہ سے کچھ فاصلے پر بیٹھ کر اس کی جانب پانی کی بوتل بڑھائی۔

رانیہ پلیز چپ ہو جائیں اور پانی پیئیں شاباش" احمر نے رانیہ کو بچوں کی طرح بہلایا۔"

اندر کیا ہو رہا ہو گا" نور نے پریشانی سے علی سے پوچھا۔"

کم سے کم ڈانٹ رہے ہوں گے دونوں کو" علی نے سکون سے بتایا۔"

اور زیادہ سے زیادہ" نور نے ڈرتے ڈرتے ایک بار پھر پوچھا۔"

زیادہ سے زیادہ اکسپیل کر رہے ہوں گے" علی کا اطمینان برقرار تھا۔"

کیا!!!" نور نے حیرت سے کہا۔"

علی نے اشتبات میں سر ہلایا۔

اور یہ سن کر رانیہ کے آنسوؤں میں اور روانی آگئی

جس پر احمر نے سامنے دیکھ کر علی سے کہا۔

"تم چپ نہیں ہو سکتے"

میرے چپ ہونے سے کیا ہوتا ہے جنہیں چپ ہونا چاہیے تھا وہ تو ہوئے نہیں" علی نے لاپرواہی سے "

کہا۔

ہاں دونوں میں سے اگر کوئی ایک چپ ہو جاتا تو بات اتنی نہ بڑھتی "احمر نے زندگی میں پہلی بار علی سے "

متفق ہو کے کہا یہ جانے بغیر کے یہ اسے کتنا بھاری پڑنے والا تھا۔

کیا مطلب ہے آپ کے کہنے کا۔۔۔۔زینی کو چپ ہو جانا چاہیے تھا مطلب ہر دفع لڑکی ہی چپ ہو اور "

بات زینی نے نہیں آپ کے عظیم دوست نے بڑھائی ہے "احمر کی بات پر رانیہ کو غصّہ ہی چڑھ گیا تھا اپنے

آنسوؤں کو بالائے طاق رکھ کے کھڑی ہوئی اور کہا۔

میرا وہ مطلب نہیں تھا" احمر نے صفائی دینی چاہی۔ "

اب آپ یہ بھی کہہ دیں کہ یہ مطلب بھی میں نے خود ہی اخذ کر لیا ہے۔۔۔۔اور آپ خود بتائیں اگر "

میں آپ کی اتنی تذلیل کروں آپ کے منہ پر پیسے ماروں وہ بھی اتنے مجمعے میں تو آپ کو کیسا لگے گا" رانیہ

کی دوست زینی پر بات آئی تھی وہ کہاں چپ ہونے والی تھی۔

علی ان دونوں کی لڑائی دیکھ اپنی ہنسی دبا رہا تھا اور رانیہ کی پیسے منہ پر مرنے والی بات پر علی نے حاشر کے کان کی اُور جھک کے کہا۔

"اس پر اب یہ اینٹ بھی مارے گی تو یہ خوشی خوشی کھا لے گا"

علی کی بات پر اتنی ٹینشن ہونے کے باوجود حاشر بھی مسکرا دیا۔

یو نو واٹ۔۔۔ آپ بھی اپنے دوست ہی کی طرح ہیں بد تمیز بد اخلاق بد لحاظ۔۔۔ آپ چاہتے تو ان کو روک سکتے تھے لیکن آپ نے نہیں روکا" رانیہ بات کو حیدر سے احمر پر لے آئی تھی۔

تو آپ روک لیتیں زینب کو" احمر کو اپنی شان میں یہ خوبیاں بلکل نہیں بھائیں تھیں اسی لئے کہا۔"

میں کیوں روکتی۔۔۔۔۔۔ زینی نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا اور آپ کا دوست یہی ڈیزرو کرتا ہے" رانیہ" نے غصّے سے کہا۔

کیا ہو گیا ہے رانی ابھی ان دونوں کی لڑائیاں ختم نہیں ہو رہیں یہاں آپ دونوں نے لڑنا شروع کر دیا" ہے" نور نے رانیہ سے کہا۔

رانیہ خفگی سے نور کا ہاتھ پکڑ کر محراب کے قریب دائیں جانب کھڑی ہو گئی جب کے احمر علی اور حاشر کے ساتھ بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔

احمر کا موڈ اتنی سننے کے بعد خراب ہو گیا تھا اس نے ہاتھ میں پکڑی بوتل سے پانی کے چند گھونٹ پیئے۔

حیدر نے تیری بنی بنائی لائن خراب کر دی" علی نے بمشکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے رانیہ پر چوٹ کر کے کہا۔

کمینے یہ سب تیری وجہ سے ہوا ہے" احمر نے کہا اور ہاتھ میں پکڑی بوتل جس پر کیپ موجود نہیں تھا" کھینچ کے علی پر پھیکی پر افسوس اس کی زرد میں حاشر آ گیا کیوں کہ علی احمر کا ارادہ بھانپ کر سامنے سے ہٹ گیا تھا اور اب حاشر کے پانی سے بھیگے چہرے کو دیکھ کر اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی امڈ آنے والی ہنسی کو روکنے کے چکر میں لالم لال ہو رہا تھا کیوں کہ حاشر کے آگے کے سارے بالوں نے اس کی آنکھوں کو ڈھانپ دیا تھا۔

حاشر نے اپنے بال پیچھے کئے ٹھنڈا اٹھنڈا پانی گندمی چہرے پر پڑنے کی وجہ سے اب سرخ ہو رہا تھا۔ حاشر نے غصّے سے ہونٹ بھینچے اور علی کی طرف دیکھا۔ علی نے فوراً کہا۔

میں نے تو کچھ نہیں کیا پانی اس نے پھیکا ہے" علی نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور احمر پر سارا الزام ڈالا۔"

حاشر نے مستقبل میں بدلا لینا کا تہیہ کیا اور اپنے گیلے بالوں کو ہاتھوں سے ہی سیٹ کرنے لگا۔

ج-------------------------------------

ب سر رضا اور یونیورسٹی کا باقی اسٹاف گراؤنڈ میں آیا تو کچھ مناظر وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے ان دونوں کو اپنے ساتھ لا کے ڈین کے آفس میں بیٹھایا جو غصّے سے لب بھینچے ان کے سامنے والی کرسی پر

بیٹھے تھے اور انہیں دیکھ رہے تھے جواب ایسے بیٹھے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نا ہو ان دونوں نے ہی اپنے اوپر قابو پا لیا تھا۔

آپ دونوں نے یہ سب کیا لگا رکھا ہے اتنی بڑی یونیورسٹی کا حصّہ ہو کر آپ اس طرح سے بی ہیو کر رہے" ہیں آپ بچے نہیں ہیں کے ہم آپ کو پکڑ پکڑ کر سمجھائیں گے اور نا یہ ہماری زمیداری ہے کے ہم آپ کو آپ کی ایج کے اس حصّے میں مینرز سیکھائیں گے۔۔۔ آپ ماشاءاللہ بیچھلر اور ماسٹر کے بہت ہی قابل سٹوڈنٹس ہیں۔۔۔ لیکن مجھے لگتا ہے آپ اپنی قابلیت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں ہمیں آپ کی قابلیت کا جتنا لحاظ کرنا تھا ہم کر چکے ہیں اب اگر آپ دونوں کا روائیہ یہی رہا تو ہم وہی کریں گے جو ایک یونیورسٹی کو اس صورتحال میں کرنا چاہیے۔۔۔۔ میری طرف سے یہ پہلی وارننگ ہے آپ کو اور اسی کو ہی آخری بھی سمجھیں کیوں کہ اس کے بعد اگر آپ کو لڑنا مرنا ہو تو یونیورسٹی کے باہر یہ تماشے کیئے گا" ڈین جب بولیں پر آئے تو اپنے سخت لہجے میں بولتے چلے گئے۔

وہ دونوں بیٹھے چپ چاپ ان کی بات سن رہے تھے اور ان دونوں کے ہی ڈین کی بات سو فیصد میں سے جو سمجھ آئی تھی وہ صفر فیصد بھی نہیں تھی۔ ان کے دماغوں میں بس آج ہوا سب گردش کر رہا تھا اور وہ خود پر ضبط کیئے ڈین کو سن رہے تھے۔

امید کرتا ہوں بات سمجھ آگئی ہو گی اور اگر نہیں آئی تو میں صرف افسوس ہی کر سکتا ہوں۔۔۔۔اب "

آپ دونوں جاسکتے ہیں" ڈین نے ایک بار پھر کہا اور ساتھ ہی انہیں جانے کا حکم بھی سنایا۔

وہ دونوں ہی یک دم اٹھے تھے دروازے کی جانب بڑھے ایک پل کے لئے دونوں کی نظریں ٹکرائیں اور انکے نقوش ایک دوسرے کو دیکھتے ہی تن گئے تھے۔ پھر زینب نے دروازہ وا کیا اور باہر نکل گئی حیدر نے بھی غصّے سے دروازہ کھولا اور بے دیھانی میں دروازہ زور سے بند کیا۔

وہ دونوں کبھی ساتھ نہیں چل سکتے تھے دو قدم بھی نہیں حیدر نے جہاں اپنا رخ بائیں جانب کیا تھا وہیں زینب بھی دائیں جانب کی طرف بغیر پیچھے دیکھے آگے بڑھ گئی تھی اور ان دونوں کے ہی دوست ان کے پیچھے لپکے تھے۔

پیچھے سر رضا اور ڈین تاسف سے سر جھٹک کر رہ گئے کچھ دیر کے واقفے کے بعد ڈین نے گالا کھنکار کا کہنا شروع کیا۔

"ان دونوں کے والدین کو کال کر کے بولائیں ہمیں اب ان سے بات کرنی ہو گی"

سر زینب کے ایڈمشن فارم میں فادر کا نام موجود نہیں ہے البتہ گارڈین میں انہوں نے اپنا ہی نام لکھا ہے "

جب کے حیدر کے والد سے بات کی جاسکتی ہے" سر رضا نے انہیں تفصیل سے بتایا۔

آپ حیدر کے والد کو کال کر کے بلالیں۔۔۔اس مسلے کا اب ایک ہی حل ہے" ڈین نے پر سوچ انداز" میں کہا۔

وہ کیا سر" سر رضا نے پوچھا۔"

ان دونوں کا ایک ساتھ ایک ہی جگہ رہنا نہ ان کے کیریئر کے لئے ٹھیک ہے اور نہ ہی ہمارے" لئے۔۔۔فلحال یہی لگ رہا ہے کہ انہیں اپنے کیریئر عزیز نہیں ہیں لیکن ہم یونیورسٹی کی ساخت کو تباہ نہیں کر سکتے۔۔۔آپ اسٹار گروپ اوف انڈسٹریز سے آئی کنٹریکٹ فائل انہیں واپس بھیج دیں اور اپنی کچھ کنڈیشنز ان کے سامنے رکھیں۔۔۔مجھے پوری امید ہے کہ وہ ہماری کنڈیشنز کو قبول کر لیں گے" ڈین نے سر رضا کو ھدایت دیں۔

سر کیسی کنڈیشنز" سر رضا نے الجھ کے پوچھا۔"

یہی کہ وہ ہمارے سٹوڈنٹ کی آگے کی پڑھائی نہ صرف مکمل کرائیں گے بلکہ اس کا خرچہ بھی خود اٹھیں" گے اور ساتھ ہی ان کی رہائش کا اور ٹرانسپورٹ کا بندوبست بھی کریں گے" ڈین نے کنڈیشنز سر رضا کے سامنے رکھیں۔

اوکے سر میں حیدر کے والد اور اسٹار گروپ اوف انڈسٹریز سے بات کر کے آپ کو بتاتا ہوں" سر رضا" کہہ کر چلے گئے تھے۔

ملک کے نامور بزنس مین عباس صاحب سیاہ ٹو پیس سوٹ سیاہ ہی برانڈڈ جوتے ہاتھ میں مہنگی ترین ریسٹ واچ پہنے اپنی روعبدار پرسنلیٹی کے ساتھ اس وقت ڈین کے آفس میں بیٹھے تھے جنہیں ارجنٹ کال کر کے بلایا گیا تھا اور عبّاس صاحب اپنی ایک بہت اہم میٹنگ چھوڑ کے زندگی میں پہلی بار حیدر کی کسی شکایت کی وجہ سے آئے تھے انھیں جتنی حیرت ہو رہی تھی کم تھی کیوں کہ حیدر کبھی بھی کسی سے جھگڑا نہیں کرتا تھا اور نہ ہی اسے کسی کے معملات میں پڑنے میں دلچسپی تھی لیکن اب وہ یہ سب کر رہا تھا اور کیوں کر رہا تھا وہ اس سے لاعلم تھے۔

آپ کو سر رضا نے بتا تو دیا ہو گا معافی چاہتا ہوں آپ کو یہاں آنے کی تکلیف دی لیکن پانی سر سے اوپر "پہنچ جائے اس سے بہتر ہے ہم اس کا کوئی مناسب حل نکال لیں" ڈین نے عبّاس صاحب سے مصافحہ کے بعد کہنا شروع کیا۔

ہم نے یہ حل نکالا ہے کہ حیدر سے کنٹریکٹ جو کے اسٹار گروپ اوف انڈسٹریز سے آیا تھا ہمارے پاس" سائن کرا لیا جائے اس کی مدت دو سال ہے اور آپ بھی جانتے ہیں کہ یہ انڈسٹری برطانیہ میں ہے اور اپنا الگ مقام رکھتی ہے یہ کنٹریکٹ نہ صرف حیدر کے کیریئر کے لئے بہتر ہے بلکہ ہماری اور آپ کی ریپوٹیشن کو قائم رکھنے کا ایک بہترین طریقہ ہے کیوں یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ اگر حیدر کی حرکات کی

خبر میڈیا تک پہنچ گئی تو آپ کے بزنس کو بڑا نقصان ہو گا۔۔۔اور جہاں تک رہی حیدر کی پڑھائی کی بات تو میں انڈسٹری کے اونر سے بات کر چکا ہوں انہیں کوئی مسلہ نہیں ہے وہ حیدر کی پڑھائی وہاں مکمل کرا دیں گے اور یہ بات کنٹریکٹ میں بھی موجود ہے اس لئے آپ بے فکر ہو سکتے ہیں" ڈین نے اپنا بنایا سارا پلان ان کے گوش گزر دیا۔

ڈین نے عبّاس صاحب کو دیکھا جو کسی گہری سوچ میں غرق تھے اور ایک بار پھر کہا۔

یہ ہماری تجویز ہے اگر آپ کو مناسب نہیں لگتا تو بے شک نہ کریں لیکن پھر حیدر کی زمیداری آپ لیں" "کیوں کہ اب اگر کچھ ہوا تو مجبوراً ہمیں انہیں اکسپیل کرنا ہو گا

آپ کنٹریکٹ کی فائل مجھے دیں میں حیدر سے سائن کرا لوں گا" عبّاس صاحب نے ایک نتیجے پر پہنچتے" ہوئے مختصراً کہا۔

سر رضا نے ٹیبل پر رکھی فائل انہیں تھمادی اور وہ ایک بار پھر مصافحہ کر کے باہر نکل گئے۔

آج دل بہت اداس تھا اس کو سکون میسر نہیں آ رہا تھا والیولله کے پاس بھی ہو آئی تھی لیکن دل کی کفیت عجیب تھی۔

ابھی کچھ دیر پہلے اس نے مغرب کی نماز ادا کی تھی اور پھر قرآن کی تلاوت شروع کر دی تھی جب کہیں

کی کتاب کھول لیا کرتی اس پاک ذات سے ہم کلام ہوا کرتی اور کچھ سکون نہیں ملتا تو وہ یہی کرتی تھی اللہ

ہی دیر میں سکون کے حصار میں ہوتی تھی۔

"اور بیشک دلوں کا سکون قرآن میں ہے"

وہ محوِ تلاوت ہی رہتی اگر ڈور بیل نہ بجتی اس نے قرآن گلاس کی بنی ایک خوبصورت سی مگر چھوٹی سی

شیلف پر رکھا جائے نماز اٹھائی اور دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

پہلے چیک کیا کہ آیا کون آیا ہے اور سامنے کھڑے دو نفوس کو دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی اس نے فوراً ہی

دروازہ کھول دیا۔

رانیہ اور نور نے اندر داخل ہوتے ساتھ ہی اسے خود میں بھینچ لیا جیسے مہینوں بعد مل رہی ہوں وہ اس افتاد

کے لئے تیار نہیں تھی اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پائی اور زمین پر ڈھیر ہو گئی لیکن مجال ہے کے ان دونوں

نے اسے چھوڑ دیا ہو اس کے ساتھ ہی خود بھی زمین پر گر گئیں۔

کچھ دیر بعد بھی جب ان دونوں نے زینب کو نہ چھوڑا تو زینب کو بولنا ہی پڑا۔

"اب ہٹ بھی جاؤ کیا دم نکلو گی میرا"

دم نکل کر تو دیکھائے ہم دم کی دُم پکڑ کر واپس لے آئیں گے "رانیہ نے اپنی باہیں اس پر سے ہٹاتے "

فرضی دُم کھینچ کے کہا۔

اوہ مائی گاڈ۔۔۔دم کی دُم۔۔۔۔۔کہاں سے لاتی ہو تم ایسی باتیں"زینب نے ہنستے ہوئے کہا۔"

یہ سب اس کے خرافاتی دماغ کی مہربانیاں ہیں"نور نے باقائدہ رانیہ کے سر پر انگلی مار کے کہا۔"

شکریہ۔۔۔شکریہ "رانیہ نے ڈھیٹوں کی طرح داد وصول کی۔"

رانیہ کی اس طرح کرنے پر وہ دونوں ہی ہنسے لگیں۔

خیریت تو ہے آج یہاں کیسے "زینب نے کھڑے ہو کے پوچھا۔"

خیریت بعد میں لڑکی پہلے گھر آئے مہمان سے کھانا تو پوچھ لو۔۔۔چلو شاباش جلدی بتاؤ کیا بنایا ہے""

رانیہ نے نور کے ساتھ کھڑے ہو کے اپنے مطلب کی بات کی۔

مہمانوں کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں لڑکی"نور نے اسی کے انداز میں کہا۔"

"ہاں تو تم ان آداب پر عمل کرو میں تو مہمان نہیں ہوں"

ہاں تو میں بھی نہیں ہوں"نور نے جھٹ سے کہا۔"

آپ جب کے تم دونوں ہی مہمان نہیں ہو تو جاؤ کچن میں اور جو کھانا ہے بنالو کیوں کہ میں نے تو کچھ نہیں" بنایا" زینب نے جان بوجھ کے کھانا بنانے کا کہا اسے پتا تھا رانیہ کھانے کے معملے میں ماہر تھی اور بنانے کے معملے میں اناڑی۔

ٹھیک ہے "نور اور رانیہ نے ساتھ کہا اور کچن کی جانب بڑھ گئیں۔"

رانی رک جاؤ۔۔۔۔رانی نہیں مجھے اپنے کچن کو جنگ کا میدان بلکل نہیں بنانا تم نکلو یہاں سے "زینب" رانیہ کے پیچھے لپکی وہ ایک بار چائے بنانے کے چکر میں زینب کا کچن تباہ کر چکی تھی اور زینب دوبارہ یہ رسک نہیں لے سکتی تھی۔

کیوں "نور نے کچن کارنر پر دونوں ہاتھ رکھے مسکراتے ہوئے پوچھا۔"

کیوں کہ یہ اول درجے کی پھوڑ عورت ہیں "زینب نے نور کے علم میں اضافہ کیا۔"

اووووو "نور نے ہونٹھوں کو او کی شکل اختیار کر کے کافی کھینچ کے کہا۔"

کیا اووو "رانیہ نے نور کی نقل اترا اسے ایک زوردار دھپ کندھے پر رسید کی جس کی وجہ سے نور اپنی" جگہ سے ہی حل گئی۔

میں آج تمہیں بریانی بنا کے کھلاتی ہوں۔۔۔انگلیاں چاٹتی رہ جاؤ گی میری "رانیہ نے اپنی انگلیاں لہرا" کے کہا۔

ای ی ی ی "نور نے عجیب سی شکل بنا کے جُھر جُھری لی۔"

رانیہ نے اسے گھورا اور پھر نور اور زینب اسے منع ہی کرتے رہ گئے لیکن رانیہ نے نہ سنی تھی نہ سنی اور کھچڑی نما بریانی بنا کر ہی دم لیا اور کچن کا حال ایسا تھا مانو کسی نے بم پھینکا ہو لیکن اس سب میں ایک بات اچھی ہوئی تھی نور اور رانیہ جس مقصد سے آئیں تھیں وہ مکمل ہوا تھا زینب ہنس رہی تھی مسکرا رہی تھی اس کا فوکس کچھ دیر کے لئے ہی سہی پر اب وہ وہ نہیں سوچ رہی تھی جو ان کے آنے سے پہلے سوچ رہی تھی اور یہی تو وہ چاہتی تھیں اور کامیاب بھی ہو گئیں تھیں۔

رات کا ڈنر کر کے حیدر احد کے ساتھ باہر نکل گیا تھا اور اسے بہت سی چاکلیٹس دلا کر لیا تھا۔ حیدر ابھی پورچ میں گاڑی کھڑی کر کہ لاونج میں صوفے پے آ کے بیٹھا تھا جہاں سعید عبّاس کوئی ٹاک شو دیکھ رہے تھے جب ثانیہ بھابی رات کی چائے لے کر لاؤنج میں داخل ہوئیں اور سعید اور حیدر کو چائے سرو کی اور ساتھ ہی حیدر کی گود سے احد کو اٹھایا۔

احد صاحب نے ماں کی گود میں آتے ساتھ ہی اپنا گلا پھاڑنا شروع کر دیا تھا۔

"دنیا کے بچے اپنی ماں کے دامن سے چپکے رہتے ہیں ایک میری اولاد ہے جو میری گود میں آتے ساتھ ہی رونا شروع کر دیتی ہے "ثانیہ بھابی نے افسوردگی سے کہا۔

ہو سکتا ہے ڈر جاتا ہو" سعید عبّاس نے چائے کا ایک سپ لے کے کہا۔"

میں کب مارتی ہوں اسے جو یہ ڈر جاتا ہے" ثانیہ بھابی نے حیرت سے کہا۔"

میں نے کب کہا کے تم مارتی ہو اسے۔۔۔۔ ہو سکتا ہے تمہارا خوفناک چہرہ دیکھ کے ڈر جاتا ہو" سعید عبّاس نے سنجیدگی سے کہا۔

بھولیں مت اسی چہرے پر مرمٹے تھے آپ" ثانیہ نے گردن اکڑا کے سعید عبّاس کو یاد دلایا۔"

ٹھیک کہا تم نے یہ چہرہ دیکھ کے کسی کی بھی جان نکل سکتی ہے میں تو پھر بڑے ہی کمزور دل کا مالک ہوں""" سعید عبّاس نے پوری سنجیدگی سے بیوی کو چھیڑا۔

ٹھیک ہے تو میں چلے جاتی ہوں یہاں سے کہیں آپ کی جان پھر سے نہ نکل جائے اب اپنے اس سپوت" کو آپ خود ہی سنبھالیں کیوں کہ بقول آپ کے یہ میرا چہرہ دیکھ کے ڈر جاتا ہے نہ" ثانیہ بھابی کو تو صدمہ ہی ہو گیا تھا انہوں نے غصّے سے کہا اور احد کو ان کی گود میں ڈال کے آگے چلے گئیں۔

ارے سنو تو" سعید عبّاس نے پیچھے سے آواز لگائی۔"

ثانیہ بھابی جاتے جاتے رک گئیں اور پھر حیدر کو عبّاس صاحب کا پیغام دیا جو وہ دینا بھول گئیں تھیں۔

"حیدر پاپا تمہیں اسٹڈی میں بلا رہے تھے"

کیوں" حیدر نے حیرت سے پوچھا وہ کم کم ہی اسے اس طرح بلاتے تھے اگر کوئی بات ہوتی تو وہ عموماً" ڈائننگ ھال میں ہی کر لیا کرتے تھے۔

ثانیہ بھابی نے کندھے اچکا دیے اور سعید عبّاس کی طرف ایک مسکراہٹ اچھل کے آگے بڑھ گئیں۔

یار حیدر" سعید عبّاس نے بیچارگی سے حیدر کی جانب دیکھا۔"

بیوی سے پنگا نہیں لینا چاہیے۔۔۔۔۔ اور ویسے اب میں آپ کو یہ نہیں کہوں گا کے سدھر جائیں" حیدر اپنی شرٹ سہی کرتے صوفے سے اٹھا اور کہا۔

کیوں" سعید نے پوچھا۔"

آپ کو سدھارنے کے لئے آپ کی یہ ایک اولاد کافی ہے" حیدر نے احد کی طرف اشارہ کیا جو سعید" عبّاس کا چشمہ زبردستی اترنے کی کوشش کر رہا تھا اور اسٹڈی کی طرف بڑھ گیا۔

اسٹڈی کافی بڑی تھی کمرے کے وسط میں آفس ٹیبل اور ریولونگ چیئرس رکھی گئیں تھیں ٹیبل پر لیپ ٹاپ پیپر ویٹ پیپرز اور کچھ فائلز رکھیں تھیں جن میں سے ایک فائل عبّاس صاحب تھامے آنکھوں پر آئی۔ سائٹ گلاسس لگائے اس کا مطالع کر رہے تھے۔ کمرے کے دائیں جانب ایک صوفہ رکھا گیا تھا اور اس کے ٹھیک سامنے کتابوں کی قد ادام شیلفز بنی تھیں جہاں بیشمار کتابیں رکھیں تھیں۔

حیدر ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوا اور دروازے پر کھڑے ہی پوچھا۔

"پاپا آپ نے بلایا تھا"

"آؤ برخوردار اندر آؤ" عبّاس صاحب نے فائل سے نظریں ہٹا کے اس کو ایک نظر دیکھا اور پھر سے فائل پر نظریں ڈال دیں۔

حیدر ان کے سامنے والی کرسی پا جا بیٹھا۔

"اس پر سائن کر دو" کچھ دیر گزرنے کے بعد عبّاس صاحب نے فائل حیدر کے آگے بڑھائی اور کہا۔

"پر یہ ہے کیا" حیدر نے ماتھے پر شکنے لئے پوچھا۔

"کنٹریکٹ ہے اسٹار گروپ اوف انڈسٹریز کا جو تم سائن کر رہے ہو اس کی مدت دو سال ہے اور میں نے ان سے بات کر کے تمہاری کل کی سیٹ بک کرا دی ہے پہلے تم دوپہر میں اسلام آباد جاؤ گے اور پھر وہاں سے برطانیہ" عبّاس صاحب نے سارا لائحہ عمل اس کے سامنے رکھ دیا۔

"لیکن میری اسٹڈیز ابھی مکمل نہیں ہوئیں اور کچھ مہینوں کی تو بات ہے میں اپنی ڈگری مکمل کر لوں پھر چلا جاؤں گا" حیدر نے رسانیت سے کہا۔

یہ کنٹریکٹ یونیورسٹی کے لنک سے ہو رہا ہے تمھیں اسے ابھی کی سائن کرنا ہو گا۔۔۔جہاں تک اسٹڈیز"

کی بات ہے تو اس کنٹریکٹ میں یہ صاف لکھا ہے کے تمہاری آگے کی تعلیم وہ خود مکمل کرائیں گے"

عبّاس صاحب نے اسے مزید بتایا۔

میں یہ سائن نہیں کروں گا" حیدر کو ساری بات سمجھ آگئی تھی اس نے خود پر ضبط کرتے کہا۔"

تمھیں یہ سائن کرنا ہو گا" عبّاس صاحب نے اپنی رعبدار آواز میں ہر لفظ پر زور دے کے کہا۔"

حیدر اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کا ہینڈل تھما جب عبّاس صاحب اپنی کرسی سے اٹھے اور انہوں نے

غصّے سے کہا۔

"حیدر میں کچھ کہہ رہا ہوں تم سے"

اور میں آپ کو جواب دے چکا ہوں" حیدر نے بینا پیچھے موڑے کہا۔"

"تمھیں ان پیپرس پر سائن کرنے ہوں گے"

میں ان پر سائن نہیں کروں گا صرف اُس کی وجہ سے تو بلکل نہیں" حیدر نے سر نفی میں ہلا کے کہا۔

صفا عبّاس جو عبّاس صاحب کو دودھ کا گلاس دینے آئی تھی ان کی بھاری مردانہ آوازوں سے ڈر گئی تھی اور

اپنی ماں کو بلا لائی تھی۔

کیا ہو رہا ہے یہاں" فائزہ بیگم نے اسٹڈی میں داخل ہوتے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔"

حیدر تم میں غصہ بہت ہو گا پر اپنے باپ سے زیادہ نہیں مجھ سے ضد مت کرو جتنا کہہ رہا ہوں کرو""

عبّاس صاحب فائزہ بیگم اور صفا دونوں کو نظر انداز کر کے حیدر سے مخاطب ہوئے۔

ورنہ "حیدر نے عبّاس صاحب کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے اطمینان سے پوچھا۔"

کیا ہو گیا ہے آپ دونوں کو کیوں ایسی باتیں کر رہے ہیں" فائزہ بیگم نے پریشانی سے استفار کیا جسے ایک" بار پھر نظر انداز کیا گیا۔

ورنہ یہ کہ میں تمہیں اپنی اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا" عبّاس صاحب نے محض دھمکی دی ورنہ" انھیں اپنی اس تیسری اولاد سے بے پناہ محبت تھی۔

یہ صرف دھمکی ہے "حیدر نے انھیں جتایا۔"

اور اسے عمل میں لانے میں مجھے کچھ منٹ لگیں گے" عبّاس صاحب نے غصّے سے کہا۔"

آپ لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں میرا دل بیٹھے جا رہا ہے۔۔۔۔ حیدر تم مجھے چھوڑ کے کہیں نہیں جاؤ" گے۔۔۔ کہیں نہیں مجھ سے وعدہ کرو" فائزہ بیگم نے روتے روتے حیدر کا چہرہ ہاتھوں کے ہالے میں لے کے کہا۔

حیدر کی کمزوری اگر کوئی تھی تو وہ اس کی ماں تھی وہ ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

بھائی پلیز مان جائیں نہ پاپا کی بات "صفا حیدر سے بڑی تھی لیکن پھر بھی بھائی کہہ کے ہی پکارتی تھی اس" نے بھیگی ہوئی آواز میں حیدر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔

خونی رشتوں سے محبت کا نشہ ہی کچھ اور ہوتا ہے جو اپنے ہوش کھو کے ہم وہ کرتے ہیں جو ان کی خوشی ہوتی ہے جو ان کی خواہش ہوتی ہے چاہے وہ فیصلے ہمارے حق میں بہتر ہوں یا بتر ہوں۔

حیدر نے ماں کے آنسو صاف کئے ان کے ماتھے پر بوسہ لیا اور انہیں خود سے لگائے ٹیبل تک گیا اور پیپر س پر سائن کر دیے اگلے ہی پل وہ سب کو پیچھے چھوڑ اپنے کمرے میں چلا

جدا ہوئے راستے 2

تجھ سے ہے جُدا اب میرے راستے

مل جائیں اگر تو رکھنا فاصلے

عبّاس صاحب چونکہ ڈین سے بات کر چکے تھے اسی لئے حیدر کا یونیورسٹی میں آج آخری دن تھا اسے آج یونیورسٹی سے اپنے تعلیمی دستاویز لینے تھے اور پھر وہیں سے ائیرپورٹ کے لئے بھی نکلنا تھا۔

اس نے یونیورسٹی آتے ہی ساری کہانی اپنے دوستوں کو بتائی۔ علی حاشر اور احمر کو اس کے جانے کا دکھ تو بہت تھا لیکن وہ جانتے تھے کے وہ غصّے میں پاگل ہو چکا ہے اور یہاں کچھ دن اور رہنا بھی اس کے لئے خطرے سے خالی نہیں تھا اور پھر مقابل بھی کہاں چپ ہونے والی تھی وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے رہی تھی اور برابری سے مقابلہ کر رہی تھی۔

وہ نہیں جانا چاہتا تھا پر اسے جانا پڑ رہا تھا اور اس کی وجہ سے جانا پڑ رہا تھا سارا غصّہ ہی اس بات کا تھا اور پھر وہ کیوں اپنی جگہ چھوڑتا اور وہ بھی اس لڑکی کے لئے۔

بریک ٹائم چل رہا تھا وہ اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ کوریڈور سے گزر رہا تھا جب اس کی نظر کلاس میں بیٹھی ان تینوں لڑکیوں پر پڑی جو باتیں کرنے میں مگن تھیں اس کا موڈ تو صبح سے ہی خراب تھا لیکن اب مزید خراب ہو گیا تھا اور غصّہ نکالنے کا ایک موقع مل گیا تھا۔

زینب کی پیچت دروازے کی جانب تھی جس کی وجہ سے وہ اسے دیکھ نہ سکی۔ حیدر کلاس میں جارحانہ تیور لئے اندر آیا اور زینب کا بازو پکڑ کے اپنے سامنے کیا۔ زینب اس افتاد کے لئے تیار نہیں تھی بوکھلا گئی لیکن

حیدر پر نظر پڑتے ہی اس نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے پیوست کر لیا حیدر کے ہاتھ کو زور سے جھٹکا اور انگلی اٹھا کے غصّے سے چبا چبا کر کہا۔

"اپنے ہاتھ قابو میں رکھو کیوں کہ اگر میرے ہاتھ بے قابو ہوئے تو تمہارا گال سرخ کر جائیں گے"

تم نے خود کو سمجھ کیا رکھا ہے۔۔۔ہاں میں بتاؤں تم کیا ہو تم ایک حرام کی پیداوار ہو"حیدر نے زینب" کا بازو پکڑا اور دنیا جہاں کی نفرت اپنے لہجے میں سموئے کہا۔

علی حاشر اور احمر جو اس کے پیچھے ہی کلاس میں لپکے تھے حیدر کی یہ بات سن کے حیرت کے سمندر میں غوتے کھا رہے تھے۔

زینب کا ضبط بس اتنا ہی تھا یہ آج پہلی بار تھا کوئی اس طرح اتنے کھولے لفظوں میں اسے نیچا دیکھا رہا تھا۔

زینب نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو حیدر کی گرفت سے آزاد کرایا اور اپنی پوری قوت سے ایک زناٹیدار تھپڑ حیدر کے منہ پے مارا۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا حیدر کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا تھا۔

حیدر نے اپنا چہرہ اس کی طرف کیا جو سرخ ہو رہا تھا اور غصّے سے دھڑا۔

"تم نے مجھے تھپڑ مارا"

ہاں مارا اور اگر تم نے اپنی بکواس بن نہیں کی تو اس عمل کو دوہرانے میں مجھے وقت نہیں لگے گا"زینب" کی آنکھوں میں سرخی صاف دیکھی جا سکتی تھی۔

بکواس نہیں ہے یہ، یہ سا۔۔۔۔" اس سے پہلے حیدر اپنا جملہ مکمل کرتا احمر علی اور حاشر اسے گھسٹتے ہوئے پیچھے کی جانب دھکیلنے لگے اور پھر علی نے نور اور رانیہ کو مخاطب کر کے نرم لہجے میں کہا۔

"پلیز آپ لوگ جائیں یہاں سے"

نور نے رانیہ اور زینب کا ہاتھ تھما اور اسے وہاں سے لے گئی۔

احمر جو حیدر کے سینے پر ہاتھ رکھے اسے روکے ہوئے تھا یک دم ہی اس نے اپنے ہاتھ ہٹائے اور دو قدم پیچھے ہو کے کہا۔

"تو اس سارے قصّے کے پیچھے یہ وجہ تھی"

حیدر نے اپنا رخ موڑ کر مٹھیاں بھینچ لیں۔

حیدر یہ تم ہی ہو نہ جو کہا کرتا تھا آدم کی سب اولاد عزت کی حق دار ہے چاہے وہ مرد ہو عورت ہو ہندو ہو مسلمان ہو سنی ہو شیعہ ہو امیر ہو یا غریب۔۔۔ تم نے کبھی ان میں فرق نہیں کیا تو آج کیوں۔۔۔۔ وہ جیسی بھی ہے، ہے تو انسان نہ عزت تو اس کی بھی ہے نہ۔۔۔ اور تم" وہ افسردہ لہجے میں کہتے کہتے چپ ہو گیا تھا۔

حیدر کے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔ وہ کلاس میں رکھی ایک بینچ پر سر جھکا کے بیٹھ گیا تھا۔ شاید اسے بھی اپنے اس رویے کی سہی وجہ نہیں پتا تھی۔

آج جو کیا برا کیا حیدر۔۔۔۔۔بہت برا" علی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔"

ہمیں یہ امید نہیں تھی تم سے" حاشر نے تاسف سے کہا۔"

حیدر مرے ہوئے قدموں سے وہاں سے اٹھا اور تینوں کو وہیں چھوڑے آگے بڑھ گیا۔اس نے غائب دماغی سے اپنے سارے سرٹیفکیٹس ریسیوہ کیئے اور پارکنگ ایریا کی طرح بڑھ گیا جہاں وہ تینوں ہی اسے ائیرپورٹ ڈراپ کرنے کے لئے کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

اس نے آتے ہی ڈرائیونگ سیٹ سنمبھال لی اور اپنے دستاویز کی فائل ڈیس بورڈ پر رکھی تھی۔احمر اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا اس کے بیٹھتے ہی علی اور حاشر نے بھی اپنی اپنی سیٹ سنمبھال لی تھی۔

سارے راستے احمر اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا لیکن اسے تو چپ ہی لگ گئی تھی۔احمر نے گاڑی جب ائیرپورٹ کے راستے جاتے دیکھی تو چونکا اور ساری بات سمجھتے ہوئے حیدر سے پوچھا۔

"حیدر تم گھر پر سب سے ملو گے نہیں ایسے ہی چلے جاؤ گے؟"

حیدر کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا وہ سنجیدہ چہرہ لئے جو کسی بھی تاثر سے پاک تھا ڈرائیو کر رہا تھا۔

حیدر" احمر نے حیدر کو ایک بار پھر مخاطب کیا لیکن سب سے سود بلاخر احمر چپ ہو گیا۔"

وہ ائیر پورٹ پر بھی سارا وقت ویٹنگ ایریا میں بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا اس کی چپ کو فون پر آنے والی عبّاس صاحب کی کالز نے بھی نہیں توڑا تھا۔ اس نے اپنے موبائل کو سائلینٹ پر لگا دیا تھا جس کی وجہ سے عبّاس صاحب نے احمر کو کال کی تھی اور احمر نے ان کو اس کی خیریت سے آگاہ کر دیا تھا۔

ائیر پورٹ پر اس کی فلائٹ کے جانے کا اعلان کیا گیا تو یہ اپنی جگہ سے اٹھا اپنے مطلوبہ گیٹ نمبر تک پونچھا اس سب کے دوران وہ تینوں اس کے ساتھ ساتھ ہی تھے۔ اس نے ایک نظر سامنے گیٹ کو دیکھا اور پھر پیچھے مڑ کر ان تینوں کو دیکھا اور ایک ایک کر کے وہ تینوں سے بغل گیر ہوا۔

اپنا خیال رکھنا" حاشر نے اس سے الگ ہو کے کہا۔"

رابطے میں رہنا اور خیال رکھنا اپنا" احمر نے اس کا ہاتھ پکڑے کہا۔"

کسی گوری کے ملتے ہمیں بھول نہ جانا" علی نے اس کے کندھا سے کندھا ٹکرایا اور مسکراتے ہوئے کہا" مقصد ماحول کو خوشگوار کرنا تھا۔

حیدر نے دھیما سا مسکرا کے اشثبات میں سر ہلا دیا

اور آگے چل دیا ابھی وہ کچھ قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ روکا اور پیچھے مڑ کے ان کی طرف دیکھا اور ٹھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

تم لوگوں نے ٹھیک کہا میں نے جو کچھ کیا غلط تھا لیکن جو آج اس نے کیا وہ ٹھیک نہیں تھا۔۔۔جو بھی تھا" میں زبان سے بات کر رہا تھا اس نے ہاتھ اٹھا کے ٹھیک نہیں کیا اور اس کا حساب اسے دینا ہو گا۔۔۔ایک دن"

وہ کہہ کے آگے بڑھ گیا تھا اور وہ جو سوچ رہے تھے کہ حیدر کے جانے سے قصّہ ختم ہو جائے گا ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔۔۔بات اب مقابلے پر نہیں رہی تھی بات اب بدلے پر آ گئی تھی۔

یہ تینوں فلائٹ کے ٹیک اوف ہونے سے پہلے باہر پارکنگ ایریا میں پہنچ گئے تھے اور حیدر کے جہاز کو فضا میں اڑتا دیکھ رہے تھے اس بات سے انجان کہ وہ چلا گیا تھا کبھی واپس نہ لوٹنے کے لئے۔

زینب والیو اللہ اگر میری کبھی واپسی ہوئی تو میں تمہاری زندگی کا تختہ پلٹ دوں گا یہ حیدر عبّاس کا خود سے وعدہ ہے"حیدر نے اڑتے جہاز میں اپنی سیٹ سے ٹیک لگائے تہیہ کیا تھا اور آنکھیں زور سے بھینچ لیں تھیں۔

وہ وہاں سے سیدھا سر عاصم کے پاس کچھ سمجھنے کا بہانہ کر کے نکلی تھی اسے کچھ وقت چاہیے تھا خود کو نارمل کرنے کے لئے جو اسے مل گیا تھا وہ لیڈیز واشروم میں موجود واش بیسن پر سر جھکائے کھڑی تھی نظر اٹھائی تو آنکھیں اپنے عکس پر جم سی گئیں اسے خود پر اس وقت بے حد ترس آ رہا تھا وہ کیا تھی اور لوگ

اسے کیا سمجھتے تھے۔۔۔۔ اس نے سوچا اس سے بہتر نہ تھا میں وہی ہوتی جو لوگ سوچتے ہیں شاید اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی ابھی ہو رہی ہے۔۔۔۔ یہ سوچ اس کا چہرہ تپنے لگا تھا اس نے دو چار چھینٹے اپنے چہرے پر رقم اس ترس کو مٹانے کے لئے مارے اور ایک بار پھر اپنا عکس آئینے میں دیکھا وہ اب بھی ویسا ہی تھا اس کی آنکھوں میں نمی تھی اور اُس کی وجہ سے تھی آئینے میں اس کا اپنا عکس اب دھند ہلانے لگا تھا اس نے اس نمی کو بہنے سے پہلے ایک بار پھر اپنے چہرے پر پانی کی چھینٹے پھینکے اب کی بار اس کا عکس آئینے میں صاف دیکھ رہا تھا کوئی دھند حائل نہیں تھی اس نے اپنی آنکھوں میں گہرائی تک دیکھتے ہوئے تہیہ کیا۔

حیدر عبّاس جو تکلیف تم نے آج مجھے دی ہے اس کے لئے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں "

"گی۔۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔۔ کسی قیمت پر بھی نہیں

تیری دنیا سے ربا

یہ صلہ ملا ہے

خوش رہے خدائی تیری

تجھ سے نہ گلا ہے

جی لوں گی کسی بھی طرح دل کو سمجھائے

بارشوں میں رولوں گی میں آنسو چھپائے

کوئی نہ ستائے مجھے کوئی نہ ستائے

تو رنگ مولا رنگ دے

نصیباں ماری ہوں

یہ جگ خود غرض بڑا

میں جگ سے ہاری ہوں

تو رنگ مولا رنگ دے

وہ اپنے دل کا بوجھ اٹھاتی کلاس روم میں آگئی تھی جہاں مس ثناء کا لیکچر شروع ہو گیا تھا وہ انھیں سلام کرتی نور اور رانیہ کے برابر والی کرسی پر آکر بیٹھ گئی تھی اور پورے دیہان سے لیکچر سن رہی تھی اور ساتھ ساتھ اسے اپنے دفتر میں نوٹ بھی کر رہی تھی۔ رانیہ اور نور لیکچر سرے سے سن ہی نہیں رہیں تھیں ان کی نظریں تو زینب سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہیں تھیں وہ اسے اس طرح دیکھ رہیں تھیں جیسے کوئی ایلین ان کے بیچ آگیا ہو اور زینب نے اپنے اوپر ان کی نظریں باآسانی محسوس کر لیں تھیں۔

لیکچر بھی ختم ہو گیا اور ساتھ آج کی ساری کلاسز بھی لیکن نور اور رانیہ کی چلتی زبانیں نہ چلیں آخر زینب نے جھنجھلا کر کہا۔

"کیا ہو کیا گیا ہے تم دونوں کو۔۔۔۔میں مر تو نہیں گئی جو اپنی پہلے سے بگڑی ہوئی شکلوں کو اور منہ لٹکا کے بگاڑ لیا ہے"

"اللہ نہ کرے "زینب کی "مر جانے" والی بات پر تو ان دونوں کا دل ہی دھل گیا تھا ایک زبان ہو کر کہا۔

"بگڑی ہوئی شکلیں" رانیہ اب زینب کے جملے میں اپنی شان میں کہے لفظ پر آئی تھی۔اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے گال پر رکھ شاک ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہیں بگڑی ہوئی لگ رہی ہے میرا چہرہ مبارک تو اتنا معصوم ہے سارے جہاں کی معصومیت میرے چہرے میں سمائی ہے۔۔۔۔ بلکل فرشتوں جیسا ہے۔۔۔۔۔۔"رانیہ اپنی لائن پر آچکی تھی۔

"ہاں اس کا کہا وہ تو سمجھ آتا ہے"رانیہ نے نور کی طرف اشارہ کر کے اسے چھیڑا۔

"کوئی نہیں۔۔۔۔میرا چہرہ بلکل میرے نام جیسا ہے نور ہی نور ہے "نور نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کے بڑے مضاحکہ خیز انداز میں کہا۔

رانیہ کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہیں کھڑے کھڑے رانیہ نے نور کو نجانے کتنی بار اس کا کہا"نور ہی نور ہے" یاد دلایا اور وہ بس جھینپ کر رہ جاتی۔نور کہہ کر پچھتا رہی تھی کیوں کہ اسے پتا تھا اب روز اسے رانیہ سے یہی سنے کو ملنے والا ہے۔

سورج اپنے سارے سازو سامان کے ساتھ غروب ہونے کے لئے پر تول رہا تھا نیلے آسمان پر نجانے کتنے رنگین رنگ بکھیر کے وہ بس ایک رنگ چھوڑنے والا تھا سیاہی کا رنگ ۔۔۔۔ جہاں لوگ اس کے اس سحر بھرے منظر کو مبہوت سا تکتے تو وہیں اس کے جانے پر افسوردہ بھی ہو جاتے۔

وہ بھی آج اداس تھی جینس اور ٹی۔شرٹ میں ملبوز وہ لاؤنج کے صوفے پر آڑھی ترچھی لیٹی تھی گردن ایک طرف کو ڈھلک رہی تھی اس کے رنگین بال صوفے سے لٹک رہے تھے۔لاؤنج کا سارا سامان بکھرا ہو تھا۔اچانک ڈور نوب کی آواز آئی اور کوئی اندر داخل ہوا اور اس ٹوٹے بکھرے سامان سے پھلانگتے ہوئے ایک خالی صوفے پر بیٹھ گیا۔وہ جانتا تھا یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے کافی دیر اس کو دیکھتا رہا وہ شاید اب سو گئی تھی۔وہ اٹھا اور اس کے کمرے سے کمبل لینے چلا گیا وہ ابھی بستر سے کمبل اٹھا کے باہر نکل رہا تھا جب اس کی نظر رائٹنگ ٹیبل کے پاس پڑے کاغذ کے ڈھیر پر پڑی اس نے جھک کے ایک چُرا مُرا سا کاغذ اٹھایا اور پڑھنے لگا اور پڑھتے ساتھ ہی وہ بیچارگی سے بستر پر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کے بیٹھ گیا۔

اسے لائبہ پر غصّہ تو بہت تھا پر وہ واحد تھی جو اسے دل و جان سے بھی عزیز تھی وہ اس کے لئے کچھ بھی کر سکتا تھا۔وہ اسے تکلیف پہنچانے والے کو قتل کر سکتا تھا لیکن وہ اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا مگر یہاں وہ اپنی تکلیف کی وجہ خود بن رہی تھی اور وہ بے بس تھا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے کمبل لیا اور نیچے آگیا اسے اچھی طرح لائبہ پر ڈالا اور لاؤنج کو سمیٹنے کا حکم ملازم کو دیا ساتھ اپنے لئے ایک کپ کافی بھی مانگائی اور وہیں اسی کے پاس بیٹھ گیا۔

رات میں اس کی آنکھ کسی آہٹ سے کھلی تو اپنے سامنے لائبہ دیکھی وہ صوفے پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی وہ تڑپ ہی تو گیا تھا اس کے آنسو دیکھ کر لپک کے اس کے برابر بیٹھا اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے ہالے میں لیا اس کے آنسو صاف کئے اور پوچھا۔

"کیوں خود کو اور مجھے اذیت دے رہی ہو"

عاطف وہ چلا گیا۔۔۔ وہ چلا گیا۔۔۔ وہ مجھے چھوڑ کے چلا گیا" وہ روتے ہوئے ایک ہی بات بولے جا" رہی تھی۔

اور وہ کیوں گیا" عاطف نے خشمگیں نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔"

مجھے نہیں پتا" وہ نروٹھے پن سے سر نفی میں ہلاتی بولی۔"

تمہیں نہیں پتا تم نے سب کچھ کیا اور تمہیں کچھ نہیں پتا۔۔۔ تم نے مجھے بتانے کی بھی زحمت نہ کی اور" یہ خط لکھا" وہ غصّے میں بول رہا تھا مگر آواز دھیمی تھی پھر اس نے اپنی فرنٹ پاکٹ سے وہ کاغذ نکال اسے دکھایا۔

لائبہ چپ رہ گئی آنسو بھی تھم گئے تھے۔

یہ سب تمہارے اس خط کی وجہ سے ہوا ہے۔۔۔ تمہیں ضرورت ہی کیا تھی یہ سب کرنے کی۔۔۔ تمہاری وجہ سے زینب کو حیدر نے کتنا اول فول کہا۔۔۔ کسی کو تکلیف دینے سے پہلے سوچ لینا چاہیے کہیں آپ ہی اس کی زد میں نہ آجائیں" وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے سمجھا رہا تھا۔

لائبہ کو اس کی باتیں سمجھ تو نہیں آئیں تھیں اور اس کی سوئیں ایک ہی جگہ اٹک گئی تھی "وہ چلا گیا" یہ سوچتے ہی وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

اب رونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے وہ کوئی ہمیشہ کے لئے تو نہیں گیا ہے دو سال کی ہی بات ہے پھر وہ آ جائے گا۔۔۔ چلو اب شاباش فرش ہو کر آؤ پھر کھانا کھاتے ہیں" عاطف نے اس کے آنسو صاف کئے اور ایک بار پھر سمجھایا اور یہ بات لائبہ کے سمجھ بھی آ گئی تھی۔

صرف دو سال کی بات ہے" لائبہ نے سوچا اور فرش ہونے کی نیت سے اٹھ گئی۔"

عاطف لائبہ کا بھائی تھا۔ دونوں اکیلے ہی رہتے تھے ماں کو باپ سے علحیدہ ہوئے ایک عرصہ ہو گیا تھا۔ جب عاطف پانچ سال کا تھا تب کسی بات پر بحیس پر دونوں نے اپنے راستے جدا کر لئے تھے اور اس کے اگلے سال ہی دونوں نے اپنے نئے ہمسفر کے ساتھ سفر شروع کر دیا تھا سب کچھ پیچھے چھوڑے۔

ظفر صاحب ایک مشہور بزنس مین تھے اور ان کے پاس اپنی اس اولاد کے لئے وقت نہیں تھا وہ امریکا میں اپنی فیملی کے ساتھ ایک خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے لیکن اپنے ان بچوں کو وہ پیدا کر کے بھولے نہیں تھے ان کے کھانے پینے پہنے اوڑھنے غرض کے ہر چیز کے لئے وہ ہر ماہ ان کے اکاؤنٹ میں پیسا ڈلوا دیا کرتے تھے وہ الگ بات تھی کہ سالوں میں اپنی شکل دکھاتے تھے اور جب تھوڑی فرصت ہوتی تو ایک کال کر لیتے۔ماں کا حال بھی کچھ یہی تھا وہ اپنی زندگی میں مگن تھیں اور مہینے میں ایک بار کال کر لیتی تھیں البتہ پاکستان آئے انہیں بھی کئی سال بیت چکے تھے۔

عاطف نے بڑے بھائی ہونے کا فرض ادا کیا تھا اس نے اپنی تین سال کی بہن کو خود پالا تھا اس کا کھانا پینا دیکھنا اسے رات کو سنے سے پہلے کہانی سننا اسکول میں کوئی اسے کچھ کہہ جاتا تو اس سے لڑ جانا اس نے لائبہ کی ہر خواہش پوری کی تھی وہ جو چاہتی تھی وہ اس کا ہو تا تھا۔عاطف نے اسے صرف بھائی کا پیار نہیں دیا تھا اس نے اسے ماں اور باپ کا پیار بھی دیا تھا وہ کبھی اسے ماؤں کی طرح ڈانٹ دیتا اور پھر خود ہی منانے بھی بیٹھ جاتا تو کبھی باپ کی طرح اسے شفقت سے سمجھاتا۔

والدین ہماری زندگی کا ایک اہم جز ہوتے ہیں ان کا خانہ سب سے الگ ہوتا ہے کیوں کہ یہ ہماری شخصیت کو اُبھارنے میں مدد دیتے ہیں۔پودے صرف پانی سے ہی تو نشونما نہیں پاتے انہیں اور بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح لائبہ کو بھی صرف بھائی کی محبت نہیں چاہیے تھے والدین کا نہ ہونا اس

کی شخصیت پر گہرا اثر چھوڑ گیا تھا وہ ضدی تھی اپنی منوا کر رہتی تھی اور جو چیز اس کی نہیں ہوتی تھی وہ اسے توڑ دیا کرتی تھی لیکن جب وہ کالج لائف میں آئی اس میں بہت سی تبدیلیاں آئیں اس نے عاطف سے ضد کرنا چھوڑ دیا تھا اور خود سے ضد لگانا شروع کر دیا تھا اب وہ ہر بات عاطف کو نہیں بتاتی تھی کیوں کہ وہ اسے سمجھانے بیٹھ جاتا تھا اور وہ کچھ بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

عاطف کی شخصیت بھی عجیب ہو گئی تھی وہ اپنا آپ دنیا سے چھپانے کے لئے یونیورسٹی میں ایک لاابالی لڑکے کی طرح تھا کبھی لوگوں کو تنگ کرتا اور ان کو اپنے ہونے کا احساس دلاتا لیکن گھر کی چار دیواری میں وہ ایک بوڑھا شخص تھا بہت سنجیدہ ہمیشہ کچھ سوچتا رہتا تھا اور آفس والوں کے لئے وہ ایک کم بولنے مگر خوش مزاج شخص تھا۔

آج اس نے ہر حد پار کر دی تھی اس کی روح کو بری طرح جھنجھوڑ دیا تھا زخم تھے جو پھر سے تازہ ہو گئے تھے آنکھیں تھیں جو آنسو بہانہ چاہتیں تھیں یقیناً یہ بہہ جاتے اگر انہیں تنہائی میسر آتی اور وہ یہ جانتی تھی خود کو جان بوجھ کر کام میں مصروف رکھ رہی تھی اور پھر معمول کے مطابق والیو اللہ کے پاس چلی آئی۔

وہ جب سے آئی تھی والیو اللہ کو کافی خاموش لگی تھی والیو اللہ کو اسے دیکھتے اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی تھی وہ یقین سے کہہ سکتے تھے کہ ضرور اسے کسی نے کچھ کہا ہے وہ اکثر لوگوں کی باتیں سن کے اسی طرح خاموش ہو جایا کرتی تھی اس لئے نہیں کے وہ ناامید ہو جایا کرتی تھی لیکن اس لئے کہ وہ ان لوگوں کے کہے لفظوں کا اثر خود پے نہیں ہونے دینا چاہتی تھی وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی ابھی بھی وہ پھل کاٹ رہی تھی لیکن ذہن کہیں اور ہی پرواز کر رہا تھا والیو اللہ نے اس کے پاس بیٹھ کے چُھری اس کے ہاتھ سے لی تو وہ اپنی سوچوں سے باہر آئی۔

کیا ہوا ہے زینی" والیو اللہ نے پھل کاٹتے بظاہر مصروف سے انداز میں پوچھا۔"

کچھ بھی تو نہیں" زینب نے لاپرواہی سے کہا اسے اب اپنے اوپر غصّہ آ رہا تھا کیوں کہ وہ یہاں والیو اللہ کو" پریشان کرنے تو نہیں آئی تھی اور انجانے میں ہی وہ یہ کر گئی تھی۔

جب تمہیں پتا ہے زینی تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں تو کیوں بولتی ہو" والیو اللہ نے پھل اس کے" آگے رکھ کے سوال کم کیا جتایا بہت کچھ۔

اور بابا جب آپ کو پتا ہے میں نے آپ کو نہیں بتانا تو آپ کیوں پوچھتے ہیں" زینب نے سیب کا ایک ٹکڑا" منہ میں ڈال مسکراتے ہوئے انہی کے انداز میں کہا۔

والیو اللہ نے مسکراتی گھورتی آنکھوں سے اسے دیکھا جس پر اس نے ایک آنکھ دبائے ایک ہی کان پکڑے معافی مانگی جس پر وہ مسکرا دئیے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا جانے کتنے پل گزر گئے وہ اسے دیکھتے ہی رہے تو زینب کو انہیں مخاطب کرنا پڑا۔

"کیا ہوا ہے بابا"

زینی" والیو اللہ نے پر سوچ انداز میں اسے پکارا۔"

جی" زینب کو لگا وہ کچھ کہنا چاہتے تھے۔"

تم خواب دیکھنا شروع کیوں نہیں کرتیں" وہ اب بھی اس پر نظریں جمائے ہی بات کر رہے تھے۔"

کیسے خواب" زینب الجھی۔"

نے نے اگر تمہیں سگے رشتے نہیں دئے تو کیا ہوا لیکن ایک رشتہ ایسا ہے جس کو بنانے کا اختیار اللہ اللہ" بندوں کے ہاتھ میں رکھا ہے بیشک یہ رشتہ بھی وہی بناتا ہے لیکن اس کے لئے انسان کی حامی ضروری ہے مہربان ہوا تو تمہیں اس رشتے کے تواصص سے اپنے خونی رشتے بھی مل جائیں گے" والیو اللہ اسے اور اللہ دیکھتے بڑے ٹھرے انداز میں کہتے چلے گئے۔

آپ جو خواب دیکھ رہے ہیں وہ کبھی حقیقت کی تصویر نہیں بن سکتا" اس نے قطعیت سے کہا زینب کو" حیرت ہوئی وہ اب یہ سب سوچنے لگے تھے۔

تم نے کر دیا نہ مجھے بیگانہ باپ کا تو ارمان ہوتا ہے اپنی بیٹی کے مستقبل کے بارے میں سوچنا زینی تم چاہتی ہو کے تمہارا باپ تمہاری شادی دیکھے بینا ہی مر جائے" والیو اللہ نے اسے منانے کے لئے جذباتی تقریر کی۔

زینب کو ان کی آخری بات نے ہولا دیا تھا وہ ناراضگی اور غصّے سے اپنا بیگ اٹھاتی باہر جانے لگی تب ہو والیو اللہ نے اس کا ہاتھ تھام کے اسے روک لیا۔

"اچھا نہ سوری"

آپ کو پتا ہے میرے پاس گنتی کے ہی چند رشتے ہیں پھر بھی آپ ایسی باتیں کرتے ہیں" زینب نے خفگی سے کہا۔

سوری" والیو اللہ نے ایک بار پھر کہا اب کے لہجہ دھیما تھا۔"

اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو آپ اپنی طرف سے کوشش کر کے دیکھ لیں میں آپ کو نہیں روکوں گیں لیکن میں کوئی بھی رشتہ نہ تو جھوٹ کی بنیاد پے بناؤں گی اور نہ ہی کسی کو دھوکے میں رکھ کے یہ رشتہ قائم کیا جائے گا۔۔۔۔اور اگر واقعی کوئی معجزہ ہو ہی گیا تو میں آپ کے خواب کو تعبیر کرنے میں بھی دیر نہیں کروں گیں" زینب نے حامی تو بھری لیکن یہ واضح کرنا نہ بھولی کہ جو بھی اس کی زندگی میں شامل ہو اس سے کوئی جھوٹ نہ بولا جائے اور نہ ہی اس سے اس کا سچ چھپایا جائے۔

اب خوش ہو جائیں کافی دیر ہو گئی ہے میں چلتی ہوں اپنا بہت زیادہ خیال رکھیے گا" وہ ان کے ہاتھ کا بوسہ لئے گھر سے چلی گئی تھی۔

والیو اللہ خوش ہو گئے تھے وہ اپنی زندگی میں زینب کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے تھے جو کہ ہر باپ چاہتا ہے لیکن یہاں زینب کے مسائل الگ تھے جس کی وجہ سے انہیں ہر وقت فکر رہتی تھی۔ وہ مان گئی تھی ایک مرحلہ عبور ہو اتھا اب ایک اور مرحلہ تھا جسے عبور کرنا باقی تھا۔۔۔ زینب کے لئے ایک اچھا رشتہ ڈھونڈنا تھا ایک ایسی لڑکی کے لئے رشتہ ڈھونڈنا جس کے نہ باپ کا پتا تھا نہ ماں کا۔ زینب سچ نے اس کے لئے بھی کسی ہی تو کہہ کے گئی تھی اگر ایسا ہوتا تو معجزہ ہی تو ہوتا لیکن والیو اللہ کو یقین تھا اللہ کو بنایا تھا بس اسے کھوجنا باقی تھا۔

آج وہ بہت خوش تھے جب سے انہوں نے اپنے دل سے ہر وہم نکال کے اپنی بیٹی کو پورے دل سے قبول کیا تھا ان کو کامیابیاں ہی کامیابیاں نصیب ہوئیں تھیں اور وہ اکثر اپنی بیوی سے کہا کرتے تھے کہ یہ سب میری بیٹی کے نصیب سے ہے۔

کا جتنا شکر کرتے کم تھا وہ پہلے آج ان کی خوشی دیدنی تھی انہیں ایک بہترین جگہ نوکری ملی تھی وہ اللہ دین سے اتنے قریب نہ تھے لیکن ان کی شریکِ حیات نے ان کی دین سے دوری کو بھی ختم کر دیا تھا وہ کی دی ایک حسین نعمت سے کم نہ تھی ان کے لئے کبھی کوئی شکوہ نہیں کرتیں تھیں جو ملا کھالیا بھی اللہ شوہر نے جو دلایا پہن لیا ان کی بتاؤں کو حکم کی طرح ماننا اور ان کی کسی غلط بات پر وہ انہیں اتنے سلجھے ہوئے انداز اور نرم لہجے میں سمجھاتیں کے وہ انکار کر ہی نہ پاتے اور پھر انکی باتوں میں اتنے دینی حوالے ہوتے کہ کوئی کافر بھی ایمان لے آتا پھر تو وہ مسلمان تھے۔

ان کا آج کا پروگرام بیوی اور بیٹی کو گھمانے لے کے جانے کا تھا وہ جلدی جلدی گھر آئے دیکھا تو بیگم سنگ کے آگے کھڑی برتن دھونے میں مصروف تھیں ان کو سلام کیا اور ان کے ہاتھ سے پلیٹ لی جو وہ دھو رہیں تھیں ان کی بیگم نے حیرت سے انہیں دیکھا اور انہوں نے ان کی "حیرت" کا اثر لئے بغیر انہیں کندھوں سے پکڑ کر کچن سے باہر نکالا تو وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکیں۔

"کیا ہو گیا ہے کیا کر رہے ہیں آپ؟"

جلدی سے جائیں اور تیار ہو کے آئیں اور میری پری کو بھی تیار کر دیں ہم باہر جا رہیں ہیں اب کوئی" سوال نہیں باقی باتیں بعد میں بتاؤں گا" انہوں نے خوشی چھلکاتے لہجے میں کہا۔

کچھ ہی دیر میں وہ تیار ہوئے باہر آئیں انہوں نے گہرا نیلا رنگ پہنا تھا اور اپنے گرد شول اچھے سے لے رکھی تھی بیٹی کو انہوں نے گلابی رنگ کی فروک پہنائی تھی جس میں وہ واقعی پری لگ رہی تھی اس کے سفیدی مائل رنگت گال سرخ ہو رہے تھے۔ انہوں نے اسے بیگم کی گود سے لے کر اس کے بوسے لئے اور بیوی کا ہاتھ تھامے وہ گھر سے باہر نکل گئے۔

انہوں نے اپنے دوست سے کہہ کے ایک کرولا ہیئر کی تھی جوان کے چھوٹے سے مکان کے باہر تو آنہیں سکتی تھی اس لئے گلی کے کونے پر کھڑی تھی۔ وہ جب اس میں بیٹھے تو ان کی بیوی کو ایک بار پھر حیرت ہوئی انہوں نے پوچھنا مناسب سمجھا۔

یہ کار؟" انہوں نے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد پوچھا اور جملہ ادھورا چھوڑا۔"

ہماری نہیں ہے بیگم کرائے کی ہے لیکن انشا اللہ ایک دن ہمارے پاس بھی ہو گی" انہوں نے بیوی کے " ڈر کو دور کیا۔

انشاء للہ" انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔"

گاڑی کو چلتے کافی دیر ہو گئی تھی پتا نہیں وہ انہیں کہاں لے جانا چاہتے تھے بس اتنا کہا تھا ان سے" کچھ ایسا " دیکھانا چاہتا ہوں جو تم نے کبھی نہ دیکھا ہو

ابھی کچھ وقت ہی گزرا ہو گا کہ گاڑی رکی یہ ایک کھلی لمبی سڑک تھی دونوں طرف قدادام درخت تھے وہ گاڑی سے اترنے لگے تو انہوں نے پوچھا۔

"کیا ہم پہنچ گئے ؟"

بیگم ابھی تھوڑا سا اور انتظار۔۔۔۔ فلحال تو میں کچھ کھانے کے لئے لینے جارہا ہوں پری کا خیال رکھنا"""

انہوں نے بیٹی کو بیگم کی گود میں دیا اور سامنے ڈھابے نما ہوٹل کی جانب بڑھ گئے ان کے اترتے ہی کار کا ڈرائیور بھی گاڑی سے اترا اور ہوٹل کی طرف ہی بڑھ گیا۔

وہ ابھی اپنے شوہر کا انتظار کر رہیں تھیں جب سامنے سے ایک ٹرک آتا دکھائی دیا جو پوری تیزی سے چل کم اور جُھل زیادہ رہا تھا اور انہی کی گاڑی کی جانب آ رہا تھا انہوں نے جلدی سے دروازہ کھولنا چاہا لیکن ان سے نہ کھولا دور کھڑے ان کی شوہر کی نظر کار پر پڑی تو ہاتھ میں تھامے سارے شوپرز زمین پر پھینکے وہ اندھا دھن بھاگے تھے جیسے ہی انہوں نے کار کا دروازہ وا کیا ٹرک پوری قوت سے کار سے ٹکرایا کار ایک طرف کلابازی کھاتی گر گئی تھی وہ خود بھی خون میں لت پت تھے لیکن اس وقت فکر کسے تھی انہیں لگا ان کے زندہ وجود میں موت رعکس کر رہی ہے۔

وہ اوندھی پڑی گاڑی کی جانب لپکے تھے دروازہ کھول کے اس کے اندر گئے تو بیوی اور بیٹی کو بیہوش پایا وہ بیہوش تھیں یا نہیں انہوں نے خود کو یہی تسلی دی کہ وہ بیہوش ہی ہیں آج پہلی بار انہیں اپنی بیٹی اور بیوی

کو ہاتھ لگانے میں خوف آ رہا تھا ان دونوں کا خون سے تر جسم انہیں بہت کچھ بتا رہا تھا پر یہاں مانتا کس نے تھا۔ بڑی مشکل سے انہوں نے دونوں کو باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن سب بے سود یک دم ہی گاڑی کے انجن میں آگ لگی تھی اور ایک دھماکے کے ساتھ آگ کے بڑے بڑے گولے فضا کو سیاہ کر گئے تھے۔ یہ سیاہ دھوئیں کے بادل موت کی سیاہی سے کم ہی سیاہ تھے زندگیاں تھم گئیں تھیں ایک عجیب سناٹے اور وحشت کا راج تھا۔ موت نے آج زندگی کو ہارا دیا تھا۔

محبّت کے مختلف رنگ

رات کا آخری پہر چل رہا تھا کمرے میں موجود کھڑکیاں کھولی تھیں جن سے آتی ہوا کھڑکیوں پر لگے سفید پردوں کو جھولا رہی تھی۔ اس نے کچن سے پانی کا جگ اور گلاس لیا اور لائٹ اوف کر کے اپنے کمرے میں آئی بیڈ کے برابر رکھی سائیڈ ٹیبل پر جگ گلاس رکھا تو اچانک ہی اس کی نظر کھولی کھڑکیوں پر پڑی وہ انہیں بند کرنے کی غرض سے ان کی جانب بڑھی لیکن کھڑکیوں سے آتی ٹھنڈی ہوا نے اس کے اس عمل کو روک دیا اس نے کچھ دیر آنکھیں بند کیے اس تازی ہوا کو اپنے اندر اترا اور اِسے اپنے رخساروں پر محسوس کیا اس کے لمبے کالے بال ہوا سے اڑ کر اس کے چہرے پر بکھر رہے تھے اس نے آنکھیں کھولیں اپنے بالوں کو کانوں کے پیچھے اوڑھسا کھڑکیاں بند کیں ساتھ ہی کمرے میں بھی اندھیرا

کر دیا اور بستر پر نیم دراز ہو گئی نیند تو آنکھوں میں تھی نہیں لیکن اور بہت کچھ تھا ان آنکھوں میں جو سب سے چھپائے رکھتی تھی وہ۔

چھت پر لگے پھنکے کو تکتے سوچ رہی تھی کہ کیا اس کی زندگی کی رفتار اتنی تیز نہیں ہو سکتی کہ ایک فیز۔۔۔ایک راؤنڈ۔۔۔اور پھر زندگی کا ہر فیز ہر راؤنڈ۔۔۔۔اور پھر پوری زندگی گزر بھی جائے اور آنکھوں میں ہی نہ آئے پتا ہی نہ چلے زندگی کبھی ملی بھی تھی۔۔۔۔۔لوگ زندگی جینا چاہتے ہیں نجانے کیوں؟۔۔۔۔یہاں مجھے اسے گزرنا نہیں آرہا کہاں اس سب کو جینا یہ سب بس گزر جائے میں یہ سب نہیں جینا چاہتی میں زندگی نہیں جینا چاہتی۔

وہ نجانے کیا کیا سوچ رہی تھی پھر اچانک ہی آج کا پورا دن اس کے ذہن کے پردے پر نمایاں ہونے لگا۔ ایک لفظ تھا صرف ایک لفظ جو اسے اپنے ارد گرد گونجتا محسوس ہوا اس نے خود پر ضبط کرتے کروٹ بدلی۔اب کے اس کی سوچوں کا محور والیو اللہ کی طرف تھا وہ حیران ہوئی تھی جب والیو اللہ نے اس کی شادی کی بات نکالی اس نے کبھی اس حوالے سے نہیں سوچا تھا وہ حقیقت پسند تھی وہ خوابوں میں جینے والی لڑکی نہیں تھی اپنے دُکھوں پر روتی دھوتی معصوم سی اور خود کو اس سب سے نکالنے کے لئے کسی شہزادے کا انتظار کرتی۔وہ خود اعتماد تھی وہ اپنی ہمّت سے غموں کو بھی جھکا دینے والی تھی وہ رونے والوں

میں سے نہیں تھی وہ رولانے والوں میں سے تھی وہ حساب برابر کرنا جانتی تھی وہ سوتی شیرنی تھی جب تک کوئی اسے نہیں چھیڑتا وہ وار نہیں کیا کرتی تھی اور جب کرتی تو سامنے والا زیر ہوتا تھا۔

شادی" وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔"

نہیں یہ میں کیسے کر سکتی ہوں" اس نے خود سے پوچھا۔"

تم وعدہ کر آئی ہو" اندر سے آواز آئی۔"

ہاں پر مجھے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں میں اکیلی ٹھیک ہوں۔۔۔اور شادی تو تب ہوگی نہ جب" بابا کو کوئی لڑکا پسند آجائے گا" اس نے خود کو تسلی دی۔

اور بابا کو کوئی مل گیا تو" ایک بار پھر کسی نے اس کے اندر سے پوچھا۔"

تب کی تب دیکھی جائے گی" وہ جھنجلا کے اٹھی سائیڈ ٹیبل سے نیند کی گولیاں نکال کے پانی کے ساتھ" نگلیں اور ایک بار پھر کروٹ بدل کے لیٹ گئی۔

وہ راہداری کے دائیں جانب سے منہ میں قلم دبائے ماتھے پر شکنے لئے کتاب میں آنکھیں گاڑے چل رہی تھی اور وہ راہداری کے بائیں جانب سے چلتا آرہا تھا جب اس کی نظر رانیہ پر پڑی وہ مسکرایا اور اس کے دائیں جانب جا کے سلام کیا۔

وعلیکم السلام" اس نے مصروف سے انداز میں بغیر گردن اٹھائے چلتے چلتے ہی جواب دیا۔"

عاطف نے حیرت سے اس کی پشت کو دیکھا اور اس کے پیچھے چل دیا تھوڑا قریب پہنچنے پر اس نے ایک بار پھر سلام کیا۔

وعلیکم السلام" رانیہ نے سابقہ انداز اپنائے ہی کہا۔"

عاطف نے اپنی مسکراہٹ دبائی اور ایک بار پھر سلام کیا۔

کیا ہے بھئی کیا عیدی چاہیے" رانیہ نے جھنجھلا کے گردن اٹھائی تو آنکھیں پھٹ گئیں۔"

آپ" اس نے حیرت اور ناگواری کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کہا اور اگلے ہی پل تیز تیز چلنے لگی۔"

ارے سنے تو" عاطف نے پیچھے سے آواز لگائی اور اس کے پیچھے جوگنگ کے انداز میں چلنے لگا۔"

"سن تو لیں میں معافی مانگنے آیا ہوں"

کس بات کی" رانیہ کے قدم رک گئے اس نے عاطف کو خشمگیں نظروں سے دیکھا اور ناگواری سے" پوچھا۔

اس دن جو بد تمیزی کی تھی اس کے لئے" عاطف نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔"

اس بات کا آپ کو علم ہے کہ اس طرح کی حرکتوں کا شمار بد تمیزی میں ہوتا ہے" رانیہ نے طنز کیا۔"

ایم سوری" عاطف نے بیچارگی سے کہا۔"

دیکھیں اب میرے پیچھے مت آیئے گا مجھے آپ کی سوری کی ضرورت نہیں ہے "رانیہ نے قطعیت سے "
کہا اور اپنی راہ لی۔

لیکن مجھے تو معافی چاہیے "عاطف نے اس کا راستہ روک کے ہٹد ھرمی سے کہا۔"

معافی چاہیے تو جائیں جاکر گراؤنڈ کے دس چکر لگائیں اور اب بات تب ہی کیئے گا جب اس پر عمل کر" آئیں "رانیہ نے غصّے سے کہا اور جان بوجھ کر وہ کام کرنے کو کہا جو نہ ممکن میں سے ایک تھا بھلا کون اتنی کڑکتی اور آگ برساتی دوپہر میں گراؤنڈ کے چکر کاٹتا یہاں آدھا چکر لگانا مشکل تھا کجا کے دس۔

سر احمد نے آج بی۔بی۔اے کی کلاس کو ایک ٹاسک دیا تھا اور اس کو پرفارم کرنے کے لئے انھیں کتابوں اور گوگل کی ضرورت تھی جس کی اجازت سر احمد سے مل چکی تھی۔بقول سر احمد آپ آدھے گھنٹے میں دنیا کی کوئی بھی کتاب اور کسی بھی ویب سائٹ کا استعمال لے سکتے ہیں سوائے اپنے ٹیچرز سے کلاس فیلّوز سے کسی دوست سے یا کسی دشمن سے بھی۔

اب کلاس کا یہ حال تھا کہ سر احمد ایک کارنر پر چیئر پر بیٹھے کچھ پیپرس چیک کرنے میں مصروف تھے جب کے کلاس میں سٹوڈنٹس کی تعداد کم ہوگئی تھی کچھ لائبریری میں کتاب ڈھونڈنے گئے تھے تو کچھ آئی۔ٹی

لیب میں اپنا مواد سرچ کرنے گئے تھے جب کے کچھ سٹوڈنٹس جن کے موبائل میں نیٹ پیکجز ہوئے تھے وہ کلاس میں ہی بیٹھے اپنے ٹاسک پر کام کر رہے تھے۔

رانیہ تم کہاں جا رہی ہو"زینب نے رانیہ کو جاتے دیکھ پوچھ لیا۔"

یار میں بُک لینے جا رہی ہوں لائبریری سے"رانیہ نے کھڑے ہی بتایا۔"

تمھیں نہیں لگتا اس میں وقت برباد ہو گا ہم نیٹ سے اُٹھا لیتے ہیں جلدی ہو جائے گا"نور نے رسانیت" سے کہا۔

نہیں بُک ڈھونڈنے میں ٹائم نہیں لگے گا کیوں کہ میں پہلے اِشو کرا کے پڑھ چکی ہوں اس لئے آسانی سے" مل جائے گی"رانیہ نے تفصیل سے بتایا۔

اچھا چلو میں بھی چلتی ہوں"نور کتاب سائیڈ میں رکھ کھڑی ہونے لگی۔"

"

ماشاء اللہ سے تمہارا ایک قدم ڈائناسور کے ایک قدم کے برابر ہے تو تم رہنے ہی دو"رانیہ نے نور کے چھوٹے چھوٹے قدم لینے پر چوٹ کر کے کہا۔

نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے"نور نے تپ کے کہا۔"

اچھا!!۔۔۔۔ایسا ہے تو چلو میرا ٹاسک بھی تم ہی پرفارم کر لو"رانیہ نے نور کو نیکی کرنے کا موقع فراہم کیا۔

نہیں شکریہ میرا اب موڈ نہیں ہے"نور نے گردن اکڑا کے کہا۔"

نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے"رانیہ نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ نور کو اسی کا کہا جملہ لوٹایا اور کلاس سے" باہر نکل گئی۔

\---

یہ تینوں کلاس میں بیٹھے لیکچر نوٹ کر رہے تھے تب ہی علی کی زبان میں کھوجلی ہوئی۔

یار آج موسم کچھ خراب لگ رہا ہے"اس نے احمر کو سنانے کے لئے حاشر کی طرف جھک کے تھوڑی" اونچی آواز میں بظاہر حاشر سے کہا جسے احمر نے بخوبی سنا۔

موسم کو کیا ہوا ہے پچھلے ایک ہفتے سے پیچیانوے ڈگری ہی چل رہا ہے آج بھی اتنا ہی ہے اور کتنا برا ہو" سکتا ہے وہ تو خیر ہے کہ ہم اے۔سی میں بیٹھے ہیں"حاشر نے موسم پر کافی تفصیلی تبصرہ کرتے کہا۔

میرے کہنے کا مطلب ہے کسی کے دل کا موسم خراب لگ رہا ہے" علی نے شوخی سے احمر کی طرف "آنکھوں سے اشارہ کر کے کہا۔

اوہ۔۔۔" حاشر نے کن انکھیوں سے احمر کو دیکھا جو انہیں ہی گھور رہا تھا۔"

علی تمہیں مرنے کی جلدی ہے "احمر نے چبا چبا کے علی کو خبر دار کیا۔"

نہیں بھئی ہم کیوں مرنے لگے البتہ کچھ لوگ ہیں جو محبّت میں مرے جا رہے ہیں" علی نے سنجیدگی سے "احمر کو ایک بار پھر چھیڑا۔

علی اپنی بکواس بند کرو ایسا نہ ہو کہ تم میرے ہاتھوں ضائع ہو جاؤ" احمر نے مُکا زور سے علی کے پیٹھ میں "مارا۔

علی کی چیخ نکل گئی ساری کلاس ہی ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

کیا ہو رہا ہے" سر عاصم نے مصنوئی غصّے سے پوچھا۔"

سر یہ دونوں فیوچر پلاننگ کر رہے ہیں" حاشر کی زبان پھسلی تھی جو مسلسل اپنی ہنسی ضبط کر رہا تھا۔"

جاب کے سلسلے میں؟" سر نے عام سے انداز میں پوچھا۔"

سر آپ کے زہین طلبہ کو جاب مل ہی جائے گی ہمیں تو یہاں محبت کی فکر کھائی جا رہی ہے" علی نے احمر کو ایک نظر دیکھ کہ کہا تو احمر سہم گیا علی سے کوئی بعید بھی نہیں تھی احمر کی محبت کا فسانہ سر کو سنانے بیٹھ جاتا۔

توجناب کو محبّت ہو گئی ہے ؟" سر عاصم نے اپنی ڈیسک سے ٹیک لگائے فرصت سے سنجیدہ لہجے میں پوچھا" شاید علی کی کلاس لینے کا موڈ تھا آج ان کا۔

کہاں سر" علی نے شرمانے کی اداکاری کر کے کہا۔"

اگلے ہی لمحے علی نے پھر کہنا شروع کیا۔

لیکن جب بھی ہو گی سر نہ رومیو جولیٹ جیسی ہو گی نہ شیریں فرہاد جیسی ہو گی نہ لیلیٰ مجنو جیسی ہو گی نہ" سسی پنو جیسی ہو گی" علی ایک تارنگ میں کہتا چلا گیا۔

تو پھر کس قسم کی ہو گی آپ کو محبت" سر نے دلچسپی سے پوچھا۔"

سر ویسی ہی جیسی آپ اور کی وائف میں ہے" علی کے یہ کہتے ہی کلاس میں زبردست سی ہوٹنگ شروع" ہو گئی تھی سر کا چہرہ شرم سے لال ہو رہا تھا اور ان کی حالت پر سب طلبہ ہنس رہے تھے جن میں حاشر اور احمر بھی شامل تھے۔

میں بس جورو کا غلام بن کے رہنا چاہتا ہوں" علی نے ٹھنڈی آہ بھر کے کہا۔"

علی لیو دی کلاس ناؤ" سر عاصم نے غصّے سے کہا۔"

لیکن سر میں نے تو آپ کے سوال کا جواب دیا ہے" علی نے اطمینان سے کہا۔"

آئی سیڈ لیو" سر نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔"

علی کلاس سے چلا گیا تو کلاس میں خاموشی چھا گئی اور سر عاصم بورڈ کی جانب چہرہ کئے اپنی حالت بحال کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ یک دم ہی دروازے کی اوٹ سے علی نے اپنا سر نکالے مسکراتے ہوئے سر سے پوچھا۔

"سر آپ شرما رہے ہیں؟"

اور علی کے یہ پوچھتے ہی کلاس میں ہنسی کا ایک فوارہ پھوٹا سر عاصم نے ابھی کچھ کہنے کے لئے منہ واہی کیا تھا کہ علی ایک بار پھر منظر سے غائب ہو گیا۔

سر عاصم کلاس میں موجود سب ہی طلبِ علموں کو اپنی گھوری سے وارن کرتے بورڈ کی طرف گھومے تو علی ایک بار پھر دروازے کے پاس نامودار ہوا۔

سیریسلی سر آپ شرما رہے ہیں؟" علی نے دانتوں کی نمائش کرتے پوچھا تو سر عاصم مسکرا دیئے اور اسی" بات کا فائدہ اٹھا کے علی کلاس میں داخل ہونے لگا تو سر نے مسکراتے ہوئے ہی "نو" کہا۔

نو سر؟" علی نے گردن نفی میں ہلا کے پوچھا۔"

نو" سر نے آنکھیں بڑی کرتے مسکراتے ہوئے ہی کہا اور علی کو کلاس سے جانا ہی پڑا۔"

رانیہ لائبریری کی اُور بڑھ رہی تھی جب اس نے گراؤنڈ میں بڑی تعداد میں کھڑا مجمعہ دیکھا قریب جا کے دیکھا تو حیرت کا شدید جھٹکا لگا آنکھیں حیرت سے پھٹنے کو ہو گئیں۔ عاطف گراؤنڈ میں دوڑ رہا تھا اور رانیہ نے پھر اسے روکتے دیکھا عاطف نے رُک کے اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور تیز تیز سانسیں لیں ماتھے سے پسینہ لڑیوں کی صورت بہہ رہا تھا سر کے سارے بال پسینے میں شرابور تھے اور بُری طرح بکھر چکے تھے۔ پاس کھڑے ایک لڑکے نے اسے پانی کی بوتل دی عاطف نے پانی کے چند گھونٹ لئے اور باقی بچا پانی اپنے سر پر ڈالا اتنی تیز دھوپ میں یہ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی کفرانِ نعمت ہی لگا پھر اس نے اپنے سر کو زور سے دائیں بائیں گھمایا تو فضا میں پانی کے قطرے بکھرنے لگے۔

یک دم ہی عاطف کی نظر رانیہ پر پڑی تو ہٹنا بھول گئی لبوں پے مسکراہٹ کب در آئی اسے پتا ہی نہیں چلا۔ رانیہ اس کے دیکھنے پر سٹپٹا گئی اور فوراً ہی وہاں سے چلی گئی۔

رانیہ پُر سوچ انداز میں اپنی عادت کے مطابق اپنے آنچل کے کونے کو اپنی انگلی پر مروڑتی ہوئی راہداری سے گزر رہی تھی جب ہی اس کی سماعتوں سے کوئی آواز ٹکرائی۔

کیا اب بھی معافی نہیں مل سکتی" عاطف نے پھولی ہوئی سانس میں کہا شاید وہ اس کے پیچھے بھاگتا ہوا آیا" تھا۔

آپ پاگل ہیں" رانیہ کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا۔"

کہہ سکتے ہیں" عاطف نے قدرے ہنسنے کے بعد جواب دیا۔"

تو میں سمجھوں آپ نے مجھے معاف کر دیا؟" عاطف نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔"

بکل بھی نہیں۔۔۔ آپ کو لگتا ہے پہلے آپ لڑکیوں کو تنگ کریں گے اور پھر معافی کے طلبگار ہو" جائیں گے تو آپ کو معافی مل جائے گی تو ایسا نہیں ہے مسٹر عاطف۔۔۔۔لڑکیاں جتنی حساس ہوتیں ہیں ان سے کئی زیادہ حساس ان کی عزت ہوتی ہے وہ کچھ نا کریں تب بھی آپ جیسے لوگ ان کے کردار کو مشکوک بنا دیتے ہیں" رانیہ غصّے میں کہتی چلی گئی۔

میں بہت شرمندہ ہوں آپ سے میں صرف ڈرا رہا تھا آپ کو۔۔۔ میری نیت بری نہیں تھی اور میں" وعدہ کرتا ہوں آئندہ ایسا نہیں ہو گا آپ کے ساتھ" عاطف واقعی شرمندہ لگ رہا تھا اس نے نظریں زمین پر جمائے کہا۔

صرف میرے ساتھ۔۔۔ میرے ساتھ نہیں مسٹر عاطف ہر لڑکی کے ساتھ۔۔۔ آپ کی نیت جو" بھی رہی ہو اگر آپ اب پشیمان ہیں تو صرف مجھ سے معافی نہیں مانگے ان تمام لڑکیوں سے بھی

مانگیں اور مجھ سے کوئی وعدہ نہ کریں آپ خود سے کریں" رانیہ نے کو عاطف کی " آپ کے ساتھ نہیں ہو گا" والی بات کافی کھلی تھی اس نے ایک بار پھر غصّے سے کہا اور جانے کے لئے پلٹ گئی جب عاطف نے جلدی سے پوچھا۔

"میں ان سب سے بھی معافی مانگ لوں گا کیا آپ نے مجھے معاف کر دیا"

معافی مانگنا جتنا مشکل ہوتا ہے اس سے کئی زیادہ مشکل معاف کر دینا ہوتا ہے آپ بتائیں اگر کوئی لائبہ کے ساتھ کچھ ایسا کرتا تو کیا وہ معاف کر دیتیں یا آپ معاف کر دیتے اسے۔۔۔ جیسے آپ اپنی بہن کو لے کر پوزیسیو ہیں ایسے دوسروں کی بہنوں کے لئے بھی ہوں" رانیہ نے پلٹ کر اسے ایک اور پتے کی بات بتائی اور چل دی۔

پیچھے عاطف بے چارگی سے اسی سمت دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ ابھی گئی تھی وہ حیران تھا اس کی کہی باتوں سے وہ ایسی تو نہ لگتی تھی اتنی سمجھداری کی باتیں کرنے والی۔

عاطف یہ لڑکی ٹھیک ہی تو کہتی ہے میں خود کو یہ کہہ کے بچا تو نہیں سکتا نہ کہ یہ سب میں اپنے ڈپریشن کو دور کرنے کے لئے کرتا رہا میں نے کچھ دیر کے لئے ہی سہی اپنی توجہ اپنی زندگی سے ہٹانے کے لئے بڑی غلط ہستی کو نشانہ بنایا۔۔۔ ٹھیک ہے میں معافی مانگ لوں گا ان سب سے معاف کرنا نہ کرنا ان کا مسلہ ہے لیکن آپ کا معاف نہ کرنا اب میرا مسلہ بن گیا ہے آپ کی معافی لے کر رہوں گا میں" وہ خود کلامی کر

رہا تھا اور لاشعوری طور پر رانیہ کی بات پر عمل کر رہا تھا وہ وہاں کھڑا خود سے وعدے کر رہا تھا یہ جانے بغیر کے دل کی دنیا میں کوئی اپنے قدم رکھنے شروع کر چکا تھا اور اب دیکھنا یہ تھا اسے یہ لاعلمی کون سا نافع دیتی ہے اور کون سا نقصان۔

نور زینب اور رانیہ یونیورسٹی کے خارجی دروازے کی جانب بڑھ رہیں تھیں جب رانیہ نے کچھ یاد آنے پر اچانک ان دونوں سے پوچھا۔

"تم دونوں کل کے ایونٹ میں آ رہے ہو نہ"

زینب اور نور نے نظروں کا تبادلہ کیا تو رانیہ نے ان کے ارادے بھانپتے ہوئے کہا۔

"کر کے ایک ایونٹ آیا ہے اور تم دونوں ایسے کر رہی ہو اللہ خبر دار جو تم دونوں نے نہ کہا ویسے ہی اللہ"

رانی مجھے تو جاب پے جانا ہے نہ۔۔۔۔ نور آئی گی نہ "زینب نے اپنا مسلہ بتایا ساتھ نور کو بیچ میں گھسنیٹا۔

رانیہ کی خفا نظروں نے نور کو فوکس کیا جو ہڑبڑائی ہوئی بہانہ سوچ رہی تھی۔

تم بھی آؤ گی اور تم میرے لئے ایک دن کی چھٹی نہیں لے سکتیں "رانیہ نے غصّے سے گھورتے ہوئے" پہلا فقرہ نور سے اور دوسرا زینب سے کہا۔

لے تولوں پر کیا تم ایک دن کی پے کرو گی مجھے "زینب نے شرارتی انداز میں رانیہ سے کہا۔"

ہا۔۔۔"رانیہ کا تو حیرت لے مارے منہ ہی کھل گیا۔"

دوست دوست نہ رہا"نور نے افسوس سے چُور لہجے میں ٹکرا لگایا۔"

مجھے نہیں پتا آئیں گے تو ہم تینوں آئیں گے ورنہ۔۔۔"رانیہ ابھی کہہ رہی تھی جب نور نے اس کی بات" اچک لی۔

ورنہ کوئی نہیں آئے گا لو ہو گیا فیصلہ "نور نے اپنے ہاتھوں سے فرضی دھول جھاڑ کے کہا۔"

نہیں۔۔۔ آنا ہے اور ہم تینوں نے ہی آنا ہے"رانیہ نے نور کی بات کی نفی کی اور اپنے ہر لفظ پر زور دے" کر تینوں کے آنے کو یقینی بنایا۔

رانیہ ان دونوں کو دیکھتی ہوئی ان کے جواب کا انتظار کر رہی تھی جب نور اور زینب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے"

اور تب ہی رانیہ کے لبوں پر بڑی سی مسکراہٹ آگئی۔

وہ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر اب جانی پہچانی سڑکوں سے گزر رہی تھی بظاہر کار کی بیک سیٹ پر بیٹھی وہ اب بھی وہیں تھیں جہاں وہ تھا مسکراتا ہوا اسے اس طرح مسکراتا دیکھ وہ بھی مسکرائی تھی کیا تھا وہ کون تھا وہ کیا تعلق تھا اس کے ساتھ جس کی ایک مسکراہٹ اس پر اتنا اثر کر رہی تھی۔

اچانک ہونے والی ہارن کی آواز اسے حال میں لائی تھی اپنے ارد گرد کا جائزہ لیتے اس نے بے بسی سے اپنا سر سیٹ کی پشت پر گرایا تھا۔ اسے یاد آیا تھا کہ وہ اس سے کتنا بچنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس سے سامنا نہ ہو اور جب سامنا ہوا تو اسے دیکھنے سے گریز کر رہی تھی لیکن پھر بھی اس ستمگر کی ایک جھلک آنکھوں میں آ ہی گئی تھی۔

بی بی جی گھر آ گیا" ڈرائیور کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں تھیں اور اپنا بیگ اور دل سنمبھالے وہ گھر" میں داخل ہوئی تو لاونج میں وہیل چیئر پر بیٹھی آمینہ بیگم نظر آئیں یہ ہونٹوں پر مصنوئی مسکراہٹ سجائے ان کے پاس آئی انہیں سلام کیا اور انکی طبیعت بھی دریافت کی۔

"اب کیسی ہے آپ کی طبیعت اور آپ کمرے سے کیوں نکل آئیں آپ کو تو ڈاکٹر نے آرام کا کہا ہے نہ"

تم نے پچھلے ایک ہفتے سے مجھے کمرے میں قید ہی کر دیا ہے کمر اکڑ گئی تھی میری۔۔۔اسی طرح آرام" کرتی رہی تو مزید بیمار ہو جاؤں گی" آمینہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرے محبّت بھرے لہجے میں کہا۔

اچھا چلو اٹھو ہاتھ منہ دھو کے آؤ پھر کھانا لگواتی ہوں" آمینہ بیگم نے اس کو بازو سے پکڑے اپنے پاس"

سے اٹھاتے کہا۔

آپ نے کھالیا؟"نور نے اٹھے ہوئے پوچھا۔"

نہیں" آمینہ بیگم نے چور لہجے میں کہا۔"

دادو آپ بھی کمال کرتیں ہیں آپ تو کھالیتیں آپ کی طبیعت ویسے ہی ٹھیک نہیں ہے"نور نے شیکایتی"

لہجے میں کہا۔

کچھ نہیں ہوتا اب جاؤ جلدی مجھے کب تک بھوکا رکھنے کا ارادہ ہے" آمینہ بیگم نے سارا ملبہ نور پر گرایا۔"

دادو"نور نے شاک ہوتے کہا اور آمینہ بیگم ہنس دیں۔"

بس تھوڑی دیر میں آرہی ہوں میں"نور کہتی ہوئی اپنے کمرے کی اُور بڑھ گئی۔"

کچھ ہی دیر بعد وہ ہلکے ہرے رنگ کا سوٹ زیب تن کیئے ہاتھوں میں کھانے کی ٹرالی لیئے ڈائننگ ہال میں

آئی تھی جہاں آمینہ بیگم اس کا ہی انتظار کررہیں تھیں۔

تھکی ہوئی آئی ہو ملازمہ سے کہہ دیا ہوتا" آمینہ بیگم کو اس کی فکر ہوئی۔"

اتنا بھی نہیں تھکی کہ یہ چھوٹے چھوٹے کام نہ کرسکوں"نور نے ٹیبل پر لوازمات سجائے اور آمینہ بیگم"

کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

آمنہ بیگم کھاتے ہوئے نور کا جائزہ لے رہیں تھیں جو چہرے پر بیزاری سجائے کھانا چین رہی تھی جیسے یہ کام کوئی بہت ہی فضول ہو اس کے لئے وہ اپنی بیماری میں ہی بھانپ گیئں تھیں کہ کوئی بات ہے جو نور کو پریشان کر رہی ہے اور بات کیا ہو سکتی تھی انہیں اس کا بھی اندازہ ہو گیا تھا۔

نور طبیعت ٹھیک ہے تمہاری" آمنہ بیگم نے سنجیدگی سے پوچھا۔"

جی مجھے کیا ہوا ہے میں تو ٹھیک ہوں "نور یک دم ہی ہائی الرٹ ہو گئی تھی وہ خود کو ملامت کر رہی تھی وہ" کیسے بھول گئی تھی کہ دادو تو اڑتی چڑیا کے پر گن لیا کرتیں تھیں اور میں انہی سے محتاط رہنا بھول گئی۔

تو آنکھوں پر یہ ہلکے کیوں پڑے ہیں" آمنہ بیگم نے سوپ کا سپ لیتے مصروف سے انداز میں کہا۔"

پڑھائی کی وجہ سے شاید "نور نے اپنے ہلکوں پر ہاتھ پھیرتے کہا جیسے وہ مٹ ہی جائیں گے۔"

پڑھائی کی وجہ سے یا محبّت کی وجہ سے" آمنہ بیگم نے جتاتی نظروں سے نور کو دیکھا۔"

دادو کیا کہہ رہیں ہیں آپ "نور مسکراتے ہوئے انجان بنی اور جلدی جلدی کھانا کھانے لگی فرار بھی تو" ہونا تھا۔

چند لمحے گزرے تھے کہ آمنہ بیگم نے ایک بار پھر کہنا شروع کیا۔

"تمہارے پاپا نے ایک رشتہ دیکھا ہے تمہارے لئے آج کل میں دیکھنے آرہے ہیں تمہیں"

آمنہ بیگم نے نور کے سر پر بم پھوڑا۔

لیکن مجھے شادی نہیں کرنی ابھی۔۔۔۔ابھی میں پڑھ رہی ہوں"نور نے قطعیت سے انکار کرتے بہانہ بنایا۔

ہاں تو پڑھائی سے کس نے روکا ہے تمہیں شادی پڑھائی کے بعد ہی ہو گی ابھی صرف نکاح ہو گا" آمینہ بیگم نے بھی ثابت کیا وہ اسی کی دادی تھیں۔

نکاح"نور نے ایسے کہا جیسے سامنے موت کا فرشتہ کھڑا روح قبض کرنے کی بات کر رہا ہو۔"

مجھے شادی ہی نہیں کرنی نہ آج نہ کل نہ آئندہ کبھی"نور نے بھرائی ہوئی آواز میں سر جھکائے کہا۔"

اس وجہ کا نام جان سکتی ہوں" آمینہ بیگم نے نرم لہجے میں پوچھا۔"

مجھے نہیں پتا"نور نروٹھے پن سے بولی وہ آمینہ بیگم کو نہیں بتانا چاہتی تھی وہ تو کسی کو بھی نہیں بتانا چاہتی تھی پر اس کا یہ راز کُھل گیا تھا آمینہ بیگم کے سامنے۔"

تم کہو تو میں اور تمہارے پاپا جائیں تمہارا رشتہ لے کے" آمینہ بیگم نے اس کو خود سے لگائے بڑے پیار سے کہا۔"

بکل بھی نہیں۔۔۔۔آپ کہیں نہیں جائیں گی۔۔۔۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔۔میں سب ٹھیک کر دوں گی۔۔۔۔مجھے تھوڑا سا وقت چاہیے دادو تھوڑا سا وقت۔۔۔۔میں خود کو اس سے آزاد کرا لوں گی"

نور آمینہ بیگم کے سینے سے لگی ہچکیوں میں کہہ رہی تھی جو سوچ رہیں تھیں کہ محبّت نے کب"محبّت میں

دھڑکنے والے دل" کو آزاد کیا ہے یہ تو ان آزاد دلوں کو آزاد رہتے ہوئے خود میں قید کر لیتی ہے اور پھر سیکنڈ منٹ گھنٹے کیا صدیاں بھی گزر جائیں تو یہ وہیں کی وہیں رہتی ہے وقت اسے ختم کرنے کی قوت نہیں رکھتا بلا شرط کے محبّت سچی ہو اور نور کی آنکھوں سے بہنے والے ننھے ننھے شفاف قطرے اس کی سچی محبت کے گواہ تھے۔

آج اسے یہاں آئے ایک مہینہ ہونے کو تھا لیکن اس کا غصّہ جوں کا توں تھا اس نے گھر میں کسی سے بات نہیں کی تھی لیکن اپنے دوستوں سے رابطے میں تھا اور شکر تھا احمر کا کہ وہ اس کا کزن تھا اور اس کے حال احوال کی خبر عبّاس صاحب اور باقی سب کو دیتا رہتا تھا۔

کنٹریکٹ کے مطابق اسے ہر سہولت دی گئی تھی اس کا کمرہ تھا تو بڑا اور لگژری لیکن عبّاس مینشن میں موجود اس کے اپنے کمرے سے کم ہی شاندار تھا کمرے میں ایک چھوٹی سی بالکنی بھی موجود تھی جہاں وہ وائٹ ٹراؤذر اور گرے لوس ٹی۔ شرٹ میں ملبوز اپنے دونوں ہاتھ ریلنگ پر رکھے نیلے آسمان پر بکھرے ٹمٹماتے ستاروں کو دیکھ رہا تھا یہ اس بلڈنگ کا پندہرواں فلور تھا آسمان قریب محسوس ہو رہا تھا اور پھر حیدر کی نظر کسی غیر مرئی نقطے پر آ کے ٹھر گئی وہ پھر اسے سوچنے لگا تھا یہاں ایک دن بھی اس کا ایسا نہ گزرا تھا جب اس نے زینب کو سوچا نہ ہو زینب اور اپنی ہر ملاقات اتنی بار ذہن کی سکرین پر چل چکی تھی کہ اسے

زینب کا کہا ہر لفظ ازبر تھا اور پھر آخری ملاقات میں جو ہوا حیدر کو لگا ایک بار پھر کسی نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا ریلنگ پر رکھے اس کے ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہوئی تھی چہرے کے تاثرات سخت ہوئے تھے اس سے پہلے کے وہ بدلے کے عزائم تیار کرتا اس کی توجہ بجھتے ہوئے موبائل نے اپنی طرف کھینچ لی تھی۔

حیدر کیوں سوچ رہا تھا زینب کو کیوں وہ اس کے سوچوں میں ہمیشہ ہوتی تھی کیا حیدر چڑھتا تھا زینب سے یا نفرت کرنے لگا تھا کیا یہ واقعی نفرت تھی اور اگر یہ واقعی نفرت تھی تو اس نفرت کی آخری حد آخری منزل کیا تھی اس نفرت کا کیا انجام ہونا تھا یہ دیکھنا ابھی باقی تھا۔

اظہارِ محبّت

آج یونیورسٹی میں ایونٹ تھا اور رانیہ کو چونکہ اسے ہر حال میں اٹینڈ کرنا تھا اسی لئے اس نے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انس احسن سے اجازت لی تھی جو اس لئے نہیں مان رہے تھے کیوں کہ ایونٹ کے اوقات پانچ سے رات آٹھ بجے کے تھے۔۔۔۔بس پھر کیا تھا رانیہ نے اپنا آخری ہتیار استعمال کیا اور وہ آخری ہتیار زینب تھی۔ زینب کے ساتھ ہونے کا سن کر انس احسن نے رانیہ کو اجازت دے دی تھی ورنہ رانیہ کو وہ بچی ہی سمجھتے تھے جسے بلکل کسی چیز کی عقل نہیں تھی۔

انس احسن نے رانیہ کو یونیورسٹی کے گیٹ پر اترا ساتھ ہی اس سے پوچھا۔

"تم نے ان دونوں سے پوچھ لیا تھا وہ آگئیں ہیں نہ"

جی "رانیہ نے مختصر سا جواب دیا کیوں کہ وہ جلدی جلدی میں ان دونوں سے پوچھنا ہی بھول گئی تھی۔"

ٹھیک ہے۔۔۔ خدا حافظ اپنا خیال رکھنا "انس احسن کہہ کے چلے گئے تھے اور رانیہ اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔"

کافی دیر ہو گئی تھی اور نور اور زینب اب تک نہیں آئیں تھیں رانیہ گراؤنڈ کے بائیں جانب بے چینی سے سبزے پر ٹہل رہی تھی جب کے نظریں سامنے دروازے پر مرکوز تھیں۔

کہاں رہ گئیں یہ دونوں "اس نے خود کلامی کی اور پھر کچھ یاد آتے ہی بینچ پر رکھے اپنے بیگ سے کچھ" ڈھونڈھنے لگی اپنی مطلوبہ چیز مل جانے پر اس نے زینب کو کال لگائی اور ایک بار پھر ٹہلنے لگی تین بیل جانے کے بعد کال رسیو کر لی گئی۔

زینب کہاں ہو تم "رانیہ نے دعا سلام کے بغیر پوچھا۔"

آفس میں۔۔۔ کیوں "زینب نے عام سے انداز میں جواب دیا اور پھر رانیہ سے سوال بھی کر ڈالا۔"

یار زینب میں کب سے انتظار کر رہیں ہوں تم دونوں کا نور بھی اب تک نہیں آئی۔۔۔ اور میں نے تم" سے منع بھی کیا تھا آفس مت جانا "رانیہ نے غصّے اور جھنجلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

دوسری طرف زینب نے دانتوں تلے اپنی زبان دبائی وہ تو بھول ہی گئی تھی حالانکہ رانیہ نے صبح یاد بھی کرایا تھا۔

رانی ایم سو سو سوری میں بھول گئی تھی۔۔۔۔میں بس پانچ منٹ میں آئی بس پانچ منٹ میں تم گھڑی میں ٹائم نوٹ کرو میں پہنچ رہی ہوں "زینب نے یک دم ہی کھڑے ہو کر آفس سے اپنا سامان سمیٹا اور بینا کسی کو بتائے لفٹ کا انتظار کرنے لگی۔

ٹھیک ہے "رانیہ نے کہتے ہی لائن منقطع کر دی۔"

عاطف آج یونیورسٹی آیا تو اسے دیکھ کسی نے نہ پہچانا حتکہ لائبہ نے بھی نہیں آج وہ ایک ذمدار اور سنجیدہ شخص لگ رہا تھا اس کے لباس میں بھی تبدیلی آگئی تھی گرے اور بلیک چیک شرٹ اور بلیک ہی پینٹ پہن رکھی تھی بالوں کو سلیقے سے سیٹ کیا تھا ہاتھ کسی بھی قسم کے بینڈ سے پاک تھے البتہ اب ہاتھ میں ایک ریسٹ واچ چمک رہی تھی آنکھوں میں گہری سنجیدی کا راج تھا وہ آج ہر لڑکی کو اپنی طرف موتوجہ کر گیا تھا کوئی لڑکی سوچ بھی نہیں سکتی تھی عاطف اس قدر ہینڈسم بھی لگ سکتا تھا جہاں لڑکیاں اس کے بدلے روپ سے حیران تھیں وہیں بہت سی لڑکیاں جن سے عاطف نے پورے دل سے معافی مانگی تھی لیکن

جیسے کے اس نے خود سے وعدہ کیا تھا وہ نپے تلے انداز میں معافی مانگتا اور انہیں حیران پریشان چھوڑ کے آگے بڑھ جاتا اور وہ سب ہی اس کے بدلے بدلے انداز پے فدا ہو گئیں تھیں۔

عاطف کو اب بے صبری سے رانیہ کا انتظار تھا وہ آڈیٹوریم میں بیٹھا بار بار کبھی آڈیٹوریم کے دروازے پر تو کبھی اپنی گھڑی پر نظر ڈال رہا تھا جو اس کی بیقراری کی گواہ تھیں۔

احمر ابھی کار پارک کر کے یونیورسٹی میں داخل ہی ہوا تھا جب اس کی نظر گراؤنڈ کے بائیں جانب پڑی۔ ایونٹ چونکہ آڈیٹوریم میں تھا جو کے گراؤنڈ کے دائیں جانب تھا اسی لئے آج یونیورسٹی کے اسی حصّے میں سارے آدم زاد موجود تھے جب کے بائیں جانب کسی کا ہونا اور وہ بھی لڑکی کا احمر کو کچھ ٹھیک نہیں لگا اس نے تھوڑا آگے بڑھ کر دیکھا تو وہ کوئی اور نہیں رانیہ تھی۔ احمر کو غصّہ آیا وہ یہاں کیا کر رہی تھی احمر کو کم از کم رانیہ سے اس بیوقوفی کی امید نہیں تھی۔

آپ یہاں کیا کر رہیں ہیں؟" احمر نے اس کے پاس جا کر اپنے لہجے کو قدرے نرم بنا کر پوچھا۔"

آپ کو کیوں بتاؤں؟" رانیہ احمر کو اپنی جانب آتا دیکھ چکی تھی اور زینی کے حق میں کہے احمر کے الفاظ" بھولی نہیں تھی تن کے الٹا احمر سے ہی سوال کیا۔

کیوں کہ میں پوچھ رہا ہوں آپ سے" احمر نے سختی سے کہا۔"

احمر کے لہجے میں ایسی سختی تھی کہ رانیہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"زینب اور نور کا انتظار کر رہی ہوں:

میرے خیال ہے وہ آپ آڈیٹوریم میں بیٹھ کر بھی کر سکتیں ہیں چلیں میرے ساتھ "احمر کا لہجہ ایک بار پھر نرم ہوا تھا۔

میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جا رہی "رانیہ نے قطعیت سے انکار کیا۔"

رانیہ کے لہجے میں ایسا کچھ تھا جو احمر کو ٹھٹکا گیا اس نے کچھ دیر کے وقفے کے بعد رانیہ سے پوچھا۔

"آپ مجھ پر بھروسہ نہیں کرتیں"

بات بھروسے کی نہیں ہے بات اصول کی ہے "رانیہ نے گیٹ پر نظریں جمائے ہی جواب دیا۔"

ٹھیک ہے بات اگر اصول کی ہے تو میرا بھی ایک اصول ہے میں آپ پے بھروسہ کر کے خود کو سزا نہیں دے سکتا "احمر نے گردن استبات میں ہلا کے رانیہ سے کہا اور اس کی کچھ بھی سننے بغیر دوسری بینچ پر جا کر بیٹھ گیا جہاں سے رانیہ کی بینچ صاف دکھائی دے رہی تھی۔

رانیہ اس کی کہی باتوں کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی پر اس کے کچھ بھی پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر احمر کے جانے کا انتظار کرتی رہی لیکن جب وہ وہاں سے نہیں ہلا تو جھنجھلائے ہوئے انداز میں بیگ کندھے پر ڈالا اور اس کی طرف بڑھ گئی وہ بے نیاز بنا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

کیا مطلب تھا آپ کی بات کا ہاں مجھ پر بھروسہ کر کے آپ کو کون سی سزا مل رہی ہے" رانیہ نے لڑاکوں کی طرح کمر پر ہاتھ رکھے احمر سے پوچھا۔

نادان لڑکی اتنا نہیں سمجھتیں یہاں اکیلا رہنا آپ کے لئے نقصان کا باعث بن سکتا ہے اور آپ کا کوئی بھی نقصان چاہے ایک خراش کا ہی کیوں نہ ہو میرے لئے تو سزا ہی ہے" احمر نے ایک نظر اسے دیکھ سنجیدگی سے سوچا تھا۔

میں کچھ پوچھ رہی ہوں آپ سے آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں" غصّہ ہنوز وہی تھا پر اب کے سوال بدل گیا تھا۔

کیوں بیٹھنا منع ہے یہاں" احمر نے برہراستہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھا۔"

آپ جائیں یہاں سے" رانیہ نے حکم سنایا۔"

آپ کو اکیلا چھوڑ کر تو نہیں" احمر نے ڈھٹائی سے کہا۔"

جائیں۔۔۔" رانیہ نے پھر کہا اور احمر نے نفی میں سر ہلا دیا۔"

ٹھیک ہے بیٹھے رہیں یہیں میں جا رہی ہوں" رانیہ اپنے پیر پٹختے ہوئے آڈیٹوریم جانے لگی۔ احمر مسکراتا ہوا اٹھا اور اس سے کافی فاصلہ رکھے خود بھی اندر جانے لگا تب ہی رانیہ کے پاس زینب اور نور آئیں۔

احمر زینب اور نور کو دیکھتا مطمئن ہوا اور آڈیٹوریم چلا گیا۔

رانی"نور نے رانیہ کو آواز لگائی جو تیر کی سی تیزی سے آگے چل رہی تھی۔"

رانیہ نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو نور اور زینب نظر آئیں اس نے دور سے ہی اپنے کندھے سے بیگ اترا اور انہیں مارنے کی نیت سے زور سے ان کی طرف پھینکا جسے پوری مہارت سے نور نے کیچ کر لیا تھا۔

کہاں مر گئیں تھیں تم دونوں"رانیہ نے غصّے سے پوچھا۔"

نہ کرے کہہ رہی تھی آج کہہ رہی ہے کہاں مر گئیں یہ ہوتے ہیں دوست جو کل میرے مرنے پر اللہ" تھیں"زینب نے رانیہ کا موڈ ٹھیک کرنا چاہا۔

تم سے تو میں بات ہی نہیں کر رہی۔۔۔۔یہ بتاؤ تم کہاں دفع تھیں"رانیہ نے پہلا فقرہ خفگی سے زینب" سے کہا جب کے دوسرا فقرہ آستینے چڑھا کر نور سے پوچھا۔

یار دادو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی نکلتے نکلتے ٹائم لگ گیا"نور نے ڈرنے کی اداکاری کر کے ڈرتے ڈرتے" ہی کہا جیسے اسے ڈر ہو کہ رانیہ اس کی دھولائی شروع کر دے گی۔

مجھ سے کیوں بات نہیں کرو گی"زینب نے اس کا رخ اپنی طرف کر کے پوچھا۔"

تم سے میں نے منع بھی کیا تھا کہ آفس نہ جانا"رانیہ کہاں ناراض ہو سکتی تھی زینب سے پہلی ہی باری میں" بول پڑی۔

یار مجھے مصروف رہنے کی عادت ہو گئی ہے فراغت میں تم جیسے شیطان یاد آتے ہیں اسی لئے چلی گئی تھی" لیکن ہاف ٹائم کے لئے پر پھر ٹائم کا پتا ہی نہیں چلا۔۔۔۔باس کو انفارم کئے بغیر آئیں ہوں صرف تمہارے لئے "زینب نے اس کے سامنے اپنا معدّا ر کھا۔

آخری دفع معاف کر رہیں ہوں تم دونوں کو" رانیہ نے ایسے کہا جیسے کوئی بہت بڑا احسانِ عظیم کیا ہو۔"

شکریہ رانی صاحبہ "نور اور زینب نے ایک نظر آس پاس ڈالی جب کوئی نہ دیکھا تو جھک کر ایک ادا سے" رانیہ کا شکریہ ادا کیا۔

رانیہ کھکھلا کر ہنس دی اور وہ دونوں اسے یوں دیکھ مسکرا دیں۔

اب یہ تینوں آڈیٹوریم کی طرف رفتہ رفتہ قدم بڑھا رہیں تھیں جب نور نے رانیہ سے پوچھا۔

ویسے تم سے کس نے کہا تھا اتنی جلدی آنے کے لئے بندہ پوچھ ہی لیتا ہے "نور نے اسے ایک دھپ" رسید کی۔

بھول گئی تھی میں "رانیہ نے نظریں بچائے کہا۔"

اور یہاں زینب اور نور کے قدم غصّے اور حیرت سے رکے تھے وہ دونوں اب رانیہ کو گھور رہیں تھیں جو مزے سے آگے چلے جا رہی تھی۔رانیہ کو جب احساس ہوا کہ وہ اکیلی ہی چل رہی ہے تو اس نے اپنے

دائیں بائیں دیکھا جب کوئی نہ دیکھا تو پیچھے مڑ کے دیکھا وہ دونوں سینے پر ہاتھ بندھے اسے ہی گھور رہیں تھیں۔

غلطی تو انسانوں سے ہی ہوتی ہے نہ "رانیہ نے اپنی وکالت خود کی۔"

رانی۔۔۔"نور نے جب سے رانیہ کا تھما ہوا بیگ اب اس پر اسی کے انداز میں پھینکا تھا جسے رانیہ کیچ" کرنے میں بری طرح ناکام ہوئی تھی۔

اسٹیج پر اس وقت ایک گروپ کھڑا اپنا تیار کردہ ایکٹ پرفارم کر رہا تھا جسے زینب بے دلی سے دیکھ رہی تھی۔ کافی دیر سے یہی سب ہو رہا تھا ایک کے بعد ایک گروپ آتا اپنا پرفارمنس دیتا اور چلا جاتا۔ ہر ایکٹ سبق آموز تھا زینب انہی باتوں پر غور کر رہی تھی جب ایک لڑکی کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا جو کہہ رہی تھی۔

کیا بکواس ہے یار بور کر دیا ہے ان لوگوں نے تو میری ساری شام برباد کر دی کوئی تفریح ہی نہیں ہم کیا" یہاں یہ سنے آئے تھے۔۔۔حیدر ہوتا تھا تو کتنا مزہ آتا تھا ویسے علی احمر اور حاشر تو یہیں ہیں انہیں تو "پرفارم کرنا چاہیے تھا

انہوں نے کہا کہ وہ حیدر کے بغیر نہیں کریں گے" دوسری لڑکی نے علی احمر پر حاشر کے نہ پر فارم" کرنے کی وجہ بتائی۔

زینب نے ٹھیک نہیں کیا حیدر کے ساتھ۔۔۔۔ خیر میں جارہی ہوں میں اور برداشت نہیں کر سکتی یہ" سب "اس لڑکی نے مختصر سا تبصرہ کیا یوں لگا جیسے وہ خود کو اور کچھ کہنے سے باز رکھ رہی ہو اور وہاں سے چلی گئی۔

زینب کو سمجھ نہیں آیا کہ اس نے حیدر کے ساتھ کیا غلط کیا جو وہ لڑکی ایسے کہہ گئی تھی یا پھر اس لڑکی کے لئے وہ سب غلط تھا ہی نہیں جو حیدر کرتا رہا زینب کے ساتھ۔۔۔ زینب نے ایک لمبی سانس لی اور ان بیکار کی سوچوں سے خد کو آزاد کیا۔

چلو بس اب چلتے ہیں" زینب نے رانیہ اور نور سے کہا جو اس کے دائیں بائیں بیٹھی بڑے انہماک سے شو" دیکھ رہیں تھیں۔

کہاں "رانیہ نے پوچھا تو نور زینب کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔"

جتنی عوام یہاں موجود ہے ایونٹ کے اختتام پر باہر نکلنا مشکل ہو جائے گا بہتر ہے ابھی چلو" زینب نے" وجہ بتائی۔

ٹھیک ہے چلو" نور نے حامی بھری تو رانیہ کو بھی اٹھنا پڑا۔"

یہ تینوں اپنا سامان سمیٹتی باہر آگئیں تھیں۔ اندر جتنا شور تھا اس کے بر عکس یہاں سکون ہی سکون تھا۔ تازہ ٹھنڈی روح کو تسخیر کر دینے والی ہوا چل رہی تھی زینب کو یہ فضا بہت پسند تھی وہ اب خود کو پر سکون محسوس کر رہی تھی اسے شور شرابہ بلکل پسند نہیں تھا لیکن وہ یہاں صرف رانیہ کے لئے آئی تھی۔

رانیہ کب سے اپنے بیگ میں نجانے کیا ڈھونڈہ رہی تھی جو اسے مل ہی نہیں رہا تھا اسے اس طرح دیکھ نور نے پوچھ لیا۔

یار میرا موبائل نہیں مل رہا انس بھائی کو کال کرنی ہے "رانیہ نے رونی صورت بنا کے کہا۔"

دیکھو ٹھیک سے اسی میں ہو گا "زینب کے بولنے کی دیر تھی رانیہ نے اپنا پورا بیگ ہی اس کے سامنے " الٹ دیا۔ واٹر بوٹل، پنز اور ایسی بہت سی چیزیں اب زینب اور نور کے قدموں میں پڑیں تھیں لیکن موبائل موجود نہیں تھا۔

تم ویڈیو بنا رہیں تھیں نہ۔۔۔ اندر ہی رہ گیا ہے پھر "زینب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔"

میں۔۔۔" رانیہ نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ زینب نے اسے بولنے ہی نہیں دیا اور خود کہا۔

"میں دیکھ کے آتی ہوں تم دونوں یہیں انتظار کرو"

نور اور رانیہ راہداری کے کونے پر کھڑیں زینب کی منتظر تھیں تب ہی ایک لڑکا ان کے پاس آیا اور احترام سے سلام کیا۔

نور اور رانیہ اسے انجانی نظروں سے دیکھ رہیں تھیں لیکن چند لمحے بعد ہی ان کی آنکھوں میں شناسی کی چمک ابھری تھی وہ عاطف تھا۔ رانیہ نے اعتماد سے جواب دیا اور نور نے دھیمی آواز میں۔

نور ڈر رہی تھی ظاہر ہے جو اس دن عاطف کی پٹائی کی تھی اس کے بعد ڈرنے کا جواز بھی بنتا تھا۔ ایسا نہیں تھا یہاں لوگ موجود نہیں تھے انہی کی طرح بہت سے لوگ اختتام میں ہونے والے جمِ غفیر سے بچنے کے لئے پہلے ہی آڈیٹوریم سے نکل گئے تھے اور سیدھے پارکنگ ایریا اور خارجی دروازے کی طرف گامزمان تھے لیکن یہاں یہ دونوں ہی تھیں جو کافی دیر سے ایک ہی جگہ کھڑی تھیں۔

جیسا آپ نے کہا تھا میں عمل کر آیا ہوں آپ سے ایک بار پھر معافی کی درخواست کرتا ہوں" عاطف" کے لہجے میں عقیدت صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

ٹھیک ہے "رانیہ کے سمجھ نہیں آیا کیا کہے اس کے بدلے ہوئے انداز و اطوار نے جیسے رانیہ کا ذہن ہی" سلب کر دیا تھا۔

آپ نے معاف کیا" عاطف نے بچوں کی طرح چہکتے ہوئے پوچھا۔"

جی "رانیہ نے مختصر سا جواب دیا۔"

آپ نے معاف بڑی دیر سے کیا حالانکہ آپ بدلہ بھی لے چکیں تھیں" عاطف نے مسکراتے ہوئے" اس بات کا تذکرہ کیا جواب تک نہ کہی تھی۔

کو۔۔۔ن۔۔۔ن سا بدلہ "رانیہ نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔"

وہی جو آپ نے دھولائی کی تھی کتابوں سے" عاطف نے اسے یاد دلایا۔"

وہ "رانیہ کی وضاحت سے پہلے ہی عاطف بول پڑا۔"

"ٹھیک ہی کیا آپ نے اس وقت میں وہی ڈیزروہ کر رہا تھا"

جی واقعی "اب کی بار رانیہ نے بھی مسکرا کے کہا۔"

کچھ دور کھڑے احمر کی نظروں سے یہ منظر مخفی نہ رہا جو علی اور حاشر کے ساتھ ابھی آڈیٹوریم سے ہی آ رہا تھا۔ رانیہ کو عاطف کے ساتھ مسکراتا دیکھ احمر کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ علی جو اس کے پیچھے ہی کھڑا تھا سرگوشی کے انداز میں بولا تھا۔

"کہانی میں ٹوسٹ"

عاطف چلا گیا تھا لیکن احمر وہاں سے ہل نہ سکا وہ اب بھی وہیں کھڑا تھا جانے رانیہ کے چہرے پر کیا پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

نور جو رانیہ اور عاطف کی باتیں چپ چاپ سن رہی تھی عاطف کے جاتے ہی رانیہ سے سوال جواب کرنے لگی پھر کیا تھا رانیہ نے کل کی ساری روداد جو وہ وقت کی کمی کی وجہ سے بتا نہیں پائی تھی اب نور کے گوشگزر دی تھی۔

تم نے اس سے یہ سب کرایا "نور کا تو حیرت کے مارے منہ ہی کھل گیا تھا۔"

رانیہ نے خوشی سے مسکراتے ہوئے آنکھیں جھپکائیں جیسے کوئی بہت بڑا کام سر انجام دیا ہو۔

اور اس نے یہ سب کر لیا صرف تمہارے کہنے پر "نور کی حیرت کسی صورت کم نہیں ہو رہی تھی۔"

رانیہ نے اب کی بار اپنے فرضی کولر اٹھائے۔

دو ہی باتیں ہو سکتیں ہیں اس کے رویے کے پیچھے "نور نے سوچتے ہوئے کہا۔"

کون سی دو باتیں "رانیہ نے نہ سمجھی سے پوچھا۔"

پہلی تو یہ کہ اس سب کے پیچھے اس کا مقصد تم سے بدلہ لینا ہے۔۔۔ لیکن مجھے ایسا نہیں لگتا وہ اس لئے "

کہ ابھی جب تم نے اسے معاف کیا تو اس کی آنکھوں میں سچی خوشی دیکھی جاسکتی تھی "نور نے پہلی صورتِ حال کو اپنی ہی رائے دے کر رد کیا۔

اور دوسری "رانیہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔"

دوسری یہ کہ ہو سکتا ہے وہ تمہیں۔۔۔۔۔ پسند کرتا ہو "نور نے آخر کے چند لفظ جلدی میں کہے۔"

احمر جو سب سن رہا تھا کو نور کی یہ قیاس ارئیاں بلکل نہیں بھائیں تھیں اس نے اپنی مٹھیوں کو زور سے بینچ لیا تھا۔

مجھے کون پسند نہیں کرتا "رانیہ اترائی۔"

نہیں میرا مطلب ہے شاید وہ تمہیں چاہنے لگے ہیں "نور نے آنکھوں کے اشارے سے بتایا۔"

رانیہ احسن کے چاہنے والے بہت ہیں لیکن رانیہ احسان کو اپنے شہزادے کا انتظار ہے "رانیہ نے ایک" بار پھر بات ہوا میں اڑائی۔

بس یہیں احمر کا صبر کا پیمانہ لبریز ہوا اور وہ لمبے لمبے ڈگ بڑھتا ٹھیک رانیہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ رانیہ اس کی آمد پر اسے سوالیہ نظروں سے تکنے لگی احمر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے کہنا شروع کیا۔

رانیہ احسن کے چاہنے والے بہت ہوں گے لیکن رانیہ احسان سے محبّت صرف احمر وقار نے کی ہے اور " "احمر وقار محبّت کر کے عزت بنانے کا قائل ہے

احمر کے اس طرح کے اعتراف پر جہاں علی حاشر اور نور ششدر رہ گئے تھے وہیں رانیہ کو سانپ سونگ گیا تھا اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ احمر نے اس سے کیا کہہ دیا تھا۔ احمر کچھ پل اس کی حیران پریشان سی آنکھوں میں دیکھتا رہا اور پھر قدم واپسی کی جانب لئے لیکن اس کے قدم زینب کو دیکھ کر رک گئے زینب کے چہرے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ سب سن چکی تھی احمر نے اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر وہاں سے چلا گیا اور یہ سب اس کی پشت کو اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

ان کا ارتکاز فون پر آنے والی کال نے توڑا جو زینب کے ہاتھ میں موجود تھا کال رانیہ کے فون پر آ رہی تھی جو ابھی زینب آڈیٹوریم سے ڈھونڈ کر لائی تھی۔ زینب نے رانیہ کے فون کی سکرین پر انس بھائی کا نام جگمگاتا دیکھا تو فون رانیہ کی طرف بڑھایا جو آنکھوں میں نمی لئے سر نفی میں ہلا رہی تھی۔ اس سب کے دوران علی اور حاشر نہ محسوس انداز میں وہاں سے چلے گئے تھے۔ زینب نے کال اٹینڈ کی تو انس احسن کا سلام اس کی سماعتوں سے ٹکرایا۔

وعلیکم سلام۔۔۔۔۔۔میں زینب بات کر رہی ہوں رانیہ ابھی بات نہیں کر سکتی" زینب نے سلام کا جواب دیا ساتھ اپنے کال اٹینڈ کرنے کی وجہ بھی بیان کی۔

دوسری طرف انس احسن کچھ بول نہ سکے اور نہ ہی یہ اندازہ لگا سکے کہ وہ ان سے کتنے عرصے بعد ایسے ہم کلام ہوئی تھی انہیں اس کے تعارف کی ضرورت نہیں تھی وہ اسے آواز سے ہی پہچان گئے تھے کہ وہ کون تھی۔

ہیلو!!" جب کافی دیر تک انس احسن کچھ نہ بولے تو زینب کو انہیں مخاطب کرنا پڑا۔"

جی؟۔۔۔۔" انس احسن نے اپنی سوچوں کے بھنور سے نکل کے بے ساختہ پوچھا وہ سن ہی نہ سکے تھے" زینب نے ان سے کیا کہا تھا۔

رانیہ بات نہیں کر سکتی ابھی" زینب نے رانیہ کو دیکھتے ہوئے کہا جہاں بوندا باندی اب برسات میں بدل" چکی تھی۔

کیوں" انس احسن نے پریشانی سے استفار کیا۔"

وہ ابھی مصروف ہے" زینب نے یہ نہیں کہا کہ رونے میں مصروف ہے۔"

اچھا۔۔۔ویسے مجھے کام تو آپ سے ہی تھا" انس احسن نے اب اپنا مُعدّا پیش کیا۔"

جی کہیے" زینب کو عجیب لگا انس احسن کو اس سے کیا کام ہو سکتا تھا اس نے سوچتے ہوئے ہی پوچھا۔"

کیا آپ رانیہ کو آج واپسی میں اپنے ساتھ لے کے جا سکتیں ہیں دراصل ایک ارجنٹ میٹنگ آگئی ہے بابا" اور میں اسی میں مصروف ہیں۔۔۔میں آ نہیں سکتا ابھی" انس احسن نے تفصیل سے اپنا مسلہ بتاتے ہوئے رسانیت سے پوچھا۔

جی ضرور" زینب نے فوراََ حامی بھر لی۔"

انس احسن نے شکریائی کلمات کہتے کال منطقہ کر دی تھی۔

یہ لو اپنا فون اتنی دیر تک میں ڈھونڈ ھتی رہی تب ملا ہے شکر کرو کسی کی نظر نہیں پڑی ورنہ تم انس بھائی" کا انتظار ہی کر تیں رہتیں۔۔۔ان ہی کا فون تھا کہہ رہے تھے تمہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاؤں پھر بعد میں وہ تمہیں وہیں سے اپنے ساتھ لے جائیں گے" زینب نے رانیہ کا رونا نظر انداز کرتے اسے ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔

تم نے سنا نہیں احمر بھائی کیا کہہ کے گئے ہیں" زینب کا مقصد اگر اسے موضوع سے ہٹانا تھا تو ایسا نہیں ہوا تھا وہ ابھی بھی اسی کا غم منا رہی تھی روتے ہوئے بولی۔

کیا کہا ہے؟" زینب انجان بنی۔"

بتاؤ" رانیہ نے نور کو آگے کرتے اس سے کہا۔"

تم خود بتاؤ" نور نے اس کی حالت سے محظوظ ہوتے کہا۔"

تمھیں نظر نہیں آرہامیں رورہیں ہوں تم بتاؤ" رانیہ نے سون سون کرتے اسے اپنی اہم مصروفیت بتائی۔

زینب اور نور نے اپنی ہنسی دبائی۔

رانیہ احسن کے چاہنے والے بہت ہوں گے لیکن رانیہ احسن سے محبت صرف احمر وقار نے کی ہے اور"

احمر وقار محبّت کر کے عزت بنانے کا قائل ہے "نور نے شوخی سے بھرپور لہجے میں احمر کے الفاظ زینب کو سنائے۔

ایسے کب کہا تھا" رانیہ نے نور کے کندھے پر ہاتھ مارتے پوچھا آنسو اس پل میں رک سے گئے تھے۔"

تو پھر کیسے کہا تھا تم خود بتا دو" نور نے اپنا کندھا سہلاتے کہا۔"

زینی سنناتم نے احمر بھائی یہ کہہ کے گئے ہیں" رانیہ نے نور کی بات کو نظر انداز کرتے زینب سے کہارانیہ کارونا پھر شروع ہو گیا تھا۔

رانی کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے وہ ابھی صرف کہہ کے گئے ہیں" زینب نے اس کے آنسو" پوچھتے اسے سمجھایا۔

اور اگر انھوں نے ایسا کر دیا تو" رانیہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔"

تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے" زینب نے بلاتوافق جواب دیا۔"

کیسے برائی نہیں ہے۔۔۔میں کتنا اچھا سمجھتی تھی احمر بھائی کو اور وہ کیسے نکلے" رانیہ نے تاسف سے کہا۔"

لڑکی کچھ تو خیال کرو ایک لڑکا تم سے اظہارِ محبّت کر گیا ہے تم اب بھی اسے بھائی کہہ رہی ہو "نور نے "اسے چھیڑنے کے لئے کہا۔

ہاں تو یہ بیہودہ حرکت انھوں نے کی ہیں میں نے تو نہیں جو میں خیال کروں "جواب دو بدو آیا۔"

پوائنٹ "نور نے سمجھتے ہوئے حامی بھری۔"

عاطف نے کار پارکنگ ایریا سے لی اور یونیورسٹی کے دروازے پر جا پہنچا جہاں لائبہ اس کی منتظر تھی۔ لائبہ کار کا فرنٹ گیٹ کھولے سیٹ پر بیٹھی تو عاطف نے کار سڑک پر ڈال دی۔ آج ایک پل کے لئے بھی عاطف کے لبوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہوئی تھی وہ ایک انجانی خوشی کے زیر اثر خوش تھا۔لائبہ کو جو سوال پورے وقت پریشان کرتا رہا بلاخر اس نے عاطف سے پوچھ ہی لیا۔

"یہ سب کیا تھا؟"

کیا سب "عاطف سمجھ نہیں پایا اس کا اشارہ کس طرف تھا۔"

یہ سب "لائبہ نے عاطف کے سر تا پیر اشارہ کر کے بتایا۔"

کیوں تمھیں اچھا نہیں لگا "عاطف نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔"

صرف اچھا۔۔۔بہت اچھا لگا" لائبہ نے پورے دل سے تعریف کی عاطف کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی۔

شکریہ" عاطف نے سر کو ذرا خم کر کے کہا۔"

لیکن اس تبدیلی کی وجہ" لائبہ کو اب تک اپنے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔"

مجھے لگا ایک پی۔ایچ۔ڈی سٹوڈنٹ کو میچیور لگنا چاہیے" عاطف کو جو سمجھ آیا بول دیا اب یہ تو کہہ نہیں" سکتا تھا کہ اسے اس تبدیلی کی وجہ خود بھی نہیں معلوم۔

بڑی جلدی نہیں خیال آ گیا" لائبہ نے طنز کیا۔"

دیر آئے درست آئے" عاطف نے اپنا دفع کیا۔"

خیر میچیور تو آپ پہلے ہی بہت ہیں وہ تو بس یونیورسٹی میں ہی ایسے تھے۔۔۔آپ کہہ رہے ہیں تو ٹھیک" ہی کہہ رہے ہوں گے لیکن مجھے تو کچھ اور ہی لگا تھا" لائبہ کو عاطف کی بتائی گئی وجہ کچھ ٹھیک نہیں لگی۔

کیا لگا تھا؟" اس نے مسکراتے ہوئے ہی پوچھا۔"

مجھے لگا کہ۔۔۔شاید آپ کسی لڑکی۔۔۔۔کو۔۔۔پسند کرنے لگے ہیں" لائبہ نے جملے کے کئی" ٹکڑے کر کے بتایا۔

لائبہ کی بات سنتے ہی کار کی سکرین پر عاطف نے ایک لڑکی کا معصوم سا چہرہ نمودار ہوتے دیکھا ایک نام تھا جو اس کی سماعتوں کے گرد گونجا تھا ایک پل لگا تھا عاطف کی مسکراہٹ کو سمٹنے میں وہ حیران تھا ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا وہ اپنی اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔ اگلا سارا راستہ عاطف نے خاموشی سے گزارا تھا لیکن بہت سے ایسے سوال تھے جنہوں نے اس کے اندر شور برپا کر دیا تھا۔

وہ ملے

رات کافی ہو چکی تھی وہ رات کے لباس میں ہی ملبوز تھا جو اب شکنوں سے بھرا تھا اپنے کمرے میں رکھی آرام دہ کرسی پر بیٹھا جھول رہا تھا سوچ سوچ کے اس کا ذہن مفلوج ہو گیا تھا دماغ کی رگیں ابھر گئیں تھیں درد کی شدید لہر اس کے سر میں اٹھی تھی وہ خود کو ہی سمجھنے سے قاصر تھا۔

اپنے سر کو دباتے وہ کچن میں آیا تھا اس نے فریج سے پانی کی بوتل نکالی ایک ڈراؤ سے فرسٹ ایڈ باکس نکالا اس میں سے پنڈول کی دو گولیاں نکالیں اور پانی کے ساتھ نگل لیں اور یوں ہی کچھ دیر گلاس کو ہاتھ میں تھامے کھڑا رہا۔ جب ہی لائبہ نائٹ ڈریس میں ملبوز کچن میں داخل ہوئی ایک پل کے لئے عاطف کو

کچن میں دیکھ ٹھٹکی کچن کونٹر سے پانی کی بوتل اٹھائی جو ابھی عاطف نے نکالی تھی۔ گلاس میں پانی نکالے وہ گھونٹ گھونٹ پی رہی تھی اور عاطف کو بغور دیکھ بھی رہی تھی جو اس کی موجودگی سے یکسر بے خبر تھا۔

لائبہ نے عاطف کا مراقبہ توڑنے کے لئے گلا کھنکھارا جس میں وہ کامیاب بھی ہو گئی۔

آپ پریشان ہیں؟" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔"

نہیں" عاطف نے خود کو سمنبھالتے ہوئے کہا۔"

آپ مجھ سے شیّر کر سکتے ہیں" لائبہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے کہا وہ اسے ایسے دیکھ پریشان ہو گئی" تھی۔

میں تمہارے سوال کی وجہ سے پریشان ہوں" عاطف نے ہار مانتے کہا۔"

کون سا سوال" لائبہ کو یاد نہیں آیا وہ کس سوال کی بات کر رہا تھا۔"

یہی کہ کہیں مجھے کوئی لڑکی پسند۔۔" عاطف نے جملہ ادھورا چھوڑا۔"

تو" لائبہ کو اب بھی اس کی پریشانی کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔"

اگر ایسا ہوا تو" عاطف نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔"

اگر بات پسند کی ہے تو ایسا کوئی مسلہ نہیں ہے ایسی بہت سی چیزیں ہو تیں ہیں جو ہمیں پسند ہو تیں ہیں "

مسلہ تو تب ہو تا ہے جب کسی سے محبت ہو جائے کیوں کہ یہ صرف ایک سے ہی ہو تی ہے اور بہت شدید

ہوتی ہے" وہ ایک فلسفی کی طرح اسے محبّت کا فلسفہ سمجھا رہی تھی۔

اور اگر محبت ہو جائے کسی سے تو" ایک اور سوال داغا گیا۔"

تو اسے اپنا بنانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے" جواب بلا توافق آیا۔"

تمہارا مطلب ہے شادی" عاطف نے اب کی بار اس کی طرف دیکھ کے پوچھا۔"

جی" جواب مختصر دیا لیکن اسی کے انداز میں۔"

اور اگر شادی کے بعد آپ پر یہ عیاں ہو کے جس محبّت کے خاطر آپ نے شادی کی محبّت تھی ہی نہیں"

"تب کیا کرنا چاہیے

باقیوں کا مجھے نہیں پتا لیکن۔۔۔" لائبہ نے اتنا جملہ کہہ کے عاطف کی آنکھوں میں دیکھ کہا۔"

عاطف ظفر دل لگی میں بھی کسی کا دل نہیں توڑ سکتا" لائبہ کی آنکھوں اور لہجے میں اپنے بھائی کے لئے"

مان ہی مان تھا اور غلط بھی نہیں تھا وہ تھا ہی ایسا اپنا دل توڑ سکتا تھا کسی اور کا نہیں۔ وہ لوگوں کو ستا اور تنگ

کر سکتا تھا پر دل کسی کا نہیں توڑ سکتا تھا۔

لیکن کوئی بھی آپ کو اپنی بیٹی ایسے ہی تو نہیں دے دے گا میرا مطلب ہے ہمارے پرنٹس۔۔۔ آپ کو" ان سے بات کرنی چاہیے "لائبہ نے کرب سے ان کا ذکر کیا وہ کم ہی ان کی بات کیا کرتی تھی۔

پر مجھے نہیں پتا یہ پسند ہے۔۔۔۔ محبّت ہے۔۔۔ یا پھر دل لگی" وہ الجھا ہوا تھا۔"

آپ کا دل اس کا نام لے رہا ہے کیا سمجھنے کے لئے اب بھی کچھ باقی رہا ہے؟"لائبہ نے کندھے اچکا کے"

پوچھا۔

لائبہ کہہ کے کچن سے باہر گئی تو عاطف ایک بار پھر سوچنے لگا کہ اچانک ہی لائبہ دوبارہ حاضر ہوئی عاطف کے ہاتھ میں اس کا موبائل تھمایا اور کہا۔

بات کرلیں ابھی شاید اٹھالیں"وہ کہہ کے جا رہی تھی جب عاطف کے پیچھے سے آواز لگانے پر" دروازے کی چوکھٹ تھامے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

تمہیں نہیں لگتا یہ کچھ زیادہ جلدی ہو رہا ہے"عاطف نے موبائل ہوا میں لہرا کے کہا۔"

جب محبّت ہو جائے تو باقی کے مراحل بھی جلدی جلدی طے کرلینا چاہیں آہستہ آہستہ پچیدگیاں بڑھ" جاتی ہیں"اس نے ایک بار پھر اپنا فلسفہ پیش کیا۔

"لیکن جب"

اوہ گاڈ بھائی پلیز "لائبہ نے اس کی بات سمجھتے ہوئے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ وہ کم کم ہی اسے بھائی کہتی تھی اور عاطف ہمیشہ ہی دل سے مسکرا دیتا تھا۔

ویسے میں نام جان سکتی ہوں لڑکی کا "لائبہ نے اشتیاق سے پوچھا۔"

لڑکیاں جتنی حساس ہوتی ہیں ان سے کئی زیادہ حساس ان کی عزت ہوتی ہے "وہ فرش پر نظریں رکھیں" ماضی میں رانیہ کی کہی گئی بات دوہرا رہا تھا پھر اس نے نظریں اٹھائیں تھیں۔

میں بغیر کسی جواز کے اس کا نام لے کر اس کی عزت پر حرف نہیں آنے دے سکتا "اس کی آنکھوں سے" محبّت ہی محبت چھلک رہی تھی۔ وہ جذبہ جس سے وہ خود انجان تھا۔

پھر کہتے ہیں کہ محبّت نہیں ہے۔۔۔ گڈ نائٹ "لائبہ اسے جتاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔"

وہ ساری رات عاطف نے لاونج میں ٹہلتے گزاری تھی وہ بے چینی سے اپنے والدین کو کال پے کال کر تا رہا لیکن دوسری طرف اور بہت کچھ ایسا تھا جو ان دو اولادوں سے بڑھ کر تھا۔ عاطف کو جب یقین ہو گیا کہ کال رسیو نہیں کی جائے گی تو اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد ظفر صاحب کے آفس کال کی پہلی ہی بیل پر کال اٹینڈ کر لی گئی۔

عاطف نے جب اس لڑکی سے ظفر صاحب کے متعلق سوال کئے تو پتا چلا کہ وہ کسی بہت اہم میٹنگ میں مصروف تھے اس نے کال ڈسکانیکٹ کی اور صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھا سر صوفے کی پشت

سے ٹکائے اس نے ایک سرد آہ ہوا کے سپرد کی میکانکی انداز میں اس کی نظر گھڑی پر پڑی بے یقینی سی بے یقینی تھی وہ پلکیں نہیں جھپکا پایا صبح کے پانچ بج رہے تھے اگلے ہی لمحے اذانوں کی آوازیں اس کی سماعتوں سے ٹکرائیں۔

یہ وقت، وقت کے ساتھ ساتھ بہت کچھ عیاں کر دیتا ہے اس لمحے عاطف پر بھی یہ عیاں ہو گیا تھا کہ ہو سکتا تھا کہ وہ رانیہ سے محبّت نہ کرتا ہو پر۔۔۔ پر وہ زندگی اسی کے ساتھ گزرنا چاہتا تھا اسی کو اپنی زندگی کے سفر میں بطور ہمسفر منتخب کرنا چاہتا تھا۔

وہ ایک فیصلہ کُن نتیجے پر پہنچتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

مسلسل بجتے الارم نے اس کی نیند میں خلل پیدا کیا تھا اس نے سائیڈ ٹیبل سے ٹٹول کے فون اٹھایا الارم بند کیا اور کچھ دیر یوں ہی لیٹی رہی پھر اٹھ کر اپنے ورڈروب کا رخ کیا اس میں سے ایک پینٹ شرٹ کا انتخاب کرتی وہ شاور لینے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واشروم سے نکلی۔ ڈریسنگ کے آگے کھڑے ہو کے اپنے گیلے بالوں کو ڈرائیر سے خشک کرتے انہیں سیٹ کیا اور خود پر ایک بھرپور نگاہ ڈالے وہ کچن میں گئی جہاں نورین بی بی ناشتہ تیار کر رہی تھیں۔ ڈائننگ کی نشتست سنبھلتے اسنے ملازمہ سے پوچھا۔

عاطف کہاں ہے؟"

وہ تو ابھی تک اٹھے ہی نہیں" ملازمہ نے ناشتہ سرو کرتے بتایا۔"

کیا!!۔۔۔۔۔لیکن وہ تو اتنی دیر نہیں سوتے" اسے حیرت ہوئی۔"

ہو سکتا ہے طبیعت ٹھیک نہ ہو" انہوں نے قیاس کیا۔"

ملازمہ کی بات سنتے اسے یاد آیا کہ رات کو عاطف پریشان تھا کہیں واقعی طبیعت تو خراب نہیں ہو گئی۔

اسنے سوچتے ہوئے کہا۔

"میں دیکھ کے آتی ہوں"

عاطف کے کمرے کے پاس پہنچی تو دروازے پر ایک لفافہ چپساں تھا وہ اسے پکڑے کمرے میں داخل ہوئی جو خالی تھا باتھروم چیک کیا وہاں بھی کوئی نہیں تھا پھر اسنے اپنے ہاتھ میں پکڑے لفافے کو چاک کیا اور اس میں سے کاغذ نکلتے اپنے سامنے کیا جس میں لکھا تھا۔

لائبہ تم نے کہا تھا اِٹ اِس لؤ۔۔۔۔میں ابھی بھی یہی کہوں گا کہ مجھے نہیں پتا کے سچ میں ایسا ہے بھی یا" نہیں لیکن۔۔۔یہ جو وقت ہے نا اس نے مجھے لاعلم کر دیا ہے اس بات سے کہ میں اسے اپنی زندگی میں چاہتا ہوں۔۔۔میں اسکے ساتھ اچھے برے دن دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔میں اسی کے ساتھ جینا اور اسی کے ساتھ مارنا چاہتا ہوں۔۔۔۔میں نے بہت کوشش کی تھی کل رات بہت کالز کیں تھیں اپنے پرنٹس کو پروہ بزی ہیں ہمیشہ کی طرح۔۔۔میں ایک آخری کوشش کرنے جا رہا ہوں۔۔۔میں ہمارے

پرنٹس سے ملنے جارہاہوں دعا کرنا کہ وہ مصروف نہ ہوں اور یہ بھی کہ عاطف نے زندگی سے پہلی بار کچھ مانگاہے زندگی اسے مایوس نہ

" کرے

لائبہ اسکے لئے پورے دل سے دعا گو تھی۔

اس رات کو آج تین ہفتے گزر گئے تھے نہ احمر نے رانیہ سے کبھی بات کی نہ رانیہ نے احمر سے جب بھی دونوں کا آمنہ سامناہوتا رانیہ خفگی سے رخ پھیر اپنا راستہ ہی بدل دیتی۔

آج اتوار کا دن تھا رانیہ لاونج میں بیٹھی بہت انہماک سے ٹی۔وی دیکھ رہی تھی جسے بلال نے آ کے توڑا رانیہ نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورا۔

آپ کو بھائی بلا رہے ہیں اپنے کمرے میں "بلال نے فوراً کہا۔"

رانیہ ٹی۔وی بند کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔انس احسن کے کمرے کے باہر وہ اپنے بلائے جانے کی وجہ سوچ رہی تھی۔اس نے ہلکی سی دستک دی اور جواب موصول ہونے پر اندر چلی آئی۔

بیٹھو "انس احسن نے کتاب کو اسٹڈی ٹیبل پر رکھا شاید وہ کچھ دیر پہلے اس کا مطالع کر رہے تھے۔انس" احسن کے کہنے پر رانیہ بیڈ پر ٹک گئی اور انس احسن کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرنے لگی۔

دو ہفتے پہلے کچھ لوگ تمہیں دیکھ کے گئے تھے کیسے لگے تمہیں وہ لوگ؟" انس احسن نے اسی موضوع" پر بات شروع کی جس سے رانیہ بچنا چاہ رہی تھی۔

بس ٹھیک تھے" رانیہ نے جان چھڑانی چاہی۔"

انس احسن نے کچھ سمجھتے ہوئے سر کو جنبش دی اور ایک لفافہ رانیہ کی طرف بڑھایا جسے رانیہ نے آگے بڑھ کر تھام لیا۔

یہ کیا ہے؟" رانیہ نے ذہن میں آیا سوال کیا۔"

اس میں لڑکے کی تصویر ہے تم دیکھ لو۔۔۔ ہم سب کو یہ رشتہ بہت اچھا لگا ہے لڑکا اور خاندان دونوں ہی" اچھے ہیں۔۔۔ اب ہم تمہارے جواب کے منتظر ہیں" انس احسن نے تفصیل سے بتایا۔

رانیہ کو سمجھ نہیں آیا سب کو اس کی شادی کی جلدی کیوں تھی ابھی تو اس کی اسٹڈیز بھی مکمل نہیں ہوئیں تھیں۔

اس نے بے دلی سے لفافہ چاک کیا اور تصویر نکالی تصویر میں موجود شخص بہت شناسا سا تھا وہی آنکھیں وہی چہرہ وہی بال اور وہی مسکراہٹ۔۔۔ رانیہ پتا نہیں کتنی دیر اس تصویر کو بے یقینی کے عالم میں دیکھتی رہی جب بار بار آنکھیں جھپکنے سے بھی منظر نہیں بدلا تو رانیہ پر یہ ظاہر ہو گیا وہ کوئی اور نہیں تھا وہ وہی

تھا۔ وہ جو کہہ گیا تھا اس پر عمل بھی شروع کر دیا تھا اس نے۔ رانیہ نے تصویر واپس لفافے میں ڈالی اور بیڈ پر پٹخنے کے سے انداز میں رکھی۔

انس احسن اس پورے وقت میں اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ ملاحظہ فرما رہے تھے۔

تو تمہارا جواب کیا ہے؟" انس احسن نے ایک بار پھر پوچھا۔"

نہیں" رانیہ نے قطعیت سے انکار کیا۔"

وجہ" انس احسن نے تحمل سے پوچھا جیسے انھیں علم ہو کہ انکار ہی کرے گی۔"

کیوں کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟" رانیہ نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔"

ظاہر ہے شادی دو فریق کی رضامندی سے ہی ہوتی ہے یہ تو کوئی وجہ نہیں ہوئی کیا تم ایسے شخص سے" شادی کرو گی جو تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا ہو" انس احسن نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

رانیہ اب خود کو ملامت کر رہی تھی اب وہ بھائی سے یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ مجھ سے محبّت کرتے ہیں اس لئے میں ان سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔

کوئی معقول وجہ" انس احسن نے ایک بار پھر پوچھا۔"

بس مجھے نہیں کرنی ان سے شادی" رانیہ نے بچوں کی طرح ضد کرتے کہا۔"

رانیہ بچی مت بنو اتنے اچھے رشتے بار بار تو نہیں آتے اور پھر تمھارے انکار کرنے کی کوئی ٹھوس وجہ بھی ہو۔۔۔ تمہارے پاس وقت ہے جب کوئی مضبوط وجہ مل جائے تو بتا دینا مجھے میں وہیں سب کچھ روک دوں گا۔۔۔ اگلے ہفتے کی تاریخ دے رہا ہوں میں نکاح کے لئے" انس احسن غصّے سے کہتے کہتے نرم ہوئے تھے۔

نکاح کیوں میرا مطلب ہے منگنی "رانیہ کی بات ہونے پہلے ہی انس احسن بول پڑے۔"

اس کا کہنا ہے کے وہ تمہیں پورے کا پورا اپنا بنانا چاہتا ہے صرف نام سے منسوب نہیں کرنا چاہتا بلکہ " صرف اپنی ذات سے منسوب کرنا چاہتا ہے" انس احسن نے لبوں میں مسکراہٹ سجائے کہا۔

رانیہ کا چہرہ یک دم لال ہوا تھا وہ کیا سب کہتے رہے تھے بھائی سے رانیہ کو اندازہ ہو رہا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ اس کے انکار کو کسی خاطر میں نہیں لے رہے تھے۔

رانیہ کو احمر پر اب اور غصّہ آ رہا تھا اس نے نور اور زینب سے بھی اس متعلق بات کی لیکن کوئی اس کی بات سننے کو ہی تیار نہیں تھا سب کو وہ اچھا لگتا تھا اور اسے وہ برا لگتا تھا اس نے کتنی دلیری سے اپنی محبّت کا اظہار کر دیا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو اور تو اور گھر تک پہنچ گیا اور رشتہ بھی مانگ لیا جب کے رانیہ کے ذہن میں دور دور تک شادی کا خیال بھٹک بھی نہیں رہا تھا۔

احمر نے ایم۔بی۔اے کے لاسٹ سمسٹر کے پیپر دے دئے تھے اور اب وہ سب ہی نتائج کے انتظار میں تھے جب یونیورسٹی کی طرف سے ایک ایونٹ منعقد ہوا چونکہ نتائج نہیں آئے تھے تو یہ اب بھی سٹوڈنٹ ہی تھے اور بطور سٹوڈنٹ اپنا آخری ایونٹ اٹینڈ کر رہے تھے۔

ایونٹ کی رات جب احمر نے رانیہ اور عاطف کو ساتھ دیکھا تو احمر پر یہ حقیقت کھل گئی تھی کہ رانیہ کے لئے بہت سے امیدوار ہوں گے پر۔۔۔۔پر اب احمر کے لئے صرف رانیہ تھی۔احمر نے اس دن جو بھی رانیہ سے کہا وہ یک دم نہیں تھا دل کی یہ خواہش تھی جو اس طرح لبوں پر آئی تھی اور پھر اپنے کہے کو حقیقت بنانے میں احمر نے دیر نہیں کی تھی اگلے دو دن میں گھر میں بات کر چکا تھا اور زہرہ بیگم تو فوراً راضی ہوں گئیں تھیں وہ اپنے بیٹے کی پسند دیکھنے کے لئے بہت آئیکسیٹڈ تھیں اور پھر جب وہ رانیہ کے گھر اسے دیکھنے گئیں تو پھر دیکھتی ہی رہیں انھیں یہ معصوم سی گڑیا اپنے بیٹے کے لئے بے حد پسند آئی تھی انھوں نے فوراً حامی بھر لی تھی۔

اندر گھر کے بڑے موجود تھے جب کے باہر گارڈن میں انس احسن احمر کے ساتھ بیٹھے تھے ان کے کھانے پینے کا بندوبست بھی یہیں کیا گیا تھا۔انس احسن ہلکی پھلکی سی بات چیت کر رہے تھے شاید وہ ایک دم موضوع پر نہیں آنا چاہتے تھے یہ سمجھتے ہوئے احمر نے بات کا آغاز کیا۔

میں رانیہ کی یونیورسٹی کا سٹوڈنٹ ہوں اسی سال میں نے اپنا ایم۔بی۔اے مکمل کیا ہے۔۔۔۔۔مجھے "
نہیں پتا میں کب اسے چاہنے لگا پر اتنا پتا ہے کہ اسے اپنا بنانا ہے "اس نے آج بھی اتنی ہی بہادری سے
اقرار کیا تھا جتنا پہلے کر چکا تھا اس نے آنکھیں نہیں جھکائیں تھیں وہ آنکھیں ملائے بات کر رہا تھا۔

کیا رانیہ کو پتا ہے ؟"انس احسن نے اپنی حیرت چھپائی۔ "

ایونٹ والی رات بتایا تھا رو دی تھی "احمر نے بمشکل خود کو ہنسے سے روکا تھا۔ "

کیوں ؟"انس احسن نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "

شاید اسے مجھ سے یہ توقعات نہیں تھیں "احمر نے وہ وجہ بتائی جو اسے سمجھ آئی اور جو سچ بھی تھا۔ "

میری پوری فیملی یہاں پہلے سے ہی رضامند ہو کے آئی ہے میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں "احمر نے "
بغور انہیں دیکھتے ہوئے کہا جو کچھ سوچ رہے تھے۔

مجھے وقت درکار ہے "انس احسن نے وقت منگا۔ "

جی ضرور۔۔۔۔۔میں یہ بات بھی کرنا چاہتا تھا کہ جب آپ کی رضامندی شامل ہو جائے گی تو میں رانیہ "
سے نکاح کرنا چاہوں گا "وہ یقین سے بولا۔

ہو سکتا ہے جواب منفی ہو۔۔۔۔۔اور صرف نکاح کیوں "انس احسن کو اس کے یقین نے سوال کرنے "
پر اکسایا۔

جواب مثبت ہی ہو گا۔۔۔۔اور نکاح اس لئے کیوں کہ رانیہ کی اسٹڈیز ابھی مکمل نہیں ہوئیں "اس" نے نکاح کرنے کی وجہ بیان کی۔

نکاح ہی کیوں منگنی بھی تو ہو سکتی ہے "ایک اور سوال کیا گیا۔"

کیوں کہ میں اسے پورے کا پورا اپنا بنانا چاہتا ہوں صرف نام سے منسوب نہیں کرنا چاہتا میں اسے اپنی "ذات سے منسوب کرنا چاہتا ہوں

ابھی کیوں رانیہ کی اسٹڈیز ختم ہونے کے بعد بھی یہ سب ہو سکتا تھا؟" انس احسن ساری گرہیں آج ہی کھولنا چاہتے تھے۔

مجھے آج اسے اپنا بنانا ہے تا کہ کل اسے کھونے کا ڈر میرے دل میں نہ ہو" اس کے لہجے میں محبّت صاف" محسوس کی جاسکتی تھی۔

احسن ملک کی طرف سے دو ہفتے بعد مثبت جواب آ گیا تھا اور نکاح کے لئے جمعہ کا دن تجویز کیا گیا تھا جس پر سب ہی راضی تھے۔

احمر اپنی محبّت کی داستان پہلے ہی حیدر کو سنا چکا تھا۔ اس کو حیرت ہوئی جب لڑکی کا نام سن کر حیدر نے نہ تو غصّہ کیا اور نہ ہی کوئی ناراضگی ظاہر کی وہ پہلے کی طرح نارمل ٹون میں بات کر رہا تھا اور اس کے لئے خوش بھی تھا۔

آج وہ اسے اپنی خوشی میں شامل ہونے کی دعوت دینے کے لئے فون کر رہا تھا جو کافی انتظار کے بعد ہی سہی لیکن اٹھالیا گیا تھا۔ سلام دعا کے بعد اس نے حیدر کو اپنے نکاح پر معدو کیا جس کے جواب میں حیدر نے کہا۔

"میں نہیں آسکتا"

کیوں نہیں" احمر نے بلاتوافق پوچھا۔"

احمر کے اس سوال پر حیدر نے خالی الذہنی سے اپنے کیبن پر نظر دوڑائی جواب کہیں نہیں تھا نہ دل میں
" کہیں نہ ہی دماغ میں وہ خود نہیں جانتا تھا" کیوں نہیں

تم کب تک اسی طرح ناراض رہو گے ؟" احمر نے خفگی سے پوچھا۔"

میں کسی سے ناراض نہیں ہوں" اس کا لہجہ مدھم تھا۔"

میں نکاح تب ہی کروں گا جب تم یہاں ہو گے ورنہ نہیں" وہ ضدی ہوا۔"

اگر تم نے نکاح نہیں کیا احمر تو ہماری دوستی کبھی تھی بھی یہ بھول جانا اور تم اچھے سے جانتے ہو پتھر پر" کھینچی لکیر تو شاید بدل جاتی ہو لیکن حیدر عبّاس کے کہے لفظ کبھی نہیں بدلتے" وہ اپنے لفظوں پر زور دیتا بولا۔

لیکن حیدر تم میرے اتنے اہم دن میرے ساتھ نہیں ہو گے" اس نے ایموشنل کرنا چاہا۔"

بے فکر رہو تمہاری دلہن کو رخصت کرانے ضرور آؤں گا" وہ مسکرایا تھا ان گزرے مہینوں میں پہلی" بار۔

تمہیں بہت مس کرتا ہوں اور اب لگتا ہے اور بھی کروں گا" وہ اداس ہوا۔"

میں کچھ وقت اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔۔۔ کچھ وقت اپنے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔۔۔ کچھ سوال ہیں میں" ان کے جواب چاہتا ہوں خود سے۔۔۔ پھر آجاؤں گا ویسے بھی ابھی کنٹریکٹ ختم ہونے میں وقت ہے میں اسے ادھورا چھوڑ کے نہیں آسکتا" وہ بھی اداس تھا پر اپنی اداسی چھپا گیا تھا۔

تمہارا انتظار رہے گا" احمر صرف اتنا ہی کہہ پایا۔"

اگلا پورا ہفتہ رانیہ نے ایسی ایسی وجوہات انس احسن کو پیش کیں جو شاید ہی کسی نے پیش کیں ہوں جیسے کے آپ نے ٹھیک سے دیکھا نہیں اس کی آنکھیں بینگی ہیں ناک سہی نہیں ہے ہنستا اچھا نہیں ہے بال

سلکی نہیں ہیں اس نے اس ایک تصویر کو اس ایک ہفتے میں نجانے کتنی بار دیکھا تھا اور اس میں سے وہ خرابیاں دریافت کیں جو اس میں تھیں ہی نہیں۔ وہ ایسے احمر کو جج کر رہی تھی جیسے عموماً لڑکیوں کو کیا جاتا ہے۔

ایک دن تو حد ہی ہو گئی جب اس نے انس احسن سے کہا کہ اس کی آنکھیں کنچی ہیں اور کنچی آنکھوں والے مرد بے وفا ہوتے ہیں انس احسن کا دل کیا اپنا سر دیوار سے پٹخ دیں لیکن اسے صرف سخت قسم کی گھوری سے نواز کے چلے گئے رانیہ کو ان کے ردِ عمل کی وجہ سمجھ نہیں آئی یہ تو بہت ٹھوس وجہ تھی وہ بے وفا ہیں وہ بس کندھے اچکا کر رہ گئی۔

بلاخر وہ دن بھی قریب آ گیا جب اسے اس کا ہونا تھا اور اب رانیہ کو نئی فکر لاحق ہو گئی تھی وہ اپنے اتنے خاص دن زینب کو اپنے ساتھ چاہتی تھی پر زینب نے آنے سے منع کر دیا تھا اور کیوں کیا تھا وجہ رانیہ جانتی تھی۔۔۔ نیلم بیگم جو یقیناً اسے یہاں دیکھ غصّے سے پھٹ ہی پڑتیں جو کم از کم زینب نہیں چاہتی تھی اگر کوئی کچھ کر سکتا تھا تو وہ انس احسن تھے وہ ضرور کوئی راستہ نکال لیتے اس نے سوچا اور بیڈ پر پڑا اپنا دوپٹہ اٹھایا سلیپیرس پیروں میں ڈالیں اور انس احسن کے کمرے میں پہنچ گئی۔

بھائی" اس نے انہیں مخاطب کیا جو ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے کال پر کسی سے بات کرنے میں" مصروف تھے۔

آئی کال یو بیک "انہوں نے رانیہ کی پریشان صورت دیکھ کال پر کہا۔"

کیا ہوا ہے رانیہ "انہوں نے فکر مندی سے استفسار کیا۔"

بھائی میں آپ کے فیصلے پر رضامند ہوں لیکن آپ کو مجھ سے وعدہ کرنا ہو گا کہ نکاح کے وقت زینب میرے ساتھ ہو گی میں نے اسے آنے کو کہا پر اس نے انکار کر دیا" رانیہ نے آنکھوں میں نمی لئے کہا۔

بس اتنی سی بات۔۔۔۔وعدہ "انس احسن نے اسے اپنے ساتھ لگائے کہا۔"

سچ "رانیہ کی نم آنکھوں میں خوشی کی لہر واضح دیکھی جا سکتی تھی۔"

بکل سچ "انس احسن نے سر کو ہلکی سے جنبش دی اور مضبوط لہجے میں کہا۔"

صبح کا پر نور سورج طلوع ہونے سے پہلے بہت سے ایسے ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں صرف رانیہ کے لئے دعا گو تھے کہ اس کی آنے والی زندگی خوشیوں سے بھری ہو اسے زندگی کی ہر خوشی دیکھنی نصیب ہو لیکن رانیہ۔۔۔رانیہ نے آج بھی اپنی دعا نہیں بدلی تھی وہ خود کو بھلائے آج بھی زینب کے لئے خوشیاں مانگ رہی تھی ڈھیر ساری خوشیاں۔۔۔۔اور ایسا ہو سکتا تھا بھلا کہ نورِ خدا اس شخص کو خوشیوں سے محروم رکھتا جو دوسروں کی خوشیاں اتنی دل جمعی سے مانگتا ہو۔

نکاح چونکہ سادگی سے ہونا تھا اسی لئے احسن صاحب نے قریب کے رشتے داروں کو مدعو کیا تھا جو سب لاونج میں محفل لگائے بیٹھے تھے جن میں رانیہ بھی تھی اور اکتائی ہوئی مہندی لگوا رہی تھی اس کے گورے گورے سرخی مائل ہاتھ پیروں میں آج احمر کے نام کی مہندی لگی تھی جو یقیناً بہت گہرا رنگ چھوڑنے والی تھی۔

اس کی کمر بیٹھے بیٹھے اکڑ گئی تھی کچھ دیر آرام کی نیت سے نور کے ہمراہ اپنے کمرے میں آئی دروازہ وا کرتے ہی بیڈ پر بیٹھے نفوس کو دیکھ رانیہ کی اکتاہٹ پل میں غائب ہوئی تھی دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا اس نے زینب کو گلے لگایا جس میں خلل دروازے کی دستک نے پیدا کیا چونکہ رانیہ کے ہاتھوں میں مہندی لگی تھی اسی لئے دروازہ نور نے کھولا اور رانیہ آگے کھڑی ہو گئی دروازے کے فریم میں انس احسن کا چہرہ دیکھ رانیہ وہی عمل دوہرانے والی تھی جب انس احسن نے ایک ہاتھ اٹھائے مسکراتے ہوئے کہا۔

"رانی مہندی"

کیا بھائی۔۔۔۔ آئی لو یو بھائی آپ دنیا کے سبببب سے اچھے بھائی ہیں "رانیہ پہلے خفگی سے بولی اور پھر یک دم خوشی سے چہکتے ہوئے "سب" کو کافی کھینچ کے بولی۔

وہ تو میں ہوں "انس احسن نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ حامی بھری۔"

انس احسن نے اپنے دوسرے ہاتھ میں تھاما رانیہ کا آج کا جوڑا نور کو دیا اور واپسی کی راہ لی۔

زینب پہلے بھی کئی بار رانیہ کو سمجھا چکی تھی لیکن شاید رانیہ کو سمجھ نہیں آیا تھا یا پھر دیر سے آنا تھا۔ زینب نے اس کا بازو تھامے اسے بیڈ پر بٹھایا اور خود گھوٹنوں کے بل اس کے پاس بیٹھ گئی۔ زینب نے بینا تمہید بندھے بولنا شروع کیا۔

تم ابھی احمر بھائی کو پسند نہیں کرتیں پر انشاءاللہ وقت کے ساتھ ساتھ کرنے لاگو گی تمہیں لگ رہا ہو گا کہ " کوئی تمہاری بات کو۔۔۔ تمہارے انکار کو اہمیت نہیں دے رہا ایسا اس لئے ہے کیوں کہ احمر بھائی ایک بہت اچھے انسان ہیں اور پھر وہ تم سے محبّت بھی کرتے ہیں اور سب سے اہم بات وہ دنیا کے سامنے تمہیں یعنی اپنی محبّت کو قبول کرنے کی ہمّت رکھتے ہیں وہ تمہیں اپنانا چاہتے ہیں تمہیں اپنی عزت بنانا چاہتے ہیں اگر وہ غلط ہوتے تو نہ بات گھر تک پہنچتی نہ ہی نکاح تک وہ تمہارے ساتھ ڈیٹنگ کرتے جو آج کل کے نوجوان بہت شوق سے کرتے ہیں وہ تمہارے ساتھ وہ رشتہ قائم کرنا چاہتے ہیں جو اللہ نے آدمؑ اور بی بی حوا کے درمیان قائم کیا تھا خالقِ کائنات کا تخلیق کیا گیا پہلا اور پاکیزہ رشتہ۔۔۔ تمہیں احمر بھائی کی محبّت پر یقین نہیں ہے لیکن کیا جان چھڑکنے والے اپنے بھائی کی محبّت پر بھی یقین نہیں ہے کیا؟ میری اور نور کی محبّت پر بھی یقین نہیں ہے؟ تمہیں کیا لگتا ہے اگر کچھ غلط ہو رہا ہوتا تو کیا انس بھائی یا ہم میں سے کوئی چپ رہتا اور ہونے دیتا کچھ بھی تمہارے ساتھ۔۔۔ تمہیں آج اس رشتے کو پورے دل سے قبول کرنا ہے تم کرو گی نہ " زینب نے اسے سمجھایا اور آخر میں سوال بھی کیا۔

تم ساتھ ہو گی تو ضرور" رانیہ نے دھیمی آواز میں کہا۔"

اور میں "نور نے منہ پھلائے پوچھا۔"

تم بھی "رانیہ نے دانت دکھاتے کہا۔"

دروازے میں حرکت ہوئی تو زینب جھٹ سے پردے کے پیچھے چپ گئی اور آنے والی کوئی اور نہیں نیلم بیگم تھیں جو کافی جلدی میں تھیں لیکن نور اور رانیہ کے تاثرات دیکھتے انہوں نے پوچھا۔

"تم دونوں کی ہوائیاں کیوں اڑی ہوئی ہیں"

انٹی میری تو نہیں البتہ رانیہ کی صبح سے ہی اوڑی ہوئی ہیں "نور نے بات دبانی چاہی۔"

میری کیوں اوڑنے لگیں؟ "رانیہ نے اس کا برابر ساتھ دیا۔"

ان کو ایک نئ بھنس میں پڑتا دیکھ نیلم بیگم نے حکم سنایا۔

"رانیہ اب تیاری پکڑو ظہر کے فوراً بعد نکاح ہے نور بیٹا آپ دیکھ لو ورنہ اس نے نجانے کب تیار ہونا ہے"

جی انٹی "نور نے تابیداری سے کہا۔"

نیلم بیگم دونوں کی طرف ایک مسکراہٹ اچھالتے کمرے سے چلی گئیں۔

بچ گئے "ان کے جاتے ہی رانیہ نے بیڈ پر دھڑم سے گرتے ہوئے اور نور نے بیڈ پر اسی کے انداز میں" بیٹھتے ہوئے ہم آواز کہا۔

زینب پردے کے پیچھے سے نکلی اور ان دونوں کے ساتھ بیڈ پر جا بیٹھی ساتھ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"ڈرامے باز"

نور اور زینب نے کچھ اشاروں کا تبادلہ کیا پھر نور نے رانیہ کا دائیں جب کے زینب نے رانیہ کا بائیں ہاتھ تھاما اور اسے گھسیٹ کے بیڈ سے اٹھا۔

مادام آپ نے تیار بھی ہونا ہے "زینب نے اسے یاد دلایا۔"

بھلا مجھے کسی تیاری کی ضرورت ہو سکتی ہے؟ "رانیہ نے آنکھیں پٹپٹاتے پوچھا۔"

نہیں بکل نہیں۔۔۔۔۔۔ جب احمر بھائی کو تم سے پسینے اور بدبو سے بھری ہوئی حالت میں محبّت ہو گئی تو" آج تو وہ تمہارے عاشق ہی ہو جائیں گے "نور نے زینب کے کندھے پر کونی رکھے رانیہ کو چھیڑا۔

نوررررررراب تم نہیں بچو گی "رانیہ نے چیختے ہوئے نور پر ہاتھ ڈالنا چاہا جو زینب کے پیچھے چھپ گئی" تھی۔

رانی کچھ تو لحاظ کرو تم دلہن ہو "زینب نے ان دونوں کے بیچ کھڑے ہی کہا۔"

دلہن بننا نہ ہوا کوئی جرم سر لینا ہو ایہ نہیں کر سکتی وہ نہیں کر سکتی "رانیہ نے تپے ہوئے انداز میں کہا۔"

جاؤ جا کے تیار ہو "زینب نے اسکی بات پر مسکراتے ہوئے کہا۔"

رانیہ بچوں کی طرح نور کو منہ چڑاتی اپنا جوڑا لئے باتھروم میں بند ہو گئی۔

کچھ دیر بعد جب رانیہ باتھروم سے نکلی تو اس نے ہاف وائٹ رنگ کا ہلکا سا کامدار جوڑا زیب تن کیا ہوا تھا یہ رنگ اسکی گوری رنگت پر خوب بچ رہا تھا مہندی جو وہ دھو چکی تھی اس کا رنگ بہت گہرا آیا تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے وہ ایسے ہی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

دکھاؤ رانی۔۔۔۔اوہو مہندی کا رنگ تو بڑا گہرا آیا ہے "نور نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیتے شوخی سے ایک بار پھر رانیہ کو چھیڑا۔

تمہارا ابھی پہلا حساب کلیر نہیں ہوا ہے اسی لئے ذرا سنبھل کر "رانیہ نے وارن کیا۔"

سنبھلنے کی ضرورت تو آج احمر بھائی۔۔۔۔"نور نے ابھی یہی کہا تھا کہ ڈریسنگ ٹیبل کی چیئر پر بیٹھتی" رانیہ اسکی بات سمجھتے ہوئے ایک جھٹکے سے مڑی تھی اور اسکے پیچھے بھاگی تھی۔ایک دوسرے کو کوشنس مارتیں وہ ایک دوسرے کے پیچھے پیچھے تھیں اور کچھ ہی دیر میں کمرے کا نقشہ بدل چکیں تھیں۔

زینب انکی چھیڑ چھاڑ سے محظوظ ہو رہی تھی لیکن جب ان دونوں نے رکنے کا نام نہیں لیا تو زینب بول پڑی۔

"رانی بس"

تم نے سنا نہیں اس نے کیا کہا تھا "رانیہ نے شکایتی انداز میں کہا۔"

کیا کہا تھا میں نے "نور ایک بار پھر شوخ ہوئی۔"

رانیہ نے التجائی نظروں سے زینب کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو اسے چپ کرا دو جسے سمجھتے ہوئے نور بولی۔

"اچھا بھئی ٹھیک ہے کچھ نہیں کہہ رہی"

آؤ بیٹھو "زینب نے اسے پکڑے چیئر پر بٹھایا اور وہ دونوں اسے تیار کرنے لگیں۔"

وہ دیر کی محنت کے بعد وہ دلہن بنے ان کے سامنے تھی زینب نے اسے آئینے میں دیکھ تعریف کی۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو"

بکل۔۔۔۔بہتتتت پیاریی "نور نے زینب سے متفق ہوتے کہا اور ساتھ پوچھا بھی۔"

"اب چلیں ٹائم ہو گیا ہے"

ہاں چلو "رانیہ نے زینب کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔"

رانی میں نہیں آسکتی۔۔۔میں تمہارا اتنا خاص دن برباد نہیں کرنا چاہتی "زینب نے رانیہ سے اپنا ہاتھ "

چھوڑاتے کہا رانیہ اسے کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح دیکھنے لگی۔

تم نہیں آؤ گی تو وہ ویسے بھی ہو جائے گا زینی "وہ رو دینے کو تھی۔"

رانی نہیں رونا نہیں ہے۔۔۔۔ہماری دوستی فصلوں کی تو محتاج نہیں ہے ہم کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں ہم "

ہمیشہ ساتھ ہیں۔۔۔۔ہیں نہ ؟"زینب نے تزدیق چاہی۔

رانیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور پھر نور بھی تو ہے تمہارے ساتھ"

زینب نے اس کے کان میں بلتوتھ لگائی۔

میں وہاں بھی تمہارے ساتھ ہوں گی اس کے ذریعے "زینب نے اس کا گال تھپکا۔"

رانیہ نے زینب کو گلے لگایا اور نور بھی ان کے ساتھ لگ کے کھڑی ہو گئی اور پھر رانیہ چلی گئی اس کے جاتے ہی زینب نے بھی اپنی راہ لی۔

نکاح کی تقریب چونکہ ڈرائنگ روم میں ہونا طے پائی تھی اسی لیے آج اس کی سیٹنگ کو تبدیل کیا گیا تھا۔

کمرے کے دونوں اطراف براؤن رنگ کے صوفے سیٹ ایک صفت میں رکھے گئے تھے اور کھڑکیوں پر سفید رنگ کے نیٹ کے مگر خوبصورت سے پردے ڈالے گئے تھے کمرے کے وسط میں نیٹ کا ہی ایک بڑا سا فریم رکھا گیا تھا جس کا مقصد دونوں جگہوں کو جدا کرنا تھا۔

احمر کی پوری فیملی اور فرینڈز (حاشر، علی) کا استقبال کافی گرم جوشی سے کیا گیا۔

علی اور حاشر نے یک رنگ کا سوٹ زیب تن کیا تھا وہ رائل بلو رنگ کے کرتے پاجامے میں ملبوز گرے رنگ کی واسکٹ پہنے بہت ہینڈسم لگ رہے تھے۔

سب مہمانوں کو پھولوں کے ہار پہنائے اور ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا ظہر کی نماز کی ادائیگی کے بعد سب ایک بار پھر اسی جگہ موجود تھے کچھ ہی دیر میں انس احسن کی تقلید میں قاضی صاحب تشریف لائے اور مردوں کی سائیڈ پر بیٹھ گئے۔

اب سب کو رانیہ کے آنے کا انتظار تھا اور یہ انتظار زیادہ طویل نہیں ہوا تھا وہ نور کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوئی تھی پیروں میں بریک نگوں کے کام والی سلیپیرس پہنی تھیں جس میں سے مہندی کے نقش ونگار بآسانی دیکھے جاسکتے تھے ہاف وائٹ جوڑا پہنے بائیں کندھے پر لال چنری لٹک رہی تھی سرپی سوٹ کے ساتھ کا دوپٹہ سیٹ کیا تھا اس کے ساتھ ہی ہاف وائٹ رنگ کا جلی دار دوپٹہ بھی گھونگٹ کی طرح ڈالا تھا۔ گلے میں چھوٹا سا مگر ہلکا سا نیکلیس اور چھوٹے چھوٹے ہی ایئر رنگز پہنے تھے میک اپ کے نام پر اس نے گلابی رنگ کی لپسٹک کا استعمال کیا تھا جو اس کی خوبصورتی کو بڑھا رہی تھی۔

احمر جس کی نظریں دروازے پر ہی مرکوز تھیں اسے دیکھ دل زور سے دھڑکا تھا باقی سب منظر دھوندلہ سا گیا تھا اگر اس لمحے کوئی دیکھ رہا تھا تو صرف وہ تھی۔ وہ دنیا سے بیگانہ ہوا اسے دیکھ رہا تھا اسکے دیکھنے کا اثر ہی تھا کہ رانیہ کی نظر اس پل میں اس پر پڑی وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے اسکی طرف ہی دیکھ رہا تھا اسنے آج سفید کرتے شلوار پر ہاف وائٹ رنگ کی واسکٹ پہنی تھی ہاتھ میں ریسٹ واچ چمک رہی تھی اور پیروں میں پشاوری چپل موجود تھی وہ بلاشبہ حسین مردوں میں سے تھا۔ رانیہ کو وہ آج نیا نیا سا لگا تھا۔ دونوں کی

نظریں ملیں تو وہ رانیہ کو دیکھ مسکرایا تھا رانیہ کی آنکھیں حیرت سے سائز میں بڑی ہو گئیں تھیں اگلے ہی پل اسنے نظروں کا زاویہ بدل دیا۔

قاضی صاحب نے اجازت طلب نظروں سے انس احسن کو دیکھا انہوں نے آنکھیں جھپکائے اپنی رضامندی ظاہر کی تو قاضی صاحب نے نکاح نامہ اور قلم انکو تھما دیا۔ وہ نکاح نامہ اور قلم لئے خواتین کی جانب آئے اسے رانیہ کے آگے رکھی ٹیبل پر رکھا اور خود ایک گھٹنا زمین پر ٹیکائے بیٹھے اور رانیہ کا بایاں ہاتھ اپنے مظبوط ہاتھ میں تھام لیا۔

رانیہ احسن ولد احسن ملک آپکا نکاح احمر وقار ولد وقار عابد کے ساتھ دس لاکھ روپے حق مہر سکہ "

"راجولوقت طے پایا ہے کیا آپکو قبول ہے؟

اس وقت رانیہ کے حواس خمسہ نے کام کرنا بند کر دیا تھا دل اور دماغ دونوں سے ہی کوئی سنگل نہیں آرہا تھا اور پھر اس پر ایک ڈر پوری شدت سے حاوی ہوا تھا "حقدار بدل جانے کا" اسی لمحے انس احسن نے اپنی گرفت کو نرمی سے مظبوط کیا تھا کان میں لگے بلوتوتھ سے زینب نے سرگوشی کے انداز میں اسے پکارا تھا۔ دوسری طرف احمر سانسیں روکے آنکھوں کی باڑ گرائے بینائیٹ کے اس پار دیکھتے اپنی سماعتوں کو ایکسٹرا زوم کئے رانیہ کے جواب کا منتظر تھا۔

رانیہ نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری آنکھیں بند کیں اور کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"قبول ہے"

احمر نے اب بھی سانس نہیں لی تھی۔

قاضی صاحب نے دوسری بار پوچھا۔

قبول ہے "نہ جواب بدلہ نہ انداز۔"

احمر نے اب بھی سانس نہیں لی تھی وہ اب بھی کسی مجسمے کی طرح بیٹھا تھا۔

قاضی صاحب نے تیسری بار پوچھا۔

قبول ہے "رانیہ کی آواز میں کپکپاہٹ صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔"

احمر نے بے اختیار سانس لی تھی آنکھوں کے پردے گرائے تھے اور لبوں پر دل موہ لینے والی مسکراہٹ در آئی تھی۔ اتنی دیر تک آنکھیں نہ جھپکنے کی وجہ سے آنکھوں سے ایک موتی نکل کر اسکے کُرتے میں جابز ہو گیا تھا۔

پھر رانیہ نے دستخط کئے تھے اور یہی تین یکسر سوال احمر سے بھی کئے گئے جس نے بڑی خوشی سے ہر سوال کا جواب مثبت دیا۔ اگر یہی سوال اس سے ہزار بار بھی کیا جاتا تب بھی اسکا جواب یہی ہوتا شاید سوال کرنے والا تھک جاتا مگر وہ جواب دیتے نہ تھکتا۔

احمر نے دستخط کیئے اور پھر قاضی صاحب نے دعا کرائی۔ دعا کے بعد مبارک باد کا ایک سلسلہ سا شروع ہو گیا تھا سب ایک دوسرے سے گلے میلے مبارک بعد دے رہے تھے اور احمر خوشی سب سے مبارک باد وصول کر رہا تھا۔

نکاح کے بعد رنگز آئیکسچینج کرنا پہلے ہی طے پایا تھا اسی لئے اب کمرے کے وسط سے نیٹ کا فریم ہٹا دیا گیا تھا اور احمر کو رانیہ کے پاس بیٹھا دیا گیا جو اسکے اتنے قریب بیٹھنے پر ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ احمر کن انکھیوں سے اسے دیکھتا اسکی حالت سے خوب محظوظ ہو رہا تھا۔

منگنی کی رسم ادا کرنی تھی لیکن انس احسن کا کچھ پتا نہیں تھا نیلم بیگم اسے ہی ڈھونڈھ رہیں تھیں پر وہ یوں سب مہمانوں کو چھوڑ کر جا نہیں سکتی تھیں اسی لئے انہوں نے نور کو اشارہ کر کے بولا یا۔ نور کھڑی ہوئی تو رانیہ نے اسکا ہاتھ پکڑ گھسیٹنے کے سے انداز میں اپنے پاس پھر سے بیٹھا لیا۔

یہاں پہلے میری جان پر بنی ہے اوپر سے تم اور مجھے اکیلا چھوڑ کے جا رہی ہو" رانیہ نے نور کے کان میں " سرگوشی کی۔

بے فکر ہو جاؤ یہ جان بہت عزیز ہے احمر بھائی کو" نور شرارت سے کہتی فوراً نیلم بیگم کے پاس چلی گئی " تھی۔

جان نہیں لوں گا" وہ شاید سب سن چکا تھا محفل سے آنکھ بچائے کہہ رہا تھا۔"

تو پھر کیا لیں گے "اس نے بڑبڑاتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔"

جو میں نے لینا تھا میں لے چکا ہوں "احمر کو پتا تھا کہ وہ اب اپنے ننھے سے ذہن پر زور دیتے سوچ رہی ہو گی "کیا" اور ایسا ہی تھا وہ اِدھر اُدھر دکھتی اپنے سوال کا جواب ڈھونڈھ رہی تھی جیسے کہیں لکھا ہی ہو گا۔ احمر گردن گھومائے محفل کی پرواہ کئے بغیر اسکو دیکھنے لگا جو اسکے دیکھنے کو اگنور کر رہی تھی اور پھر احمر نے اسے بتایا۔

رانیہ۔۔۔رانیہ احمر۔۔۔ آج کے دن کی سب سے بڑی حقیقت۔۔۔ آج مجھے رانیہ مل گئی مانو سب مل گیا"

رانیہ نے اسکی آنکھوں میں دیکھا آج ان ہری آنکھوں کی ہر لکیر صاف نظر آ رہی تھی اسنے ان میں اپنا عکس دیکھا تھا جہاں خوشی رقصاں تھی اگلے ہی پل رانیہ نے اپنی سمتِ نگاہ بدل دی تھی۔ عجیب بات تھی اسے احمر کا یہ کہنا برا نہیں لگا تھا۔

نور کافی دیر سے لاونج کے گیٹ کے پاس کھڑی انس احسن کا انتظار کر رہی جو گارڈن میں ٹہلتے ہوئے نجانے کس سے کال پر اتنی لمبی گفتگو کر رہے تھے۔

وہ یہاں کھڑی پھر سے اپنی پرانی کفیت میں جانے لگی تھی۔ اس نے خود پر "میں ٹھیک ہوں" کا خول چڑھایا ہوا تھا جو اب اترنے لگا تھا اسے رونا آرہا تھا اور وہ رو دیتی اگر علی وہاں نہیں آجاتا۔

آپ یہاں خیریت ؟" علی نے دروازے کے باہر دیکھتے پوچھا۔"

علی بھائی آپ۔۔۔۔ آپ میرا ایک کام کریں گے "نور نے اپنے پیچھے مڑ اسے دیکھا اور ساتھ یہاں" سے نکلنے کی بھی کی۔

کون سا کام" علی نے ماتھے پر بل ڈالے پوچھا۔"

منگنی کی رسم ہونے والی ہے تو نیلم انٹی نے مجھ سے کہا کہ رانیہ کے بھائی کو بلا لاؤں لیکن میں کب سے" انتظار کر رہی ہوں ان کا پر وہ بزی ہیں آپ جا کر بلا لائیں گے ؟ مجھے رانیہ کے پاس بھی جانا ہے "نور نے فٹا فٹ اپنی بات مکمل کی۔

ہیں کہاں وہ ؟" علی نے پوچھا۔"

وہاں۔۔۔ تھنک یو "نور نے گارڈن میں ایک سمت اشارہ کر کے بتایا ساتھ میں شکریہ بھی ادا کیا۔"

مینشن ہی ناٹ سیس" علی نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے مزے سے کہا۔"

اوکے برو "نور نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔"

انس احسن کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی نیلم بیگم زہرہ بیگم سے آئیکسکیوز کرتی انس احسن سے کہہ رہیں تھیں۔

"کہاں تھے تم۔۔۔ خیر رنگ دو رسم شروع کرنی ہے"

رنگ۔۔۔ او گاڈ" انس احسن کو کچھ یاد آیا تھا۔"

کیا ہوا" نیلم بیگم نے پریشانی سے استفسار کیا۔"

"میں نے رنگ کا آرڈر تو کیا تھا پر رسیو کرنا بھول گیا"

انس۔۔۔ ایسا کرو ڈرائیور کو بول دو وہ لے آئے گا" انہوں نے حل نکالا۔"

چھٹی پے ہے" انس احسن نے نظریں بچائے کہا۔"

ایک تو میں تمہاری اس عادت سے بیزار آچکی ہوں یہ دسیوں بارھیویں بار ہو رہا ہے کہ جب ڈرائیور کی" ضرورت ہے اور ڈرائیور ہی غائب ہے" نیلم بیگم غصے میں آگئیں۔

اگر آپ کی اجازت ہو تو میں لے آتا ہوں" علی نے کہا جسے یہ دونوں یکسر بھلائے اپنی الجھن میں الجھے" ہوئے تھے۔

نہیں ایسا کوئی مسلہ نہیں ہے میں لے آتا ہوں" انس نے جلدی سے کہا۔"

نکاح کا فنکشن تو لڑکے والوں کی طرف سے اٹینڈ کیا ہے پر شادی لڑکی والوں کی طرف سے اٹینڈ کریں گے اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپکا انویٹیشن قبول کریں تو آپکو ہمیں ابھی خدمت کرنے کا موقعہ دینا ہو گا" علی نے خود کو خود ہی مدعو کیا۔

اچھا ٹھیک ہے" انس احسن مسکرائے اور ہار مانتے ہوئے اسے اڈریس سمجھانے لگے ساتھ اسے ایک" سلپ بھی دی۔

علی حاشر کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا وہاں سے نکل گیا۔

علی نے کار پارکنگ میں لگائی اور حاشر کے ساتھ اندر قدم رکھے۔ یہ دو منزلہ ایک بہت ہی خوبصورت جولیری کا شو روم تھا جہاں چاروں اطراف شیشے کی شیلفوں میں قیمتی زیورات سجے تھے اور اسی طرح ان سبھی شیلفوں کے آگے کاؤنٹرز موجود تھے۔

یہ دونوں ایک کاؤنٹر کی طرف بڑھے تو سیل مین نے پیشاوارانہ انداز میں کہا۔

"ہاو مے آئی ہیلپ یو سر؟"

برنگ دی آرڈر" علی نے حاشر کے ہاتھ سے سلپ لیتے کاؤنٹر پر رکھی۔"

اوکے ویٹ فار آوائل" سیل مین سلپ تھامتا اندر چلا گیا۔"

علی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سٹی بجاتے شوروم کا بھرپور جائزہ لے رہا تھا حاشر اسکی تقلید میں تھا جسے اسکے سٹی بجانے سے کوفت ہو رہی تھی۔

تم منہ بند کر کے نہیں چل سکتے" حاشر نے دانت بینچے۔"

جتنا بند ہے اس پر ہی شکر کا سانس لو" علی نے سنجیدگی سے بینا اسکی طرف دیکھے کہا یہ جانے بغیر کے وہاں" کوئی اور بھی تھا جسے اسکی یہ حرکت بہت ناگوار گزر رہی تھی جب ہی سیل مین نے انہیں اپنی طرف بلا کر آرڈر انکے حوالے کیا علی نے پیمنٹ کے لئے والٹ نکالا تو سیل مین نے کہا۔

"سر پیمنٹ ہو چکی ہے"

ہو چکی ہے" علی نے ماتھے پر شکنے لئے حاشر کو دیکھا جس نے کندھے اچکا دئے۔"

جی مسٹر انس احسن نے کر دی ہے" سیل مین اپنے سابقہ انداز میں کہا۔"

اوکے" علی نے حاشر کو بیگ تھمایا۔"

یہ دونوں پارکنگ ایریا میں داخل ہوئے علی شاہانہ انداز میں چلتا ایک انگلی میں کی۔چین گھوما رہا تھا سٹی بادستور بج رہی تھی کہ اچانک

اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اسکا کان سن ہو گیا ہے اگلے ہی پل اسے اپنے جبڑے میں درد اٹھتا محسوس ہوا کچھ لمحے لگے دماغ کو یہ پراسس کرنے میں کے آیا ہوا کیا ہے ہوش کی دنیا میں آتے ہی اسنے صنفِ نازک کو

اپنے روبرو پایا وہ کاٹن کے رائل بلیو سوٹ میں ملبوز تھی اور اسکے سنہرے بال پونی میں مقید تھے وہ غصّے سے سرخ ہوتی آنکھیں اور ناک لئے اسے کچھ بول رہی تھی لیکن علی تو اس میں ہی کھو گیا تھا اور حاشر حیرت سے بیہوش ہونے کے قریب تھا علی احمد کو کسی نے تھپڑ مار دیا تھا اور وہ ایسے کھڑا تھا کہ مانو کسی اور ہی دنیا میں ہو۔

وہ لڑکی اسے کھری کھوٹی سنا کے چلی گئی تھی اور وہ اب تک اسی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ گئی تھی۔

علی" حاشر نے اسے پکارا۔"

ہمم" وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔"

علی وہ لڑکی تجھے تھپڑ مار گئی ہے" حاشر نے جیسے اسے یاد دلایا۔"

جانتا ہوں" سابقہ انداز میں ہی کہا۔"

لیکن اسنے ایسا کیا کیوں" اس نے ہوش میں آتے پوچھا۔"

بتا کر تو گئی ہے تم نے سنا نہیں" حاشر نے ماتھے پر بل لئے پوچھا۔"

میرا کان سن ہو گیا ہے شاید" اس نے اپنے کان کو چھوتے کہا۔"

اسی لئے کہتے ہیں کبھی دوستوں کی بھی سن لینی چاہیے۔۔۔۔اب یہ اتفاق ہی تھا کہ شاپ میں سارا" وقت اس نے تمہیں اپنے پیچھے پایا وہ بھی سٹی بجاتا ہوا اسے لگا شاید تم اس پر لائن مار رہے ہو اور پھر جب

یہاں بھی یہی ہوا تو اس کا صبر کا پیمانہ چھلک گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہارا کان سن ہو گیا اور تمہارے گال پر ایک نقش رہ گیا۔۔۔۔ اور ہاں دھمکی بھی دے کر گئی ہے کہ اگر تم نے دوبارہ اسے کسی بھی طرح تنگ کرنے کی کوشش تو وہ سیدھا پولیس اسٹیشن جائے گی" حاشر نے اسے پورے واقعے سے آگاہ کیا اور ہنستا چلا گیا۔

علی کو جب اپنی سچویشن کا احساس ہوا تو وہ اگنیشن میں چابی لگاتا ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ گیا جب کے حاشر کا ہنسنے کا پروگرام پورے زور و شور سے چل رہا تھا۔ علی کے موبائل پر کال آئی تب جا کے حاشر کی ہنسی کو بریک لگا۔

گھر پہنچنے پر حاشر نے نیلم بیگم کو رنگ بیگ دیا جب کے علی نشست سنبھلے گھوٹنے پر کونی جمائے گال پر ہاتھ رکھے بیٹھ گیا تھا جیسے دیکھ حاشر اپنی ہنسی ضبط کر رہا تھا۔

منگنی کی رسم شروع ہوئی نیلم بیگم نے رانیہ کے آگے رنگ بڑھائی رانیہ نے حلق تر کرتے اسے تھما اور احمر کی طرف دیکھے بینا جلدی سے اس کے بڑھائے ہوئے ہاتھ میں پہنا دی سب ہی اسکی اس حرکت پر مسکرا دیے۔

اب باری تھی احمر کی جو رانیہ کے ہاتھ آگے کرنے کا انتظار کر رہا تھا جو اپنے خیالوں میں گھم تھی برابر بیٹھی نور نے رانیہ کو ٹھوکا اس سے پہلے رانیہ صورتحال سمجھ پاتی احمر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور رنگ پہنا دی

یہاں علی نے سب بھولائے ہوٹنگ کی رانیہ کا چہرہ یک دم لال ہوا تھا پھر احمر نے علی کو دیکھتے پوچھا۔

"تمہارا گال لال کیوں ہو رہا ہے؟"

رانیہ کی جان ہی نکلنے کو ہو گئی اسے لگا وہ اس سے پوچھ رہا تھا اور اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

احمر کے سوال پر علی ہڑبڑایا پھر بولا۔

"شاید کافی دیر سے ہاتھ رکھ کے بیٹھا ہوں اس لئے"

علی کے جواب دیتے ہی رانیہ کو احساس ہوا کے سوال اس سے نہیں کیا گیا تھا اس نے ایک سانس اندر کھینچتے خود کو پرسکون کیا۔

لیڈز اینڈ جنٹلمین موقعے کی مناسبت سے مجھے ایک شعر یاد آیا ہے اجازت ہو تو عرض کروں" حاشر نے کھڑے ہو کے مودبانہ انداز میں پوچھا۔

اجازت ہے "سب نے ہم آواز رضامندی دی۔"

تو عرض کیا ہے"

چلتے چلتے

۔

۔

چلتے چلتے

سرِ راہ چلتے چلتے

۔

۔

یونہی کوئی پِٹ گیا ہے

آخری مصرے علی کی طرف اشارہ کر کے پڑھا گیا۔ علی کو غصّے سے اپنی طرف لپکتے دیکھ یہ خود کو بچا رہا تھا انہیں دیکھ وہاں بیٹھا ہر نفوس مسکرا رہا تھا کہ احمر نے پوچھا۔

"کس سے"

حاشر" علی نے آئی بروا چکاتے اسے کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔"

لڑکی سے" وہ اپنی بات کہنے کے بعد زور سے ہنستا کمرے سے ہی بھاگ گیا۔"

"حاشر!!!۔۔۔۔ آج تو تو گیا"

یہ دونوں بھاگتے ہوئے بیک سائیڈ کے پاس بنے پول کے ارد گرد تھے ایک بچنے کی کوشش میں تھا تو دوسرا پکڑنے کی۔ علی نے تیزی سے بھاگ حاشر کو پول میں دھکا دیا۔

حاشر ایسے کسی حملے کے لئے تیار نہیں تھا پانی میں سنبھل نہیں پایا کچھ دیر ہاتھ پیر مارنے کے بعد پانی میں اپنا بیلنس قائم کرنے میں کامیاب ہوا ہاتھ سے اپنے ماتھے پے آئے بال اور چہرے پر آیا پانی صاف کیا اپنی اکھڑی ہوئی سانس کو بحال کیا۔ پول سے نکلنے کے لئے پیچھے گھوما ہی تھا کہ اسے اپنے سامنے گھوٹنے کے بل بیٹھی ایک دوشیزہ نظر آئی جو بلیو پینٹ پر سفید رنگ کی کرتی پہنے گلے میں مفلر کی طرح اسکارف لئے بال اونچی سی پونی ٹیل میں مقید تھے وہ ہونٹوں پر نرم مسکان لئے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

مے آئی ہیلپ یو؟"اس نے مسکراتے ہوئے ہی پوچھا۔"

حاشر کو یہ چہرہ شناسا سا لگا مگر ذہن پر زور دینے سے بھی اسے یاد نہ آیا۔

نو" حاشر نے اسے ایک نظر دیکھ انکار کیا اور پول سے باہر آگیا۔ اس نے بچارگی سے اپنے بھیگے کپڑوں کو" دیکھا وہ اب ایسے اندر تو نہیں جا سکتا تھا مطلب اب اسے سیدھا گھر جانا ہوگا حاشر ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دفع پھر پانی میں جا گرا سمجھ نہیں آیا کے ایسے کھڑے کھڑے کیسے گر گیا تو پھر وہی لڑکی سامنے آئی اب کے لبوں پر شیطانی مسکان ناچ رہی تھی۔ سینے پر ہاتھ بندھے اس نے کہا۔

"یہ میری مدد قبول نہ کرنے کے لئے"

تم ہو کون ؟" وہ سخت ہوا۔"

اِشہل احمد " انداز ہونو زو ہی تھا۔"

علی احمد کی بہن " اب کے علی بولا جو کب سے پلر سے ٹیک لگائے سب دیکھ رہا تھا۔"

کیا!!!" لہجے میں بے یقینی تھی۔"

ڈھائی سال بعد عصر کے بعد تقریب کا اختتام ہوا۔ رانیہ کافی تھک چکی تھی مہمانوں کے جاتے ہی اپنی کمرے کا رخ کیا اور جاتے جاتے نور سے التجائی لہجے میں کہا۔

"یار پلیز اماں سے کہو ایک کپ چائے بنا دیں سر میں بہت درد ہو رہا ہے"

اچھا تم چلو آرام کرو میں لے آتی ہوں" نور کہہ کے کچن میں آ گئی جہاں ایک عمر رسیدہ خاتون چائے ہی چڑھا رہی تھیں۔ نور کچن کاؤنٹر کے پاس کھڑی ان سے ہلکی پھلکی گفتگو کر رہی تھی تب ہی ملازمہ (اماں) کو نیلم بیگم نے پکارا۔

آپ جائیں یہ میں دیکھ لوں گی" نور نے رسانیت سے کہا تو وہ نیلم بیگم کے پاس چلی گئیں۔"

چائے پک چکی تو نور اسے نکال ہی رہی تھی کہ نور کی سماعتوں سے ایک آواز ٹکرائی۔

"اماں ایک کپ چائے مل جائے گی"

نور نے یہ آواز آج اتنی بار سن لی تھی کے بینا دیکھے وہ جان گئی تھی کہ آنے والا کون ہے اسی لئے بری طرح ہڑبڑا گئی تھی چائے نکالتے اس کے ہاتھ کانپے تھے اور گرم گرم چائے کی پاتیلی اس کے ہاتھ سے چھوٹی اور اس کے نازک سے پیروں پر جا گری۔

انس احسن جو موبائل پر نظریں جمائے کچن میں داخل ہوئے تھے نور کی حاضری سے بے خبر ہی رہتے اگر انہیں پاتیلی کے گرنے کی آواز نہیں آتی۔

انہوں نے دیکھا نور کے منہ سے ایک آہ نکلی تھی وہ اپنے پیروں کو دیکھ آنسو بہا رہی تھی انس احسن اس کی جانب لپکے تھے۔

آپ ٹھیک تو ہیں نہ "انہوں نے پریشانی سے استفسار کیا۔"

نور کے آنسوؤں کی رفتار تیزی سے بڑھی تھی۔

انس احسن بے ساختہ بیٹھے تھے انکا ہاتھ اس کے پیر کی جانب بڑھا ہی تھا کہ وہ تیزی سے دو قدم پیچھے ہوئی انہوں نے بیٹھے بیٹھے ہی نظریں اٹھائے اسے دیکھا تھا اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھری تھیں۔ انس احسن کو اس کی آنکھوں میں اپنے لئے شکوہ نظر آیا لیکن وہ سمجھ نہیں سکے "کیوں"

نور روتی ہوئی رانیہ کے کمرے میں آئی تھی اور رانیہ کی کسی بھی بات کا جواب دئے بغیر باتھروم میں گھس گئی تھی۔

رانیہ باتھروم کا دروازہ کھٹکھٹاتے نور سے سوال کر رہی تھی پر نور تو تب بولتی نا جب اس کا رونا بند ہوتا۔

رانیہ کے کمرے کے دروازے پر نوک ہوا تو رانیہ نے دروازہ وا کیا۔

یہ نور کے لگا دو ٹھیک ہو جائے گا جلدی" انس احسن ایک ٹیوب آگے بڑھاتے اس سے کہہ رہے تھے۔"

کیا ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔اور ہوا کیا ہے وہ روتی ہوئی آئی اور باتھروم میں قید ہو گئی" رانیہ ماتھے پر" بل ڈالے پوچھ رہی تھی۔

انس احسن نے اپنی پر سوچ نگاہیں باتھروم کے دروازے پر ڈالیں پھر بولے۔

"چائے گر گئی تھی ان کے پیر پے شاید۔۔۔اس لئے رو رہی ہوں"

شاید کا کیا مطلب ہوا کیا کوئی اور بات بھی ہوئی ہے" رانیہ نے پھر پوچھا۔"

پتا نہیں" ان کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔"

کیا" رانیہ سن نہیں سکی۔"

نہیں کوئی اور بات نہیں ہوئی پیر جلا ہے اسی لئے رو رہی ہیں" وہ نجانے کسے تسلی دے رہے تھے۔"

ہمم" رانیہ نے اثبات میں سر ہلا تو انس احسن بھی اپنے کمرے میں چلے گئے۔"

نکاح کے دوسرے روز رانیہ یونیورسٹی میں جتنا احمر سے بچ سکتی تھی بچ رہی تھی۔

آج ان کی کلاس ٹائمنگ ایک گھنٹے کے لئے ملتوی کی گئی تھیں۔ نور کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے وہ آج یونیورسٹی نہیں آئی تھی جب کے زینب کو سر نے کسی کام سے روک لیا تھا۔

رانیہ نے اپنی پسندیدہ جگہ کا رخ کیا۔ وہ لائبریری کی شیلفوں میں وقت گزاری کے لئے کوئی کتاب ڈھونڈھ رہی تھی۔ اس نے رک کے ایک کتاب نکالی کچھ صفحے پلٹے اور واپس رکھنے لگی تب ہی اسے شیلف کے دوسری طرف احمر دکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اپنی ہری مسکراتی آنکھوں سے۔ رانیہ نے کتاب رکھی اور جلدی سے نکلنے کی کی لیکن یہ کیا وہ تو آگے بڑھ ہی نہیں پائی پیچھے مڑ کے دیکھا تو اس کی کلائی مقابل کی گرفت میں تھی رانیہ کی جان ہی خشک ہونے لگی۔

اب سے نہیں" مسکراتے ہوئے کہا۔"

ہاتھ چھوڑیں میرا" وہ مری ہوئی آواز میں اپنی کلائی اس کی گرفت سے آزاد کرنے کی کوشش میں بولی۔"

اب تو پورا حق رکھتا ہوں آپ پے آخر کو کل نکاح ہوا ہے ہمارا" وہی مسکراتی آواز۔"

ابھی صرف نکاح ہوا ہے" وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔"

"آپ کہیں تو کل ہی رخصتی کروا لیتے ہیں" وہ تھوڑا اس کی طرف جھک کے بولا رانیہ کا ہاتھ اب بھی اس کی مظبوط گرفت میں تھا۔

"نہیں" رانیہ اسے دیکھتے بے ساختہ بولی تو وہ دلکشی سے مسکرا دیا۔

احمر نے نرمی سے اس کا ہاتھ آزاد کیا۔ وہ راہ صاف دیکھ جانے لگی جب وہ سامنے آ گیا۔

"کیا میرا نام لکھا ہے" اشارہ رانیہ کی مہندی کی طرف تھا۔

"نہیں" رانیہ نے رکھائی سے جھوٹ بولتے اپنے ہاتھوں کو زور سے بند کیا کہ کہیں وہ دیکھ ہی نہ لے۔

احمر سر جھکائے مسکرایا رانیہ کو عجیب لگا اسے تو خفا ہونا چاہیے تھا۔

"اچھا کیا نہیں لکھا پتا ہے کیوں" رانیہ کی ہر حرکت پر اس کی نظر تھی۔ رانیہ نے نہ سمجھی سے نفی میں گردن ہلائی۔

"اللہ کا لکھا نہیں مٹا وہ رب آپ کے ہاتھ کی لکیروں میں میرا نام لکھ چکا مہندی کا لکھا تو مٹ جاتا ہے پر اللہ کا لکھا نہیں مٹتا" آج اس کی آنکھیوں سے اس کے لہجے سے اس کے ہر ہر انداز سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ وہ کہہ کے چلا گیا تھا اور رانیہ اب تک اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

وہ پاکستان آ گیا تھا آج صبح ہی۔۔۔۔ لیکن خالی ہاتھ نہ ماں آئی نہ باپ۔۔۔۔ لیکن امید کی ہلکی سی کرن اب بھی اس کے دل میں روشن تھی وہ رانیہ کے گھر والوں کو منا لے گا۔۔۔۔ لیکن اس سے پہلے اس نے رانیہ کو باخبر کرنا ضروری سمجھا۔۔۔۔ لیکن قسمت۔۔۔۔ قسمت نے سمت ظرفی کی اور ہر امید۔۔۔۔ ہر راستہ۔۔۔۔ جو رانیہ تک اسے پہنچاتا بند کر دیا تھا۔

وہ کنارے پر چھوٹے چھوٹے پھتروں کے اوپر بیٹھا تھا سامنے ایک چھوٹا مگر خوبصورت سا دریا بہہ رہا تھا۔۔۔۔ کل تک جو وہ سوچتا تھا کہ رانیہ کا وہ ساتھ چاہتا تھا آج اس پر ایک حقیقت اور عیاں ہو گئی تھی۔۔۔۔ دل میں اٹھنے والی شدید تکلیف اسے یہ احساس کرا گئی تھی وہ رانیہ سے محبّت کرتا ہے۔۔۔۔ پر ایک بار پھر اسے وہ نہ ملا جس سے وہ محبّت کرتا تھا۔۔۔۔ اس نے دنیا میں سب سے زیادہ محبت اپنے والدین سے کی تھی لیکن وہ بھی اسے ایسے ہی چھوڑ گئے۔۔۔۔ اور اب رانیہ۔۔۔۔ اسے لگا شاید اس کے نصیب میں یہی لکھا ہے۔

بہت سی آوازیں تھیں جو درد کو بڑھا رہی تھیں۔

اب تو پورا حق رکھتا ہوں آپ پے آخر کو کل نکاح ہوا ہے ہمارا

ابھی صرف نکاح ہوا ہے

اب تو پورا حق رکھتا ہوں آپ پے آخر کو کل نکاح ہوا ہے ہمارا

کا لکھا نہیں مٹاوہ رب آپ کے ہاتھ کی لکیروں میں میرا نام لکھ چکا ہے مہندی کا لکھا تو مٹ جاتا ہے پر اللہ

کا لکھا نہیں مٹاوہ رب آپ کے ہاتھ کی لکیروں میں میرا نام لکھ چکا ہے مہندی کا لکھا تو مٹ جاتا ہے پر اللہ

آوازیں روکنے سے انکاری تھیں اس نے زور سے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے تھے۔۔۔اب آواز آنا بند ہو گئی تھی۔۔۔۔اس کی آنکھوں سے ایک آنسو بہا پھر دوسرا اس نے بیدردی سے انہیں اپنے چہرے سے ہٹایا تھا۔۔۔۔۔وہ مرد تھا محبّت کے ہارنے پر بھی اسے رونے کی اجازت نہیں تھی۔۔۔۔۔اور یہ اجازت وہ خود کو خود ہی نہیں دے رہا تھا۔

محبّت ہو جائے لیکن ادھوری رہے اس سے بڑی اذیت دنیا میں اور کوئی نہیں۔۔۔۔جو ہمارے مکمل وجود کو بھی نہ مکمل بنا دیتی ہے۔۔۔ہماری خوشیوں کو بھی گرہن لگا دیتی ہے۔۔۔۔ہمارے غموں کو دوگنا کر دیتی ہے۔۔۔۔۔وہ بھی آج اس لاعلاج مرض کا شکار ہو گیا تھا۔۔۔۔جو جب تک جان نہیں لیتا ساتھ نہیں چھوڑتا۔۔۔

ڈھائی سال بعد

وقت کسی کے لئے نہیں رکتا نہ ہی یہ روکا تھا آج حیدر کو گئے ڈھائی سال گزر گئے تھے وہ اپنا کنٹریکٹ ختم کر نجانے کہاں چلا گیا تھا عبّاس صاحب اس کو واپس لینے آئے تھے اور وہ انہیں برطانیہ میں کہیں نہیں ملا

تھا صفا عبّاس کی شادی فکس ہو گئی تھی۔۔۔ کتنی ہی کالز کتنے ہی میلز کتنے ہی میسیگز۔۔۔ ہر ایک نے کئے لیکن کوئی جواب نہیں ملا اور اسی انتظار میں صفا کو ہاشم مرتضیٰ کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔

صفا کی شادی کے کچھ مہینوں بعد بلاخر حیدر نے احمر کی کال کا جواب دیا تھا۔ احمر کو اس پر جتنا غصّہ کرنا تھا وہ کر رہا تھا اور اس سب کے دوران وہ خاموش تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا غلطی اس کی تھی۔ احمر کا غصّہ کچھ کم ہوا تو بولا۔

"ایسا بھی کیا ہو گیا تھا تمھیں کہ تم اپنی ہی بہن کی شادی پر نہیں آئے"

ان بیتے سالوں میں میں نے ہر لمحہ سوچا ہے اپنے رویے کے بارے میں۔۔۔ میں نے اتنا غصّہ کب" کیا۔۔۔ میں کب کسی کو حقیر سمجھنے لگا۔۔۔ میں کیوں ہر بار اوور ریکٹ کر گیا۔۔۔ میں کیوں خود پر کنٹرول نہیں کر سکا" وہ کہتے کہتے چپ ہوا تھا۔

تم واپس کب آ رہے ہو" احمر شاید اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

دو سال پہلے آنے کا سوچا تھا لیکن کنٹریکٹ کے آخری ہفتے مجھ سے یہ بات پوشیدہ نہ رہی کہ اسے دیکھ" میں خود پر سے ہر اختیار کھو بیٹھتا ہوں" وہ کچھ پل کو رکا۔

تمھیں پتا ہے ان چھ مہینوں میں کیا کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔ میں خود کا امتحان لے رہا تھا آیا اسے دیکھ بے" اختیار ہوتا ہوں یا اس جیسے کسی کو بھی دیکھ۔۔۔ ان چھ مہینوں میں ہر اس شخص سے ملا جسے دنیا حقیر کہتی

ہے۔۔۔جسے دنیا قبول نہیں کرتی۔۔۔۔مجھے ان میں سے کسی ایک پر نہ تو غصّہ آیا نہ ہی ہمدردی ہوئی۔۔۔وہ لوگ بہت پیارے تھے ان سے کوئی بدبخت ہی نفرت کرتا۔۔۔۔اور میں ان میں سے ایک ہوں۔۔۔میں کرتا ہوں اس سے نفرت اور کیوں پتا نہیں۔۔۔۔میں خود سے ڈر گیا تھا کہ کہیں اگر وہ کبھی میرے سامنے آگئی تو پھر میں وہ سب کروں گا جو میری شخصیت کا حصّہ کبھی نہیں رہا" وہ خاموش ہوا تھا۔

میں اپنوں کو اور تکلیف نہیں دے سکتا۔۔۔۔میں آرہا ہوں پاکستان" اس نے کہتے ہی کال منقطع کی" تھی۔

آج ان کے نکاح کو دو سال گزر گئے تھے اور رانیہ نے اچھے سے بدلہ لیا تھا احمر سے۔۔۔اس سے رکھائی سے بات کرتی اور وہ خوب اسے منانے کی کوشش کرتا اس سے محبّت کا اظہار کرتا۔۔۔آخر کب تک رانیہ دل کو بچا سکتی تھی وہ بھی محبّت جب شرعئ اور پاکیزہ تھی ایک ہی مہینے میں اسے وہ سب سے اچھا لگنے لگا تھا پر اس پر ظاہر نہیں کرتی تھی جان بوجھ کر اسے تنگ کرتی۔۔۔جس کے فون کا انتظار دن بھر رہتا تھا جب اس کا فون آتا تو اس سے خفا خفا سی ہو کے بات کرتی جس کی وجہ سے وہ اسے اپنی محبّت کا یقین دلاتا۔۔۔آہستہ آہستہ احمر کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اسے صرف ستا رہی ہے ورنہ اگر وہ واقعی ناراض ہوتی تو

پہلی ہی بیل پے فون نہ اٹھاتی جیسے پہلے کیا کرتی تھی اور اب کے اس کے لہجے میں مسکراہٹ دبانے کی خنک بھی محسوس کی جاسکتی تھی۔

اس نے بجتے ہوئے فون کو تیزی سے اٹھایا تھا کال احمر کی تھی اس کے لبوں پر بڑی سی مسکان سج گئی تھی چہرے پر بہت سے حسین رنگ نمایاں تھے۔

سلام دعا کے بعد احمر نے اپنے لہجے کو حتہ الامکان سنجیدہ کرتے پوچھا لیکن ہونٹوں پر تبسم رقصاں تھی۔

ناراض ہیں؟" سوال کیا۔"

تو کیا نہیں ہونا چاہیے" الٹا اس سے ہی پوچھا۔"

نہیں ہونا چاہیے" جواب بلا توافق آیا۔"

کیوں نہیں ہونا چاہیے؟" ایک اور سوال۔"

کیوں کے آپ ان دو سالوں میں مجھے بہت ستا چکی ہیں" جواب پہلے سے تیار تھا۔"

اور جو آپ نے مجھے ستایا تھا دو سال پہلے وہ کیا تھا" شکوہ کیا گیا۔"

وہ تو محبّت تھی" ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر محبّت جتائی گئی۔"

تو یہ بھی۔۔۔" وہ بولتے بولتے چپ ہوئی تھی۔"

تو یہ بھی؟" وہ اس کے لفظ دہراتا دلکشی سے مسکراتا پوچھ رہا تھا۔"

رانیہ کی تو زبان ہی بند ہو گئی۔

جتنا آپ مجھے ستا چکی ہیں نہ رخصتی ہونے دیں ہر ایک کا بدلہ چن چن کر لوں گا" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا" تھا۔

پھر میں آپ کے ساتھ جاؤں گی ہی نہیں" وہ ڈٹ گئی۔"

میں اٹھا کے لے آؤں گا اور دنیا میں بسنے والا ایک بھی باسی مجھے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتا آپ کے" والد محترم بھی نہیں" وہ اپنا حق جتانا کبھی نہیں بھولتا تھا اور رانیہ سرشار سی ہو جاتی تھی اس کے اس انداز پہ۔

دونوں طرف کچھ دیر خاموشی چھائی رہی پھر وہ مدھم آواز میں بولا۔

"سنئے"

"جی"

یہ جو آپ میری اظہارِ محبّت کا لطف لیتی رہی ہیں۔۔۔ تیار رہیئے گا اب آپ کی باری ہے" وہ مسکراتا ہوا" کہہ رہا تھا۔

رانیہ نے دانتوں تلے زبان دباتے جھٹ سے کال ڈسکنیکٹ کی اس کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا وہ سب سمجھ گیا تھا۔

حیدر نے اپنے ملک۔۔۔ اپنی سر زمین پر قدم جما دیئے تھے۔۔۔۔ پاکستان انٹر نیشنل ائیر پورٹ پر موجود وہ بہت پیٹنے کے بعد ہی سہی پر اپنے دوستوں سے بغل گیر تھا۔۔۔ وہ الگ ہوئے تھے اور سارے راستے ہنسی مذاق کرتے وہ اب حیدر ولا کے پورچ میں موجود تھے۔

حیدر نے آنکھ بھر کر اپنے گھر کو دیکھا تھا اور یوں ہی دیکھتے سوال بھی کیا۔

کس کس کو پتا ہے؟" وہ جانتے تھے وہ کیا پوچھ رہا ہے۔"

سب کو" جواب احمر کی طرف سے آیا۔"

حیدر لاونج میں داخل ہوا تو کسی کو نہ پایا اسے حیرت ہوئی وہ اتنے عرصے بعد آیا تھا اور کوئی اس کا منتظر نہیں تھا۔۔۔ اس نے ایک ایک کر علی حاشر اور احمر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور ان تینوں نے ہی نا سمجھی سے کندھے اچکا دیئے۔۔۔۔ وہ اسے ائیر پورٹ لینے نہیں آئے تھے ظاہر تھا وہ اس سے ناراض تھے اس نے سوچتے ہوئے ایک لمبی سانس اندر کو کھینچی۔۔۔۔۔ اور ماں کو آواز لگائی۔۔۔

عباس صاحب آمنہ بیگم ثانیہ بھابی سعید عبّاس صفا عباس سب ہی عبّاس صاحب کے کمرے میں موجود تھے کیوں کہ آمنہ بیگم کا حکم تھا۔ وہ جو تہیہ کئے بیٹھیں تھیں کوئی حیدر سے نہیں ملے گا اور سب اس سے

ناراض رہیں گے حیدر کی پہلی پکار پر کمرے سے باہر نکل گئیں تھیں اور وہ سب تاسف سے سر جھٹک کر مسکرا دیئے تھے۔

حیدر کی دوسری پکار سے پہلے آمینہ بیگم اس کے سامنے تھیں آنکھوں میں آنسو لئے، وہ مسکرا دیا اور ان کی طرف بڑھا اور نرمی سے انہیں اپنے حصار میں لیا۔۔۔وہ روتی چلی گئیں۔

کم آن امی آپ تو مڈل کلاس ماؤں کی طرح رو رہی ہیں اب چپ بھی ہو جائیں آپ کو پتا ہے مجھے روتے ہوئے لوگوں کو چپ کرانا نہیں آتا" اس نے آمینہ بیگم کے کلاس کو نشیس ہونے پر چوٹ کرتے کہا۔

تمہیں بس رولانا آتا ہے" آمینہ بیگم نے گھورتے ہوئے کہا۔"

ایک ایک کر سب لاونج میں داخل ہوئے تھے لیکن حیدر کی نظریں تو باپ پر رک گئیں تھیں جو نیک سیک سے تیار اسے یکسر اگنور کئے ایک ہاتھ میں بریف کیس لئے آفس جانے کے لئے تیار تھے۔انہیں اس طرح ناراض دیکھ حیدر کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

وہ اس کے پاس سے گزر رہے تھے جب اس نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھاما۔۔۔وہ رک گئے ایک نظر اپنے لخت جگر کو دیکھا اس کی آنکھوں میں نمی تھی وہ خود کو روک نہ سکے اور اسے سینے سے لگا لیا۔

سوری ڈیڈ" اس نے ان کے کان میں سرگوشی کی تھی۔"

اس لفظ کا استعمال سیکھ لیا تم نے" انہوں نے مسکراتے ہوئے سرگوشی میں ہی کہا۔"

صرف آپ کے لئے" اس نے ان سے الگ ہوتے کہا عبّاس صاحب اپنا قہقہ روک نہ سکے۔"

حیدر باری باری سب سے ملا سوائے صفا سے جس نے بلاخر خود ہی کہا۔

"میں بھی ناراض ہوں"

تو رہو ناراض کس نے منع کیا ہے" حیدر نے اسے تنگ کیا لیکن وہ رو دی۔"

ناٹ اگین یار ابھی تو بتایا ہے مجھے چپ کرانا نہیں آتا" وہ اس کے آنسو صاف کرتا بیچارگی سے بولا۔"

تو سیکھ لیں" وہ اپنی سوں سوں کے درمیان بولی۔"

کس سے۔۔۔۔ ہاشم مرتضیٰ سے۔۔۔ مسسز مرتضیٰ؟"اس نے ماتھے پے بل لئے ہلکی آواز میں"

اس سے پوچھا۔

بھائی" وہ اس کے سینے پر ہاتھ مار چیخی تھی۔"

بڑی ہو لیکن چھوٹی ہونے کا بہت شوق ہے تمہیں" اس نے صفا کے بھائی کہنے پر کہا۔"

بڑی بن کر مجھے نقصان ہے آپ کے سارے کام بھی مجھے ہی کرنے پڑیں گے اس سے بہتر ہے میں"

چھوٹی بن کر اپنے سارے کام بھی آپ سے ہی کراؤں"اس نے تفصیل سے بتایا۔

بڑی تیز ہو تم" وہ حیرت زدہ سا بولا۔"

بہن کس کی ہوں" صفا نے مصنوئی کولر اوپر چڑھائے تو سب ہی ہنس دیئے۔"

والیو اللہ پریشان سے یتیم خانے کے میدان میں ٹہل رہے تھے۔ان دو سالوں میں درجنوں لوگوں نے زینب کو پسند کیا تھا لیکن ان سب کی پسندیدگی کو ہوا ہونے میں بس ایک پل لگا تھا وجہ زینب کے والدین کا نہ ہونا تھا۔

ہمارے معاشرے میں ایک نیا رشتہ بناتے وقت ہم حسب نسب سب سے پہلے دیکھتے ہیں جو کے غلط بھی نہیں ہے لیکن اس حسب نسب کی بنیاد پر کسی کو حقیر سمجھ لینا خود سے کم تر سمجھ لینا غلط ہے۔۔۔۔فوقیت کے بنائے دائروں سے نکل نے انسانوں کو تو یہ کون سے نئے دائرے اللہ تو صرف تقوی پر دی ہے اللہ کر خود ہی تخلیق کر لئے ہیں ہم نے۔

زینب انہیں کب سے ایسے ٹہلتے دیکھ رہی تھی جب وہ آئی تھی تو والیو اللہ فون کان سے لگائے کھڑے تھے۔ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔

زینب انہیں دیکھ جان گئی تھی وہ اپنا غصّہ ضبط کر رہے تھے۔

انہوں نے فون بیڈ پر پھینکا تھا اور باہر ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔

زینب حیران ہوئی والیو اللہ اور اتنا غصّہ۔۔۔۔شاید بولنے والے نے ساری حدود پار کر لیں تھیں۔

زینب سے جب اور دیکھا نہیں گیا تھا وہ ان کا ہاتھ تھامے انہیں لئے عمارت کی بنی سڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

بابا میں نے آپ سے کوشش کرنے کے لئے کہا تھا یہ تو نہیں کہا تھا کے اس کوشش میں آپ خود کو ہلکان کرلیں" زینب نے شکوہ کیا۔

وہ چپ رہے جانتے تھے کہ وہ کس بارے میں بات کر رہی ہے۔

بس بہت ہوا جتنی کوشش کرنی تھی کرلی اب اور نہیں" اس نے الٹ لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔"

زینی۔۔۔۔۔۔" والیو اللہ یک دم بولے پر زینب نے انہیں کچھ بولنے ہی نہیں دیا۔"

کیوں ایسا کام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں آپ جو ممکن نہیں ہے بابا۔۔۔۔ کیا میں آپ کو خوش نہیں لگتی" وہ ان کو اس طرح پریشان دیکھ اب تھک گئی تھی غصّے سے بولی۔"

نہیں" وہ صاف گوئی سے بولے۔"

تو کون سی بڑی بات ہے نہ تو مجھے کوئی خواہش ہے اور نہ ہی کوئی شوق ہے خوش رہنے کا" اس کا غصّہ کم نہیں ہو رہا تھا۔"

حق تو ہے" وہ اسے دیکھتے بولے تھے۔"

مجھے نہیں ہے" وہ نفی کرتی بولی۔"

سب کو ہوتا ہے" وہ نرمی سے بولے۔"

سب کو ہوتا ہوگا مجھے نہیں ہے" وہ اپنے کہے پر قائم تھی۔"

میرے بعد کوئی تو ہونا چاہیے تمہارے پاس جو میرا جیسا خیال رکھ سکے تمہارا" وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتے" بولے تھے۔

آپ جیسا کوئی نہیں ہو سکتا نہ آپ جیسا خیال کوئی رکھ سکتا ہے نہ آپ جیسا پیار کوئی کر سکتا ہے زینی" سے۔۔۔۔ آپ چاہتے ہی نہیں ہیں کہ میں آپ کے پاس آؤں میں اب نہیں آؤں گی" وہ خفگی سے کہتی اٹھتی اس سے پہلے ہی والیو اللہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

تم نے اجازت دی تھی" انہوں نے باور کرایا۔"

ہاں دی تھی لیکن آپ اب یہ سب بند کر دیں کیوں کہ اگر اس طرح اپنی تذلیل کروا کر کوئی رشتہ آپ" نے ڈھونڈھ بھی لیا تو میں شادی نہیں کروں گی" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

تم نے وعدہ کیا تھا زینی" انہوں نے اس کا کیا وعدہ یاد دلایا۔"

میں توڑتی ہوں" وہ ہلکی آواز میں بولی۔"

وعدہ توڑنے کی سزا ہوتی ہے زینی" انہوں نے پھر بتایا۔"

آپ کو جو دل چاہے سزا دیں پر میں آپ کو اب اس طرح اور نہیں دیکھ سکتی" وہ نرمی سے بولی تھی۔"

میں ٹھیک ہوں" انہوں نے یقین دلایا۔"

میں بھی ٹھیک ہوں" اس نے اپنے لفظوں پہ زور دیتے کہا۔"

والیو اللہ اس کی بات کا مطلب سمجھ گئے تھے کہ وہ ٹھیک ہے اور اسے کسی کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ لیکن والیو اللہ وہ جانتے تھے جو وہ نہیں جانتی تھی۔۔۔۔۔ اس لئے وہ اس کے لئے پریشان تھے۔

حیدر واشروم سے شاور لے کے نکلا تھا۔ بال گیلے ہو رہے تھے جسے ٹاول سے خشک کرتا وہ کاؤچ پے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔

اور آج کل کیا مصروفیات ہیں؟" حیدر نے بات کا آغاز کیا۔"

احمر حضور دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے تیس گھنٹے رانیہ کو سوچتے رہتے ہیں اور مشکل سے ایک گھنٹہ " کو ہی پتا ہے" بھرپور طنزیہ انداز میں اپنے والد کے بزنس کو دیتے ہیں جو مستقبل میں کہاں جائے گا اللہ علی نے حیدر کو بتایا۔

احمر کی نظریں جہاں موبائل کی سکرین سے ہٹی تھیں وہیں حیدر نے اپنی ہنسی دبائی۔

اور حاشر حضور آج کل ایک لڑکی سے بچنے کی تغریبیں سوچتے رہتے ہیں اور آفس میں بھی جب ان کو" ان تغریبوں سے تھوڑی فراغت مل جاتی ہے تو تھوڑا کام کر لیتے ہیں" سابقہ انداز میں ہی کہا۔

کون لڑکی؟" حیدر نے عام سے انداز میں پوچھا۔"

اِشَہل احمد" علی نے ہنستے ہوئے بتایا۔"

اوہ" حیدر نے حیرت سے ہونٹوں کو او کی شیپ دے کر کہا۔"

لڑکی۔۔۔۔ لڑکی نہیں ہے وہ۔۔۔۔ لڑکیاں ایسی کب ہوتی ہیں وہ تو چڑیل ہے لیکن بس پیر سیدھے ہیں" باقی وہ پوری چڑیل ہی ہے۔۔۔۔ ایک یہ جن کم نہیں تھا جو وہ چڑیل بھی آگئی۔۔۔۔۔ اس سے بچنے کے لئے پھر میں سورۂ جن پڑھ لیتا ہوں اس سے بچنے کے لئے کیا پڑھوں" حاشر فل ڈرامائی انداز میں اپنا دکھڑا سنا رہا تھا اس کی آخری بات پر کمرے میں ایک ساتھ ان تینوں کا قہقہ گونجا تھا۔

تم سورۂ جن دن بھر پڑھتے رہو" احمر نے ہنسے کے بیچ اسے مشورہ دیا تھا۔"

پورے دن کیوں؟" حیدر نے ماتھے پر بل ڈالے پوچھا۔"

کیوں کہ مس چڑیل ان کی پی۔اے ہیں" احمر نے مزے سے جواب دیا۔"

کیا" حیدر نے کہہ کے ایک بار پھر ہنسی دبائی۔"

تو میری مصروفیت چھوڑ اپنی بتا۔۔۔۔ یہ سارا وقت اپنے گال پر پڑا دو سال پرانا تھپڑ محسوس کرتا رہتا ہے" حاشر نے پہلا فقرہ علی سے کہا جبکہ دوسرا میں حیدر کو بتایا۔

علی کو تھپڑ پڑنا وہ بھی کسی لڑکی سے کوئی چھوٹی بات تھوڑی تھی جو احمر حیدر کو نہ بتاتا۔

حیدر نے ایک بار پھر قہقہ لگایا تھا جب کہ علی حاشر کو گھور رہا تھا۔

کچھ یاد آتے حاشر نے حیدر سے کیا۔

وہ۔۔۔وہ ہم یونیورسٹی میں سوسائٹی کے ممبر رہ چکے ہیں اس لئے۔۔۔۔سر رضا چاہتے ہیں کہ اس" دفع کے کانووکیشن کے انتظامات ہم ارینج کریں ہم جانتے ہیں کہ ہم ایکس سٹوڈنٹس ہیں لیکن سر رضا ریکویسٹ کر رہے ہیں۔۔۔۔کیوں کے وہ جانتے ہیں تم۔۔۔۔آ گئے ہو" حاشر ہچکچاتے ہوئے حیدر کو بتا رہا تھا جب کہ علی اور احمر حیدر پر نظریں جمائے اسے دیکھ رہے تھے۔

کب سے شروع کرنی ہے ارینجمینٹ؟" وہ لاپرواہی سے پوچھ رہا تھا۔"

کیا!!!" وہ حیرت زدہ سا پوچھ رہا تھا۔"

کیا کیا؟۔۔۔۔۔چلیں گے تم سب بتا دو کس ٹائم تک پوھنچنا ہے؟" وہ پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔"

ان تینوں کو ہی حیرت ہوئی اس کے روایئے سے کیوں کہ یہ بات کسی سے چھپی نہیں تھی کہ اس کانووکیشن میں زینب والیو اللہ بھی شامل تھی اور جہاں وہ اس کی وجہ سے اپنے ملک نہیں آ رہا تھا آج وہاں جانے کے لئے رضامند تھا جہاں اُس کا ہونا لازم تھا۔

وہ اوندھی پڑی گاڑی کی جانب لپکے تھے دروازہ کھول کے اس کے اندر گئے تو بیوی اور بیٹی کو بیہوش پایا وہ بیہوش تھیں یا نہیں انہوں نے خود کو یہی تسلی دی کہ وہ بیہوش ہی ہیں آج پہلی بار انہیں اپنی بیٹی اور بیوی

کو ہاتھ لگانے میں خوف آرہا تھا ان دونوں کا خون سے تر جسم انہیں بہت کچھ بتا رہا تھا پر یہاں ماننا کس نے تھا۔ بڑی مشکل سے انہوں نے دونوں کو باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن سب بے سود۔

مجمعے میں کھڑے لوگوں نے ان کی جان بچانے کے لئے انہیں باہر گھسیٹا تھا وہ بے قابو ہوتے ایک بار پھر گاڑی کی جانب بڑھے تھے لیکن یک دم ہی گاڑی کے انجن میں آگ لگی تھی اور ایک دھماکے کے ساتھ آگ کے بڑے بڑے گولے فضا کو سیاہ کر گئے تھے۔ یہ سیاہ دھوئیں کے بادل موت کی سیاہی سے کم ہی سیاہ تھے زندگیاں تھم گئیں تھیں ایک عجیب سناٹے اور وحشت کا راج تھا۔ موت نے آج زندگی کو ہارا دیا تھا۔

وہ شخص وہاں حیرت کی تصویر بنا کھڑا تھا۔ لمحوں کا کھیل تھا جو تھوڑی دیر پہلے خود کو دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان سمجھ رہا تھا اس وقت خود سے زیادہ بدنصیب کسی کو نہیں پا رہا تھا اس کے سامنے اس کی دنیا اجڑ گئی تھی اور وہ کچھ نہ کر سکا تھا۔

وقت گزرتا گیا۔۔۔۔۔بے یقینی۔۔۔۔یقین میں بدل گئی۔

وہ سونسان سڑک پہ بیٹھا نیلے آسمان کی طرف آنکھیں کئے آنسو بہا رہا تھا جو رکنے سے انکاری تھے۔

آج گزرا ہر پل اسے یاد آرہا تھا۔

ہم جا کہاں رہے ہیں؟

ماضی میں کیا بیوی کا سوال گونجا تھا ذہن میں۔

آج میں آپ کو وہ دکھاؤں گا جو آپ نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا

آج سچ میں میں نے اسے وہ دیکھایا جو اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔۔۔ میں نے اسے موت دیکھائی "وہ" اس اندھیری رات میں خود سے ہم کلام تھا۔

ایک آہ تھی جو ان کے منہ سے نکلی تھی۔ درد کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ بے بسی سی بے بسی تھی جن کے بغیر موت کا تصور تھا عجیب بات تھی موت نہیں آئی تھی۔۔۔۔ مرنے کی شدید خواہش تھی لیکن ابھی موت نصیب میں نہیں تھی۔۔۔۔ دل پھٹ کے باہر آنے کو تھا پر پھٹ نہیں رہا تھا۔

کی نعمتوں سے بھرا تھا وقت کی ایک کروٹ نے اسے خالی آج وہ اپنا سب کچھ کھو چکا تھا جو ہاتھ صبح تک اللہ کر دیا تھا۔ اس میں گھر جانے کی ہمت نہیں تھی وہاں اب کچھ نہیں تھا اس کے لئے نہ بیٹی تھی نہ بیوی کچھ بھی تو نہیں رہا تھا۔ وہ رب سے شکوہ کرنا چاہتا تھا شکایت کرنا چاہتا تھا غصّہ کرنا چاہتا تھا ناراض ہونا چاہتا تھا لیکن لب کھلنے سے انکاری تھے اور اس کی وجہ اس کی بیوی کی کہی باتیں تھیں جو اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔

ہمیں رب کی رضا کے ساتھ راضی ہونا سیکھنا ہے کیوں کے اس سے بہتر تو کوئی جانتا ہی نہیں سکتا ہمارے " لئے کیا بہتر ہے اور کیا بہترین۔۔۔ اس کے کام وہی جانتا ہے اور جتنی محبّت وہ آپ سے کرتا ہے دنیا یا

آخرت دونوں میں ہی آپ سے کوئی نہیں کرتا اور پھر ایسے محبّت کرنے والے کے کئے سے راضی نہ ہونا

"اس کی محبّت پر شک کرنا ہوا

وہ جب بھی کمزور پڑتا ناشکرا ہونے لگتا وہ اسے سمجھاتی تھی۔

ایک اور گونج

:حضور اکرمؐ نے حضرت ابراھیم بن محمدؓ کے انتقال کے وقت فرمایا تھا

آنکھ آنسو بہاتی ہے دل غمگین ہے مگر ہم زبان سے وہی الفاظ نکالے گے جس سے ہمارا رب راضی ہو"

یہ قصّہ بھی اس نے اپنی بیوی کی زبانی سنا تھا۔

اس کا صبر جواب دے رہا تھا وہ پر سکون ہونا چاہتا تھا اس کی زبان سے بے اختیار الفاظ نکلنا شروع ہو گئے تھے۔

جیسے تو راضی ویسے میں راضی۔۔۔ جیسے تو راضی ویسے میں راضی" آنسوؤں سے تر چہرہ لئے وہ ہچکیوں" کے درمیان بول رہا تھا۔

جیسے تو راضی ویسے میں راضی۔۔۔۔ جیسے تو راضی ویسے میں راضی" اس کی آواز بلند ہونے لگی تھی۔"

جیسے تو راضی ویسے میں راضی" وہ سجدے میں چلا گیا تھا اس کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا آواز بلند سے بلند" تر ہوتی جا رہی تھی۔

نجانے کتنے پہر تھے جو یوں ہی گزر گئے تھے۔ وہ اب خود کو بہت پر سکون محسوس کر رہا تھا پر اب بھی درد تھا پر کم تھا۔ وہ پسینے سے شرابور ہو چکا تھا۔ اس نے سجدے سے سر اٹھایا جس سے آنسو کی لڑیاں اب بھی جاری تھی اچانک اس کی سماعتوں سے کسی بچی کے رونے کی آوازیں ٹکرانے لگیں اس نے بے چینی سے گردن موڑ دور دور تک نظر دوڑائی لیکن اس کی زینب کہیں نہیں تھی اس نے افسوردگی سے سر جھٹکا اسے لگا وہ اس کا وہم ہے۔

ایک بار پھر وہی آواز آئی اس نے مڑ کے دیکھا لیکن کسی کو نہ پایا۔

ایک بار، دوبار، بار بار اور جب یہ آواز آنا بند نہیں ہوئی تو اس نے اپنے چہرے پر آئے آنسوؤں کو رومال سے صاف کیا اور اس آواز کے پیچھے چل دیا۔

جیسے جیسے یہ قدم بڑھتا آواز بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے اندازہ ہوا کے آواز کس جگہ سے آ رہی ہے تو اس کے ماتھے پر شکنے ابھریں اس جگہ کسی بچے کی موجودگی ناقابلِ برداشت تھی۔۔۔ نامعقول تھی۔۔۔ انتہائی دردناک تھی۔

اس نے کمبل میں لپٹی اس کمسن کلی کو نرمی سے اٹھایا جیسے اسے ڈر ہو کے کہیں وہ مرجھا ہی نا جائے۔

کسی کا لمس محسوس کر بچی نے اب رونا بند کر دیا تھا۔ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے منہ پے آئی چادر ہٹانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

انہوں نے اس کی مشکل کو آسان کر دیا اور اس کے چہرے سے چادر سرک دی۔

وہ دھک سے رہ گئے تھے وہ وہی تھی یا شاید انھیں لگ رہی تھی پتا نہیں۔۔۔اس کی آنکھیں بھی زینب کی طرح کالی اور بڑی بڑی تھی۔۔۔۔سیب جیسے لال گال۔۔۔۔وہی دل کو دیوانہ کر دینے والی ہنسی۔۔۔وہ مسلسل ہاتھ پیر مار رہی تھی۔

کو دیکھ رہا تھا۔۔۔۔کھوج رہا تھا۔۔۔اس کی ان کا سر بے ساختہ اوپر کی جانب اٹھا تھا وہ اپنے اللہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس نے زور سے اس بچی کو اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا۔وہ جوان مرد گھوٹنوں کے بل بیٹھتا چلا گیا اور زارو قطار رونے لگا۔

اسے جیسے ہی خیال آیا وہ معصوم اس کی مضبوط گرفت برداشت نہیں کر سکے گی اس نے اسے خود سے الگ کیا۔آنسو کا ایک قطرہ بچی کے گال پر گرا اس نے پلکیں جھپکین اور ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگی نا جانے اسے کیا سمجھ آیا تھا کہ وہ رونے لگی۔وہ جلدی سے اٹھے اپنے آنسو صاف کئے اور اسے بہلانے لگے پر یہ کیا وہ اب چپ ہوئے انہیں پھر سے دیکھ رہی تھی وہ اس کے اس طرح اتنی دلچسپی سے دیکھنے پر ہلکے سے مسکرائے۔۔۔وہ ان کے مسکرانے پر کھکھلا کر ہنسی اور اپنے ہاتھ پیر خوشی سے کمبل پر مرنے لگی۔

انہیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا اس بچی کو اتنی سی عمر میں آنسوؤں کا مطلب پتا تھا اور وہ لوگوں کو خوش کرنا جانتی تھی۔

انہیں علم ہی نہ ہوا وہ کب سے ایسے بیٹھے تھے ماضی کا غم ایک بار پھر سے تازہ ہو گیا تھا اپنے چہرے پر تری محسوس کر انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں۔۔۔۔اور وہ حال میں تھے کمرے میں نیم اندھیرا تھا اور وہ آرام دہ چیئر پر بیٹھے تھے آنکھوں کی باڑ سے کئی خاموش آنسو بہہ نکلے تھے۔

وہ رب کچھ لیتا ہے تو کچھ دیتا بھی ہے۔۔۔۔انہیں بھی ملا تھا۔۔۔۔انہیں بھی رب نے دیا تھا۔۔۔۔زندگی سیدھی لکیر کا نام نہیں ہے یہ نام تو موت کا ہے جہاں سب کچھ تھم جاتا ہے۔۔۔۔زندگی تو وہ ہے جس میں نشیب ہوں۔۔۔۔فراز ہوں۔۔۔۔۔ہلچل ہو۔۔۔۔۔۔

ان کی جسم میں زندگی تھی تو ان کے ساتھ مسائل بھی تھے جو انہیں حل کرنے تھے زینب کو کسی کے ہاتھ میں سونپنا تھا۔۔۔۔اپنے تھمنے سے پہلے۔۔۔۔روح کے پرواز کرنے سے پہلے۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن کسے پتا کے کل ان کے نصیب میں تھا بھی۔۔۔۔یا نہیں

-----------------------،----------------------

پچھلے ایک ہفتے سے یہ چاروں کانووکیشن کی تیاری میں مصروف تھے اور آج ساری تیاریاں اپنے اختتام پر پہنچی تھیں۔

حیدر آ تو گیا تھا لیکن وہ زینب کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا کیوں کہ وہ نہیں چاہتا تھا کچھ ایسا ہو جائے اس سے جو نہیں ہونا چاہیے۔

کچھ دیر میں سٹوڈنٹس آنا شروع ہو گئے تھے اور حیدر بہانہ کر کے باہر گراؤنڈ میں بیٹھا تھا سب کی نظروں سے دور۔

اندر آڈیٹوریم میں تقریب کا آغاز ہو گیا تھا۔ بہت سے سٹوڈنٹس اپنے اس سفر کے اختتام پر خوش تھے تو وہیں بہت سے اپنے دوستوں سے بچھڑنے پر دکھی بھی تھے۔

نور رانیہ اور زینب سفید رنگ کے کانووکیشن ڈریس میں ملبوز بیٹھی ہنستی مسکراتی باتیں کر رہی تھیں۔

تقریب کا آغاز قرانی تلاوت سے ہوا سب اپنی جگہ ادب سے سیدھے ہو کے بیٹھ گئے اور سرگوشیاں بند کر دیں۔ تلاوت کے بعد حضورؐ کی شان میں نعت پڑھی گئی ادب اور احترام اب بھی برقرار تھا کچھ وقت گزرا تھا کہ ڈین نے گلا کھنکار کر سپیچ شروع کی۔ سٹوڈنٹس عادت سے مجبور تھے سرگوشیوں کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ زینب کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے اپنے گھٹنوں پر رکھے بیگ سے موبائل نکالا کال کسی نہ معلوم نمبر سے آرہی تھی اس نے کال اٹینڈ کی اور آواز نہ آنے پر اپنا بیگ رانیہ کی گود میں ڈالا اور باہر کی جانب راہ لی۔

السلام علیکم" باہر کی کھلی فضا میں آکر اس نے دوسری طرف سلامتی بھیجی تھی۔"

وعلیکم سلام زینی بی بی۔۔۔۔زینی بی بی میں خان بابا بات کر رہا ہوں۔۔۔۔والیو اللہ" وہ اتنا کہتے رونے" لگے تھے۔

زینب کو کسی انہونی کے ڈر نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

کیا ہوا ابا کو" زینب نے بامشکل یہ الفاظ ادا کئے تھے۔"

والیو اللہ صاحب کو رات میں ہارٹ اٹیک آیا تھا سب انھیں ہسپتال لے گئے لیکن آپ کو اطلاع دینے" سے سختی سے منع کر دیا۔۔۔۔مجھے معاف کر دیں زینی بی بی میں مجبور تھا اپنی نوکری کی وجہ سے" وہ بتا "رہے تھے لیکن زینب تو بس ایک نقطے پر رک گئی تھی" بابا ٹھیک نہیں تھے

اب۔۔۔۔۔کیسے۔۔۔۔۔ہیں۔۔۔۔۔بابا" اس نے اٹکتے ہوئے کسی انجانے خوف کے زیرِ اثر" پوچھا۔

ڈاکٹر کہتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں کہہ سکتے انہیں آئی۔سی۔یو میں رکھا ہے کل سے" خان بابا کا اتنا کہنا تھا" زینب کے ہاتھ سے فون چھوٹ کے زمین بوز ہو گیا۔

کسی کو کھو دینے کا خوف پوری شدت سے زینب پر حاوی تھا وہ انہیں کھونا افورڈ نہیں کر سکتی تھی ان کے علاوہ تھا ہی کون۔۔۔۔اسے لگا اب وہ کھڑی نہیں ہو سکتی اس کے پیر جیسے بے جان ہو گئے تھے وہ زمین

پر بیٹھتی چلی گئی۔۔۔۔یہ درد آج ہر درد سے بڑا تھا ہر تکلیف سے بڑا تھا۔۔۔۔اتنا کمزور اس نے خود کو کبھی نہیں پایا تھا۔۔۔۔آنکھوں کی باڑ سے کب ایک آنسو آزاد ہوا اسے پتا ہی نہ چلا۔

دور کھڑا حیدر اپنی جگہ پر جم گیا تھا۔۔۔۔وہ جس سے بچنے کی کوشش میں تھا وہ سامنے زمین پر بیٹھی تھی۔۔۔اس کے اداس چہرے پر آج خوف کی پرچھائیاں واضح دیکھی جا سکتی تھیں۔۔۔۔اس کے گال پر ایک موتی تھا جو چمک رہا تھا۔۔۔۔حیدر کو یقین نہیں آیا وہ زینب تھی۔۔۔زینب والیواللہ۔۔۔۔

اس نے درد سے سر اٹھا کے آسمان کی جانب دیکھا تھا۔۔۔۔وہ تھا۔۔۔۔وہ ہے۔۔۔۔پر وہی رہے ہے۔۔۔۔اور وہ امید دیتا ہے۔۔۔۔ہر ناممکن کو ممکن کرنا اسے آتا ہے۔۔۔وہ گا۔۔۔۔وہ اللہ کن کہتا ہے اور فیکون ہو جاتا ہے۔۔۔۔انسانی عقل اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔۔۔۔اس کے کرشموں میں چھپی دانائی سے بے خبر۔۔۔انجان۔۔۔۔زینب نے اس امید کی ڈور کو تھاما تھا خود کو سنبھالا تھا۔۔۔اس نے مٹی میں اپنے ارد گرد اپنا موبائل تلاش کیا تھا اور وہ اسے مل گیا تھا۔۔۔لیکن بے جان۔۔۔۔اس کے چہرے پے بیچارگی رقم تھی۔۔۔۔وہ کپکپاتے ہاتھوں سے موبائل کو اپنی ہتھیلی پر پٹخ رہی تھی۔۔۔۔موبائل کی سکرین روشن ہوئی تھی۔۔۔اس کا چہرہ بھی روشن

ہوا۔۔۔۔اس کے ہاتھ بری طرح کپکپارہے تھے۔۔۔۔اس نے بڑی مشکل سے ڈائلنگ میں موجود نمبر ڈائل کیا اور کان سے لگایا۔ دو بیلوں کے بعد کال اٹھالی گئی اس نے خان بابا سے ہسپتال کا نام پوچھا۔

وہ کال منطقہ کر کے دروازے کی جانب بڑھی تھی اور رکشا دیکھتے ہی اس میں بیٹھ گئی تھی اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو گئی تھی وہ اپنی گاڑی جو پارکنگ ایریا میں اس نے آتے وقت پارک کی تھی بھولے رکشے والے کو ہسپتال کا نام اور اڈریس سمجھا رہی تھی۔

حیدر نجانے کتنی دیر اسی راہ کو تکتا رہا تھا جہاں سے وہ گرتی سنبھلتی گئی تھی۔۔۔۔عجیب بات تھی اسے دیکھ آج حیدر کو غصّہ نہیں آیا تھا۔۔۔۔اور ایسے دیکھ ہمدردی بھی نہیں ہوئی تھی۔۔۔۔ہاں پر دل میں درد ہوا تھا۔۔۔۔حیدر کو اسے ایسے دیکھنا اچھا نہیں لگا۔۔۔۔زینب والیو اللہ کمزور بھی ہو سکتی تھی حیدر کو علم نہیں تھا۔۔۔۔لیکن وہ کمزور کیوں پڑی حیدر نہیں جانتا تھا پر اتنا جانتا تھا کوئی بات تھی جو زینب کے لئے اہمیت کی حامل تھی۔۔۔۔اور اسے وہ جانی تھی۔

حیدر نجانے کتنی دیر اسی راہ کو تکتا رہا تھا جہاں سے وہ گرتی سنبھلتی گئی تھی۔۔۔۔۔ عجیب بات تھی اسے دیکھ آج حیدر کو غصہ نہیں آیا تھا۔۔۔۔ اور ایسے دیکھ ہمدردی بھی نہیں ہوئی تھی۔۔۔۔ہاں پر دل میں درد ہوا تھا۔۔۔۔ حیدر کو اسے ایسے دیکھنا اچھا نہیں لگا۔۔۔۔ زینب والیو اللہ کمزور بھی ہو سکتی تھی حیدر کو علم نہیں تھا۔۔۔۔ لیکن وہ کمزور کیوں پڑی حیدر نہیں جانتا تھا پر اتنا جانتا تھا کوئی بات تھی جو زینب کے لئے اہمیت کی حامل تھی۔۔۔۔ اور اسے وہ جانی تھی۔

حیدر کو پتا نہیں چلا کیسے اس کے قدم پارکنگ ایریا تک گئے۔۔۔۔ کیسے اس نے ڈرائیو کیا۔۔۔۔ اور کیسے زینب کے پیچھے گیا۔۔۔۔ کوئی عجیب شئے تھی۔۔۔۔ یا کوئی کشش تھی جو اسے اس کی طرف کھینچ رہی تھی اور وہ کھینچا جا رہا تھا۔

رکشا ہسپتال کے باہر روکا تو زینب تیر کی سی تیزی سے رکشے سے باہر نکلی۔

او بی بی کرایا تو دیتی جاؤ" رکشے والے نے پیچھے سے آواز لگائی تھی۔"

زینب اس کی بات سن روکی تھی لیکن اس کے ہاتھ خالی تھے بیگ وہ رانیہ کے پاس ہی چھوڑ آئی تھی۔ اسے اندر جانے کی جلدی تھی زینب کو یک دم خیال آیا تھا اس نے حجاب کے اوپر سے اپنے کان پر ہاتھ لگایا تھا۔۔۔۔ اور اس کا چہرہ اس خیال سے کچھ اور بُجھا تھا۔۔۔۔ اس نے حجاب کے نیچے سے اپنے چھوٹے چھوٹے ٹاپس اتار رکشے والے کے آگے بڑھائے تھے۔

یہ ارٹیفیشل چیزیں دے کر ہمیں بیوقوف نا بناؤ" اس آدمی نے بینا دیکھے ہی کہا۔"

یہ سلور گولڈ ہیں۔۔۔ میرے پاس دینے کو اور کچھ نہیں ہے اور اس کی مالیت آپ کے کرائے سے زیادہ" ہی ہے" زینب نے دھیمی آواز میں بتایا۔

اس آدمی نے ہاتھ آگے بڑھائے تو زینب نے وہ ٹاپس اس کی ہتھیلی پر رکھ دئے۔۔۔۔ ٹاپس کی چمک دیکھ اس آدمی کی آنکھیں چمکیں تھیں وہ واقعی زیادہ مالیت کے نہیں تھے لیکن اس کے کرائے سے بہت زیادہ تھے۔۔۔۔ ان ٹاپس کو ایک نظر دیکھ زینب اندر چلی گئی تھی۔۔۔ وہ یہ دینا نہیں چاہتی تھی پر اسے دینے پڑے کیوں کہ چیزیں کبھی بھی انسانوں سے بڑھ کر نہیں ہوتی چاہے ان کی مالیت کتنی بھی کیوں نا ہو۔۔۔۔

ابھی رکشے والا ان ٹاپس کو پھٹی ہوئی آنکھوں سے آنکھوں میں لالچ لئے دیکھ رہا تھا جب کسی نے ان ٹاپس کو اس سے جھپٹ لیا وہ اس حملے سے بوکھلا گیا لیکن فوراً بولا۔

"ادھر دو یہ میرے ہیں"

اوہ تمہارے ہیں۔۔۔۔ انہیں پہن تم سگنل پر کھڑے ہوتے ہو" حیدر اپنے غصّے کو قابو کر کہہ رہا تھا۔"

اپنی حد میں رہو یہ مجھے میرے کرائے کے طور پر دئے گئے ہیں" رکشے والا بھڑک کر بولا۔"

حد میں تو تم رہو کرایا لو اور دفع ہو یہاں سے" حیدر نے اس کا کالر پکڑتے درشتگی سے کہا۔"

رکشے والے نے حیدر کے تیور دیکھ اپنا گلہ تر کیا۔

حیدر نے ایک جھٹکے سے اس کا کالر چھوڑا تھا اور اپنا والٹ خالی کر اس کے منہ پر پیسے مارے تھے اور ان ٹاپس کو اپنی فرنٹ پاکٹ میں رکھ وہ چلا گیا تھا۔

یہ آدمی حیدر کی پشت کو حیرت زدہ سا دیکھ رہا تھا۔۔۔۔اسے لگا شاید وہ پاگل تھا جو وہ معمولی سے ٹاپس لے گیا اور نجانے کتنے نوٹ اس پر برسا گیا۔

زینب ریسپشن پر والیو اللہ کا پوچھ بیتابی سے کوریڈور میں ان کا کمرہ تلاش کر رہی تھی۔

اسے کوریڈور کے آخری حصّے میں اور فینیج کے کچھ لوگ نظر آگئے تھے۔۔۔۔وہ خود کو مضبوط کرتی آگے بڑھی تھی۔۔۔چہرے پر سختی آگئی تھی وہ سب آئی۔سی۔یو کے باہر راستہ روک کھڑے تھے۔۔۔اس کی آنکھوں میں ایسا جنون تھا کہ اگر آج اسے والیو اللہ سے ملنے سے کسی نے روکا تو وہ سب کچھ ختم کر دے گی۔۔۔۔ہر چیز کو ریزہ ریزہ کرنے کا جنون۔۔۔۔ہر حد پار کر دینے کا جنون۔۔۔۔اسے دیکھ ان سب نے خاموشی سے راستہ صاف کیا تھا۔۔۔۔

زینب نے آئی۔سی۔یو کے باہر لگی ونڈو سے انہیں دیکھا تھا۔۔۔ان کا جسم کئی قسم کی تاروں سے جڑا تھا۔۔۔اوکسیجن ماسک ان کے چہرے پر لگا تھا وہ بہت دھیمے دھیمے سانس لے رہے تھے۔۔۔انہیں اس

حالت میں دیکھ اس سے آنسو روکنا مشکل ہو رہا تھا۔۔۔۔۔ گلے میں ایک گولہ اٹکا تھا۔۔۔۔ وہ کمزور نہ پڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔۔۔ وہ لوگوں کے سامنے خود کو کمزور ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔۔۔۔ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا جیسے ہر غم۔۔۔۔ ہر درد مٹا دینا چاہتی ہو۔

اس نے ان کی کنڈیشن کے بارے میں جانے کے لئے ڈاکٹر کے کیبن کا رخ کیا۔

اینڈ دا ٹوپر اس زینب والیو اللہ "اس کا نام آڈیٹوریم میں گونجا تھا۔۔۔۔ کچھ سٹوڈنٹس اس کی کامیابی" سے خوش تالیاں بجا رہے تھے تو کچھ دل پر بوجھ رکھے۔

رانیہ اور نور نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا وہ اس سب میں محو زینب کو بھول ہی گئیں تھیں۔

جس کے نام کی پکار چاروں طرف تھی وہ کہیں نہیں تھی۔ جب زینب کو بار بار پکارنے پر بھی کوئی جواب نہ آیا تو ہال میں خاموشی چھا گئی۔۔۔۔ زینب کا نہ ہونا سب کے لئے ہی باعثِ حیرت تھا۔۔۔ کوئی اپنی اتنی بڑی کامیابی کے دن غائب ہو سکتا تھا سمجھنا مشکل تھا۔

وہ دونوں اپنا بیگ سنبھلتی باہر آئیں تھیں۔

یار زینی اب تک نہیں آئی کافی دیر ہو گئی ہے "رانیہ نے باہر آتے ہی نور سے کہا تھا۔"

کہاں جائے گی یہیں کہیں ہو گی" نور نے عام سے انداز میں کہا کیوں کہ وہ رانیہ کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

لیکن بہت دیر ہو گئی ہے" رانیہ کی پریشانی کم نہیں ہوئی تھی۔"

کال آئی تھی نہ اس کے پاس کسی کی ہو سکتا ہے کہیں گئی ہو" نور نے یاد آتے اس سے کہا تھا۔"

ہاں ہو سکتا ہے۔۔۔۔ لیکن اگر وہ یہیں ہوئی تو" رانیہ نے حامی بھری لیکن اپنا خدشہ بھی ظاہر کیا۔"

تم ایسا کرو پارکنگ چیک کرو میں واشروم اور کینٹین چیک کر کے تمہیں وہیں ملوں گی۔۔۔ ٹھیک ہے""" نور نے ھدایت دی اور حامی چاہی۔

ٹھیک ہے" رانیہ کہتے ہی تیز تیز پارکنگ کی طرف بڑھنے لگی۔"

رانیہ پارکنگ میں زینب کی گاڑی ڈھونڈھ رہی تھی جو اسے مل گئی تھی۔۔۔۔ وہ اس کے آگے کھڑے دعا کر رہی تھی کے زینی نور کو مل جائے۔

آپ یہاں کیا کر رہی ہیں" احمر اس کی پشت پے کھڑا مسکراتا ہوا پوچھ رہا تھا۔ رانیہ کا اترا ہوا چہرہ دیکھ اس" کی مسکراہٹ معدوم ہوئی تھی۔

سب ٹھیک ہے؟" اس نے فکر سے پوچھا۔"

وہ۔۔۔ وہ زینی نہیں مل رہی" وہ بھرائی ہوئی آواز میں معصومیت سے بولی تھی۔"

اس انداز پے احمر کے لبوں کے کنارے پر ایک مسکان آئی تھی جسے اس نے چھپا لیا۔

کوئی بات نہیں مل جائیں گیں اس میں کون سی بڑی بات ہے" وہ اسے بہلا رہا تھا۔"

آپ کو تو کوئی بات بڑی لگتی ہی نہیں ہے" رانیہ نے کہتے ساتھ رخ پھیرا تھا۔"

احمر کے کچھ کہنے سے پہلے نور رانیہ کی طرف بڑھی تھی۔

ملی؟" رانیہ نے امید سے پوچھا نور نے نفی میں سر ہلایا۔"

تب ہی حاشر اور علی دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے اور علی نے احمر سے سوال کیا۔

"حیدر کہاں ہے؟"

اندر ہی ہو گا۔۔۔میں تو ابھی باہر سے آرہا ہوں مجھے نہیں پتا" احمر نے عام سے انداز میں بتایا۔"

رانیہ کے کان کھڑے ہوئے تھے اس نے احمر کی طرح رخ کیئے کہا۔

"کہیں وہ تو زینی کو نہیں لے گئے کہیں؟"

تم لوگوں نے ٹھیک کہا میں نے جو کچھ کیا غلط تھا لیکن جو آج اس نے کیا وہ ٹھیک نہیں تھا۔۔۔جو بھی تھا" میں زبان سے بات کر رہا تھا اس نے ہاتھ اٹھا کے ٹھیک نہیں کیا اور اس کا حساب اسے دینا ہو گا۔۔۔ایک دن"

یہ الفاظ احمر کے ذہن میں ہوا کے جھونکے کی طرح گزرے تھے اس نے علی اور حاشر کی جانب دیکھا ان کی آنکھوں میں اس نے وہی کچھ پایا جس کا خدشہ اسے خود تھا۔۔۔حیدر کا یہ جملہ اسے بہت پچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔۔حیدر کا پاکستان آنا۔۔اس کا بینا کوئی عتراض کیئے یونیورسٹی تک آجانا۔۔اور اب ان دونوں کا ایک ساتھ غائب ہو جانا۔

رانی۔۔۔ہم ایسے تو نہیں کہہ سکتے نہ۔۔۔ہو سکتا ہے وہ آفس گئی ہو یا گھر۔۔یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ" والی بابا کے پاس گئی ہو "نور نے آنکھوں کے اشارے سے رانی کو سمجھایا۔۔آخر کو وہ تینوں اس کے دوست تھے اور رانیہ پچھ بھی سوچ سمجھے کہہ گئی تھی۔

تم دونوں حیدر کو ڈھونڈو میں ان کے ساتھ زینب کو ڈھونڈھتا ہوں "احمر بے حد سنجیدہ لگ رہا تھا۔"

ٹھیک ہے "وہ تائید کرتے آگے بڑھ گئے۔"

حیدر کوریڈور سے تیزی سے گزرتا زینب کو ڈھونڈھ رہا تھا۔۔۔اس کے قدم آگے جاتے جاتے پیچھے ہوئے تھے اسے وہ دیکھ گئی تھی۔۔۔جو مرے ہوئے قدم لئے نظریں نیچے جھکائے کسی ہارے ہوئے مسافر کی مانند اس کے سامنے سے گزری تھی۔۔۔۔اس پل میں حیدر کے دل کی دھڑکن اور سانس دونوں ہی تھمی تھی۔۔۔

وہ ایک کمرے کا دروازہ کھول اندر گئی تھی جہاں مشینوں کی آوازوں کے علاوہ ایک ادھ مارا وجود تھا جس کی سانسوں کی تمنا زینب کو دنیا میں موجود ہر شئے سے زیادہ تھی۔۔۔۔وہ ڈاکٹر سے مل آئی تھی جس کے پاس امید بہت کم تھی کیوں کہ ہارٹ اٹیک کے بعد سے ہی وہ ہوش میں نہیں آئے تھے۔۔۔۔زینب کی آنکھوں میں آنسو کا سمندر اتر آیا تھا وہ والیو اللہ کے بیڈ کے پاس رکھی چیئر پر بیٹھی۔ان کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر ان پر بوسہ لیا اور ایک ایک کر اپنی دونوں آنکھوں کو ان کے ہاتھ پر رکھا۔۔۔۔اس لمحے کی دیر تھی آنسو چھم چھم اس کی آنکھوں سے برسنے لگے۔۔۔۔۔۔کمرے کے باہر کھڑے۔۔۔۔ونڈو سے زینب کو دیکھتے۔۔۔۔حیدر کا وجود ساکت ہوا تھا۔۔۔۔

بابا۔۔۔۔بابا۔۔۔۔۔با۔۔۔۔با" وہ بھرائی ہوئی آواز میں وقفے وقفے سے انہیں پکار رہی تھی۔۔۔۔لیکن والیو اللہ آج اس کی پکار کا جواب دینے سے قاصر تھے۔

بابا۔۔۔۔بابا سن لیں"

نہ۔۔۔۔میں۔۔۔۔ایک۔۔۔۔و۔۔۔عدہ۔۔۔توڑ۔۔۔نے۔۔کی۔۔۔۔اتنی بڑی سزا نہ۔۔۔۔دیں مجھے۔۔۔۔۔میں برداشت۔۔۔۔نہیں کر پاؤں گی۔۔۔۔آپ۔۔۔۔جیسا۔۔۔۔کہیں گے۔۔۔۔ویسا ہی کروں۔۔۔۔گی۔۔۔آپ جہاں۔۔۔۔کہیں گے۔۔۔۔۔میں وہیں شادی۔۔۔۔کر۔۔۔لوں گی۔۔۔۔پلیز بابا۔۔۔۔جہاں تک پہنچے۔۔۔ہیں۔۔۔وہیں سے

وا۔۔۔پس۔۔۔۔ آ۔۔۔۔ جائیں۔۔۔۔۔ ورنہ آپ کی۔۔۔۔ زینی۔۔۔۔ ٹوٹ جائے

گی۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔ بابا۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔ میرے۔۔۔۔ پاس۔۔۔۔ کوئی۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ کوئی۔۔۔۔

نہیں۔۔۔۔۔ ہے۔۔۔۔ کوئی۔۔۔ بھی۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔ خود۔۔۔۔ کو۔۔۔ مجھ۔۔۔۔ سے

دو۔۔۔۔ ر۔۔۔۔ نہ

کریں۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ ہمت۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ رکھتی۔۔۔۔ آپ۔۔۔ کو۔۔۔۔" وہ بامشکل

ہچکیاں لیتے بول پا رہی تھی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آخری فقرہ کہتے وہ والیو اللہ کے ہاتھ پر سر

رکھے روتی چلی گئی۔

زینب کو اس طرح روتے دیکھ حیدر کے سامنے کا منظر دھندلایا تھا۔۔ اس نے میکانکی انداز میں اس

دھند کو ہٹانے کے لئے آنکھوں پے ہاتھ پھیرا تھا۔۔ آنسو اس کی مظبوط ہتھیلی پر چمک رہے

تھے۔۔۔۔ یہ دیکھ وہ کچھ اور ساکت ہوا۔۔۔ وہ کب کسی کے غم میں ایسے شریک ہوا تھا کہ غمزدہ کو ہی

علم نہ تھا۔۔۔۔ اور کب رویا تھا یوں۔۔۔۔ وہ کیوں رویا تھا۔۔۔۔ اور کس کے لئے رویا

تھا۔۔۔۔۔ سوال بہت تھے جواب نہ تھے۔

موسم اچانک ہی خراب ہو گیا بادلوں نے سورج کو اپنے آنچل سے ڈھانپ لیا تھا۔ دن یک دم ہی شام میں تبدیل ہو گیا۔

کالے گھرے بادل آسمان پر چھائے ہوئے تھے اور پورے زور و شور سے برس رہے تھے اور اس تیز بارش میں احمر رانیہ اور نور کے ساتھ زینب کی تلاش میں تھا۔

احمر نور اور رانیہ کو لئے زینب کے گھر اور آفس میں اسے ڈھونڈھ آیا تھا اور اب وہ یتیم خانے کی طرف گامزمان تھے۔

نور اور رانیہ وقفے وقفے سے زینب کو کال کر رہیں تھیں لیکن زینب کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا جو ان کی پریشانی کو مزید بڑھا رہا تھا۔

یتیم خانے کے باہر ان کی گاڑی رکی تھی رانیہ نے باہر نکلنے کے لئے سیٹ بیلٹ ہٹا کر اندر جانا چاہا کہ احمر نے اس کا ہاتھ پکڑ روک لیا۔

"یہیں بٹھیں رہیں میں دیکھ کر آتا ہوں" وہ نرمی مگر سنجیدگی سے بولا تھا۔

"میں بھی ساتھ چلوں گی" اس نے ضد کی۔

"""بارش ہو رہی ہے آپ بھیگ گیں تو طبیعت خراب ہو جائے گی اور میں یہ میں قطعی افورڈ نہیں کر سکتا" احمر کے لہجے میں اب کے سختی در آئی تھی۔

میں بھی نہیں افورڈ کر سکتی آپ کی طبیعت خراب ہونا" وہ اپنی ترنگ میں کہتی چلی گئی۔"

میرے مطلب تھا کہ "اپنے لفظوں کا مطلب سمجھ اس نے کہنا شروع کیا ہی تھا جب احمر نے اس کی بات" بیچ میں ہی اچک لی۔

میں سمجھتا ہوں آپ کی ہر بات کا مطلب "احمر نے مسکراتے ہوئے کہا اور سیٹ بیلٹ ہٹاتا گاڑی سے" باہر نکل گیا۔

احمر کے جاتے ہی نور نے رانیہ کو معنیٰ خیزی سے دیکھا رانیہ نے لال گال لئے رخ کھڑکی کی جانب کیا جہاں سے احمر کو صاف دیکھا جا سکتا تھا وہ خود کو بارش سے بچاتا خان بابا کے پاس پہنچا تھا۔ رانیہ کو ایک بار پھر زینب کی فکر ستانے لگی۔

السلام علیکم خان بابا" احمر نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔"

وعلیکم السلام آپ کون "انہوں نے ماتھے پر بل لئے پوچھا تھا۔"

میں والیو اللہ کا داماد رانیہ کا ہسبینڈ "احمر نے اپنا تعارف کرایا تو خان بابا کے چہرے پر بڑی سی مسکان سج" گئی۔

آئیں اندر آئیں "خان بابا خوشی سے احمر کو اندر لے جانے لگے۔"

نہیں میں جلدی میں ہوں آپ سے یہ پوچھنا تھا کہ زینب یہاں آئیں تھیں کیا آج" احمر نے انہیں روک"
کے پوچھا تھا۔

خان بابا کی مسکراہٹ کو غائب ہونے میں ایک پل بھی نہ لگا تھا۔

میں نے آج فون کیا تھا زینی بی بی کو کیوں کہ کل رات سے والیو اللہ صاحب ہسپتال میں ہیں ان کو کل"
ہارٹ اٹیک آیا تھا" وہ روتے ہوئے بتا رہے تھے۔

آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا انشا اللہ" اسنے ان کا کندھا تھپتپاتے کہا۔"

احمر نے ان سے ہسپتال کا اڈریس پوچھا تھا اور ان سے ایک بار پھر مصافحہ کرتے کار کی جانب بڑھا تھا اب
کے اس کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

احمر کو سنجیدگی سے کار سٹارٹ کرتے دیکھ رانیہ کو تشویش ہوئی تھی۔

کیا ہوا کچھ پتا چلا کیا بتایا خان بابا نے" وہ ایک کے بعد ایک سوال کر رہی تھی اور احمر بینا کوئی جواب دئے"
گاڑی چلا رہا تھا۔

کچھ تو بتائیں کیا ہوا ہے" اس نے ایک بار پھر پوچھا۔"

زینب کا پتا چل گیا ہے" احمر نے صرف اتنا ہی بتایا تھا۔"

اس سے پہلے رانیہ کچھ اور پوچھتی وہ قطعیت سے بولا تھا۔

"ایک سوال اور نہیں"

رانیہ کو ناچار چپ ہونا پڑا وہ اس پر خوش تھی کہ زینب کا پتا چل گیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں کار ہسپتال کے باہر رکی تھی رانیہ اور نور نے حیرت سے احمر کو دیکھا تھا۔

ہم یہاں کیوں آئیں ہیں احمر بھائی "اب کے سوال نور کی طرف سے آیا تھا۔"

والی بابا کو ہارٹ اٹیک آیا تھا کل رات زینب اندر ہی ہوں گیں "احمر جواب نور کو دے رہا تھا لیکن "

آنکھیں رانیہ کی آنکھوں پر جامی تھیں۔

آپ دونوں دوست ہیں زینب کی اس وقت انہیں سب سے زیادہ آپ کی ضرورت ہے آپ کو اس کا "

حوصلہ بڑھانا نہ کے خود کمزور پڑنا ہے زینب پر مشکل وقت آیا ہے لیکن آپ دونوں ساتھ ہوں گی تو یہ

مشکل بھی آسان ہو جائے گی "احمر نے اب بھی اپنی نظروں کا زاویہ نہیں بدلا تھا۔ وہ رانیہ کو کمزور نہیں

پڑنے دے رہا تھا۔

رانیہ نے اپنے آنسو صاف کر اثبات میں گردن ہلائی تھی۔

حیدر ایک بار پھر سب کچھ بھلائے اسے دیکھ رہا تھا جب اس کی سماعتوں سے آواز ٹکرائی اور وہ ہوش کی

دنیا میں واپس آیا۔

آپ دونوں چلیں میں کال اٹینڈ کر کے آتا ہوں" وہ احمر کی آواز تھی جو نور اور رانیہ سے کہتا ایک طرف چلا گیا تھا۔

حیدر نے پیچھے مڑ کن انکھیوں سے انہیں دیکھا تھا اور ان کے چہرے دیکھ وہ بچتا بچاتا ہسپتال میں ہی ایک جگہ بیٹھ گیا تھا۔

وہ اب بھی نظروں کے سامنے تھی وہ خود کو وہاں سے لے آیا تھا پر کیا تھا وہ وہاں بھی ساتھ آگئی تھی۔

اس نے کھوئے ہوئے انداز میں اپنی پاکٹ سے موبائل نکالا تھا جہاں علی احمر حاشر کی ڈھیروں مس کالز اپنا نوٹیفکیشن دے رہی تھیں پر حیدر کو تو اس سکرین پر بھی وہی سب نظر آرہا تھا جو کچھ پل پہلے وہ دیکھ چکا تھا یا یوں کہیں محسوس کر چکا تھا وہ بلکل ایک الگ دنیا میں تھا ایک ایسی دنیا جہاں وہ اِس دنیا میں رہ کر بھی اُس دنیا میں تھا جہاں اسے خود ہی خود کی خبر نہیں تھی۔

ایک بار پھر اس کا موبائل بجا تھا اس نے بینا کچھ سوچے سمجھے کال اٹینڈ کی تھی کال علی کی تھی جس نے حیدر کے فون اٹھاتے ہی غصّے سے سوال کیا تھا۔

"کہاں ہو تم ؟"

پتا نہیں" وہی کھویا ہوا لہجہ۔"

کیا مطلب پتا نہیں گھر پہنچو جلدی سب پریشان ہیں تم بغیر کوئی خبر دیئے غائب ہو گئے "اس کا غصّہ کچھ اور بڑھا تھا۔

ایک ایمرجنسی آگئی ہے ٹائم ملا تو آجاؤں گا تم سب بے فکر ہو جاؤ" حیدر نے مظبوط لہجے میں کہا اور اگلے ہی پل لائن ڈسکنیکٹ کر دی۔

علی بس موبائل کو گھور کر رہ گیا۔

زینی "رانیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ اسے پکارا تھا۔ "

زینب انہیں اندر آتا دیکھ چکی تھی اپنے چہرے پر ہاتھ رکھے اپنے غم کو آج پھر چھپا رہی تھی۔

زینی "نور نے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔ "

کچھ دیر کے لئے مجھے اکیلا چھوڑ دو" وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔ "

ہم کہیں نہیں جا رہے "رانیہ نے اس کے گرد اپنا حصار بنایا تو نور نے بھی اپنی باہیں اس پر پھیلا دیں۔ وہ" کافی دیر ایسے ہی بیٹھی رہیں اور پھر الگ ہوئیں۔۔۔ زینب اپنا چہرہ صاف کر چکی تھی لیکن آنکھوں کی سرخی وہ چاہ کر بھی چھپا نہ پائی۔

وہ پورا دن زینب کے ساتھ رہیں تھیں کبھی اسے حوصلہ دیتیں تو کبھی اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتیں کبھی اسے کچھ کھلانے کی کوشش کرتیں تو کبھی پلانے کی زینب نے بمشکل پانی کے چند قطرے حلق سے اتارے تھے۔

دن ڈھالا تو زینب نے انہیں زبردستی گھر بھیجا کیوں کہ نور کی دادو کی طبیعت اور رانیہ کی والدہ کی طبیعت دونوں سے ہی زینب واقف تھی اور انہیں پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔نہ نہ کرکے بھی ان دونوں کو وہاں سے جانا پڑا۔

رات کا آخری پہر چل رہا تھا چاروں سون اندھیرا اور سناٹا طاری تھا۔وہ اس اندھیرے میں اپنی دونوں کونیاں گھٹنوں پر رکھے بینچ پر بیٹھا آنکھیں سبزے پر جمائے تھا۔

اسے پتا ہی نہ چلا وہ کب سے یہاں تھا۔بیٹھے بیٹھے اس کی کمر اکڑ گئی تھی۔وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا ایک بار پھر ہسپتال کے اندر داخل ہوا تھا اس کے قدم خود با خود ایک کوریڈور سے دوسرے کوریڈور کی جانب بڑھ رہے تھے اور پھر وہ روکے تھے۔۔۔۔وہ اپنی پرانی جگہ پر کھڑا ایک بار پھر کمرے کے اندر کا منظر دیکھ رہا تھا۔

سے فریاد کر رہی تھی۔ آنکھیں زور سے بینچین تھیں زینب ایک طرف مصلے پر بیٹھی ہاتھ جوڑے اللہ

آنسو آبشار کی صورت اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے چہرہ بری طرح سرخ ہو رہا تھا۔ ہونٹ کنپکپا

رہے تھے۔ وہ سجدے میں گرتی چلی گئی تھی۔

حیدر سے یہاں کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا زینب کی اُکھڑی سانس اور ہچکیاں اس کے دل کی دھڑکن کو

بڑھا رہیں تھیں۔ وہ اپنی دھڑکن کو نارمل کرنے باہر رکھی ایک بینچ پر بیٹھ گیا تھا جب اسے زینب کے چیخنے

کی آواز آئی حیدر ایک جھٹکے سے اٹھا تھا وہ والیو اللہ پر جھکی انہیں ہلا رہی تھی اور روتے ہوئے ڈاکٹر کو آواز

لگا رہی تھی۔

حیدر بھاگتا ہوا ڈاکٹر کو بلا کر لایا تھا لیکن خود باہر ہی کھڑا رہا تھا۔

مشین پر چلتی والیو اللہ کی سانسوں نے حرکت بند کر دی تھی اب وہاں ایک سیدھی لکیر تھی جو موت ہی

گواہ تھی۔

ہی از نو مور" ڈاکٹر نے اس کے کان میں سور پھونکا تھا۔"

وہ بے یقینی سے پھٹی ہوئی آنکھوں سے کبھی والیو اللہ کو تو کبھی اس مشین کو دیکھ رہی تھی آنسو پوری تیزی

سے بہہ رہے تھے پر اسے خبر نہیں تھی وہ تو جیسے اپنی جگہ منجمند ہو گئی تھی۔ اس کا دماغ سن ہو گیا تھا۔

اس میں اب طاقت نہیں رہی تھی اس کی آنکھوں پر منوں بوجھ پڑا تھا دل پر خنجر سا چل گیا تھا۔ اسے لگا

اب وہ بھی ختم ہو جائے گی اس کی ٹانگوں نے اس کا وزن اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ لہرا کے گرتی اس سے پہلے حیدر نے اسے اپنی گرفت میں لیا تھا۔ زینب کا سر اس کے کندھے پر رکھا تھا وہ گری نہیں تھی حیدر نے اسے سنبھال لیا تھا۔ حیدر نے اسے احتیاط سے کرسی پر بٹھایا اس کے ڈھلکتے سر کو اپنے ہاتھ سے سہارا دیا وہ بے حد پریشان نظر آرہا تھا۔

چیک ہر ناؤ" اس نے چیختے ہوئے ڈاکٹر کو حکم دیا تھا۔"

پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے بے ہوش ہو گئیں ہیں یہ اور انہیں ویکنس بھی بہت ہو گئی ہے شاید انہوں" نے صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے میں میڈیسن لکھ دیتا ہوں ہوش میں آنے پر کھانے کے بعد کھلا دیجیے گا" ڈاکٹر نے چیک کرنے کے بعد پیشوارانہ انداز میں کہا۔

ڈرپ لگا دیں" اس نے کچھ سوچ کے کہا تھا۔ "

ڈاکٹر اثبات میں سر ہلاتا چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں زینب کو دوسرے روم میں شفٹ کر کے ڈرپ لگائی گئی تھی۔ حیدر نے اسے دیکھتے مطمئن ہو کے یتیم خانے میں والیو اللہ کے انتقال کی خبر دی تھی اور ساتھ رانیہ کا نمبر بھی لینے کی کوشش کی کیوں کہ اس وقت زینب کے ساتھ کسی ہو ہونا چاہیے تھا اور پہلا نام حیدر کے ذہن میں رانیہ کا ہی آیا تھا لیکن رانیہ کا نمبر مانگنے پر کسی عورت نے بد تمیزی سے اسے جواب دیتے حیدر کے رد عمل سے پہلے ہی فون کو بری طرح پٹخ دیا تھا۔

حیدر کا خون کھولا تھا موبائل پر اس کی گرفت سخت تر ہوئی تھی اور وہ غصّے سے اپنی گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔ گاڑی کو ہوا میں اڑاتے وہ یتیم خانے آیا تھا جہاں اسے گیٹ پر ہی خان بابا ملے تھے۔ اس نے ان سے رانیہ کا نمبر منگا تھا، رانیہ کا نمبر تو نہ ملا البتہ اس کے بھائی کا مل گیا تھا۔

حیدر نے نمبر ڈائل کر فون کان سے لگایا تھا۔

السلام علیکم "انس احسن کی آواز فون کے سپیکر سے گونجی تھی۔"

وعلیکم السلام۔۔۔ آپ رانیہ کے بھائی بات کر رہے ہیں؟" اس نے سلامتی دیتے سوال کیا تھا۔"

جی لیکن آپ کون بات کر رہے ہیں "انس احسن نے فکر سے پوچھا تھا۔"

والیو اللہ صاحب کا انتقال ہو گیا ہے زینب ہسپتال میں اکیلی ہے ہو سکے تو رانیہ کو بھیج دیں" حیدر نے اس" کے سوال کو نظر انداز کر اپنی بات کہی تھی۔

کیا!!" انس احسن کے لہجے میں بے یقینی واضح محسوس کی جا سکتی تھی۔ انس احسن کا پیر یک دم بریک پر" پڑا تھا گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی۔

حیدر نے کوئی بھی جواب دیئے بغیر کال منقطع کر دی۔

انس احسن آج آفس سے ہی اسلام آباد کے لئے بزنس کے سلسلے میں بائی روڈ نکل گئے تھے اسی لئے انہیں والیو اللہ کی طبیعت کے متعلق کچھ نہیں پتا تھا نہ ہی رانیہ نے انہیں کچھ بتایا تھا۔

انس احسن نے گاڑی کو ریورس کر کراچی کی راہ لی تھی۔ زینب اکیلی تھی اور انہیں اس تک پہنچنا تھا۔

حیدر رانیہ کے آنے تک زینب کے ساتھ تھا اس کے بعد وہ ہسپتال سے چلا گیا تھا۔

زینب نے ہوش میں آنے پر نہ کچھ کہا تھا نہ ہی وہ روئی تھی۔ وہ بے سدھ سی تھی۔ ایک گہرے سناٹے کا راج تھا اس کے دل و دماغ میں ایک ایسے سناٹے کا راج جس کے بعد طوفان کی آمد ہوتی ہے۔

اس کی یہ خاموشی اس کے ارد گرد کے لوگوں کو ہولا رہی تھی لیکن وہ اس سب سے بے خبر خود میں ہو کے بھی خود میں نہیں تھی۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کہیں گم ہو گئی تھی۔

اس سب کے دوران انس احسن نے ولیو اللہ کے آخری سفر کے تمام انتظامات خود دیکھے تھے۔ انہیں ان کے جانے کا بہت افسوس تھا بہت دکھ تھا وہ اسلام آباد سے آنے پر ان سے وہ بات کرنا چاہتے تھے جن کا انتظار انہیں کافی عرصے سے تھا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

تین ہفتے بعد

آج ولیو اللہ کو گئے تین ہفتے گزر گئے تھے۔ زینب نے باہر کی دنیا سے ناتا توڑ دیا تھا نہ وہ آفس جا رہی تھی نہ ہی کہیں اور۔ رانیہ اور نور روز اس سے ملنے اس کے اپارٹمنٹ میں آتیں تھیں لیکن وہ سارا وقت

صرف ان کی سنتی تھی کچھ کہتی نہیں تھی۔ رانیہ نے اسے یوں دیکھ رو کے اس کی منت بھی کر لی تھی لیکن آج اسے رانیہ کے آنسوؤں سے فرق نہیں پڑا تھا۔

اس کا غم اتنا چھوٹا تو نہ تھا۔ کسی یتیم شخص کا ایک بار پھر یتیم ہو جانا کس قدر تکلیف دے ہو سکتا ہے اس کا اندازہ اس شخص کے علاوہ کوئی نہیں لگا سکتا اور وہ اس درد سے گزر رہی تھی۔ وہ کیسے کچھ کہتی وہ کیسے رو لیتی کیوں کہ اگر اب کے وہ ٹوٹ جاتی تو اس کا ریزہ ریزہ بکھر جاتا اور وہ ان کو سمٹنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔

رانیہ اور نور نے جاتے وقت اس سے پھر التجا کی تھی اسے اپنے ساتھ ہونے کا احساس دلایا تھا اور زینب نے بس اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

وہ لاونج میں صوفے پر بیٹھی تھی جب اس کی نظر خاکی رنگ کے ڈبوں پر پڑی۔ اسے اچانک ہی کچھ دن پہلے کا یتیم خانے کے باہر کا منظر یاد آیا تھا۔

"یہ اٹھاؤ سامان اور دفع ہو جاؤ یہاں سے تم جیسی لاوارث لڑکی کو ہم یہاں ایک دن اور برداشت نہیں کر سکتے نہ جانے کس کا گندا خون ہے اس کی رگوں میں۔۔۔ والیو اللہ صاحب کی تو مت ماری گئی تھی جو کسی کے گناہ کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھے تھے" آسیہ بیگم اس سے کہتے کہتے مجمعے میں کھڑے لوگوں سے مخاطب ہوئیں تھیں۔

زینب چپ سب سن رہی تھی۔ وہ ان کی باتوں کا جواب ضرور دیتی اگر والیو اللہ کے جانے کا دکھ اس کے سر پر سوار نہ ہوتا۔

مت کیا ماری گئی تھی فائدہ اٹھا رہے تھے اتنی حسین لڑکی کو تو میں بھی منہ بولی بیٹی بنانے کو رضامند ہوں" لیکن صرف منہ بولی" مجمعے میں کھڑا ایک بڑی عمر کا شخص اپنے لہجے میں دنیا بھر کی غلاظت لئے بولا تھا۔

آسیہ بیگم سٹپٹائیں تھیں وہ زینب کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنے میں کوئی آر محسوس نہیں کرتیں تھیں لیکن یہاں بات والیو اللہ کی ہو رہی تھی جن کی وہ سب ہی عزت کرتے تھے۔

یہ سن زینب کے جسم میں خون کی رفتار تیز ہوئی تھی۔ اس نے ہونٹ سختی سے بھینچ اس شخص کے منہ پر ایک کے بعد ایک تھپڑ مارا تھا۔

وہ آدمی اشتعال میں آتا اب اس کی طرف اسے مرنے کو دوڑا تھا کہ انس احسن نے اپنے ہاتھ کا مکا بنائے اس کے جبڑے پر اتنی زور سے مارا تھا کہ وہ سنبھل نہ سکا اور زمین پر جا گرا۔

سوچنا۔۔۔۔۔ بھی۔۔۔۔۔ مت" وہ ہر لفظ پر زور دیتے اسے تنبی کر رہے تھے۔"

وہ حال میں واپس لوٹی تھی۔ وہ صرف اپنی ذلت کا باعث نہیں تھی وہ والیو اللہ جیسے اعلی کردار والے شخص کی بھی ذلت کا باعث بن رہی تھی یہ سوچتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔

اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ اس ڈبے کو کھولا تھا جس میں سے اسے اپنی تمام شیٹس اور انعامات ملے تھے۔ یہ سب تو اس نے ولیو اللہ کے لئے جیتے تھے انہیں خوش کرنے کے لئے، ہر ایک شیٹ کو دیکھ اسے اس سے جوڑی ہر بات یاد آ رہی تھی۔ اس نے انہیں فرش پر رکھا تھا اس ڈبے میں سے ولیو اللہ کے کپڑے اور ان کے استعمال کی کئی چیزیں نکلی تھیں۔ پھر زینب نے اسی ڈبے میں رکھے ایک چھوٹے ڈبے کو دیکھ اسے باہر نکالا تھا اس میں سب سے اوپر اسے اپنی اور ولیو اللہ کی ایک تصویر دیکھی تھی جس میں وہ ان کی داڑھی پکڑ کھینچ رہی تھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ آئی اور اگلے ہی پل آنکھوں میں آنسو بڑھ گئے۔

اس میں سے اسے گلابی رنگ کا چھوٹے بچے کا کمبل اور ایک جوڑا بھی ملا تھا اس کے علاوہ اس میں ایک چھوٹا سا سونے کا لوکیٹ تھا جس پر زیڈ کا حرف جڑا تھا دو سونے کی چھوٹی چھوٹی ہی چوڑیاں تھی۔ زینب کو بے حد حیرت ہوئی تھی کیا بابا اس کے بچپن میں امیر تھے کیا ان کے پاس اتنا پیسا تھا کہ وہ اسے یہ سب دلا سکیں یہی سوچتے اس نے اس میں سے ایک آخری چیز نکالی تھی۔۔۔ ایک خاکی رنگ کا لفافہ۔۔۔۔ جو اس کو خاک میں ملانے کے لیے کافی تھا۔۔۔

اس نے اسے کھولا تھا اندر ایک خط موجود تھا۔ وہ اسے کھول اپنے سامنے کئے پڑھنے لگی۔

السلام علیکم

اخبار میں آپ کا دیا اشتہار دیکھا تھا اسی میں سے آپ کا پتا دیکھ آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔۔۔ آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں سوچا نہیں تھا کسی انجان کو یہ سب بتاؤں گی پر اب آپ انجان بھی کہاں رہے ہیں۔

میں ایک بدقسمت ماں ہوں جو اپنے بچوں کی اچھی تربیت نہ کر سکی۔۔۔ میری چھوٹی اور سب سے لاڈلی کی بنائی حدود کا بیٹی نے محبّت کی تھی پتا نہیں محبّت کی کون سی قسم تھی یہ کہ ہر حد عبور کر لی گئی۔۔۔ اللہ احترام نہ کیا گیا جس کا نتیجہ آپ کے پاس ہے۔

میری بیٹی تو اسے پیدا ابھی نہیں کرنا چاہتی تھی کیوں کہ اس کا باپ اسے چھوڑ بھاگ گیا تھا اور اس محبّت کو نفرت میں بدلنے میں ایک لمحہ لگا تھا۔ جہاں وہ مجھے پردے میں رکھ اپنا دامن کالا کر آئی تھی وہیں وہ بھلے سے اس ننھے وجود کو بھی ختم کر دیتی لیکن میں۔۔۔ میں کیسے کسی کے قتل میں شریک ہو سکتی تھی میں نے اسے ایسا نہیں کرنے دیا۔۔۔ میں اسے ایک انجان جگہ لے گئی جہاں کوئی ہمیں نہ جانتا تھا اور پھر نو مہینے بعد اللہ کی رحمت نازل ہوئی۔۔۔ میری زرنش پیدا ہوئی جہاں اسے ایک نظر دیکھ مجھے محبّت ہوئی تھی وہیں اس کی ماں نے اسے دیکھ نخوست سے منہ پھیرا تھا کیوں کہ وہ اپنے باپ جیسی تھی اس کی آنکھیں ہو با ہو باپ جیسی تھیں کالی گہری سیاہ آنکھیں لیکن ایک بات نئی تھی ان آنکھوں میں یہ بولتی تھیں جو اس کے لب نہ بولتے تھے وہ پڑھ لیتی تھیں جو سامنے والا کہہ نہ سکتا تھا۔ دن گزرتے گئے اور

میری اس سے محبّت بڑھتی گئی پر افسوس میں کب تک اپنی زرنش کو اس دنیا سے بچا سکتی تھی میں تو اسے اپنے ہی گھر والوں سے نہ بچا سکی۔

میرے بیٹے اور بیٹیوں نے اسے قبول نہ کیا انہیں اپنی نام نہاد عزت کی پرواہ تھی جو بہت پہلے ہی نیلام ہو چکی تھی۔ میں روتی۔۔۔ سسکتی۔۔۔ بلکتی۔۔۔ رہی لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی اور اسے لے گئے۔ میں گھر کے باہر کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی جب وہ واپس آیا میں نے پوچھا کہاں چھوڑ آئے میری زرنش کو وہ مجھے پکڑے اندر لے آیا میں نے ایک بار پھر پوچھا۔

"غلاظت کچرے میں رہے تو ہی اچھی لگتی ہے گھر میں نہیں"

اس نے کہا تو میرا رواں رواں جلنے لگا۔ میں نے اسے خوب کھری کھونٹی سنائی پر اس کے چٹان سے سخت لفظوں نے میری بولتی زبان کو بند کر دیا۔

جب اس کی ماں کو کوئی فرق نہیں پڑتا اس کے جینے مرنے سے تو آپ کو بھی نہیں پڑنا چاہیے یہ نہ ہو کے اس گھر میں پڑی دوسری غلاظت کو بھی میں باہر پھینک آؤں۔۔۔ رشتہ دیکھیں اس کا اور چلتا کریں "اسے میں اب اسے اس گھر میں مزید برداشت نہیں کر سکتا

کا جتنا میں کچھ نہ کر سکی سوائے دعاؤں کے۔ پھر ایک ہفتے پہلے اخبار میں آپ کا دیا اشتہار پڑھا۔ میں اللہ شکر ادا کر سکتی تھی میں نے کیا اس نے میری زرنش کو اپنے امان میں رکھا اسے صحیح سلامت رکھا۔

میں تو آپ سے یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ میری زرنش کا خیال رکھیے گا کیوں کہ جس کی ماں نے اسے قبول نہیں کیا اسے دنیا کیسے قبول کرے گی۔

یہ خط لکھنے سے پہلے میں نے آپ کے متعلق کچھ معلومات حاصل کی تھی۔ مجھے آپ کی بیوی اور بیٹی کا بہت افسوس ہے شاید اللہ نے اس بچی کو آپ کے لئے ہی دنیا میں بھیجا ہے۔ میں اس کو آپ کو سونپتی ہوں آج سے یہ آپ کی ہے۔

میں اس کے پیدائشی سرٹیفکیٹ آپ کو بھیج رہی ہوں ساتھ کچھ رقم بھی امید کرتی ہوں آپ کے کام آئے گی۔ میں امید کرتی ہوں آپ زرنش کا خیال رکھئیں گے۔

اللہ حافظ

زرنش کی نانو

زینب نے خط پڑھ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا اس کا چہرہ آنسوؤں سے پاک تھا طوفان آیا تھا اور ہر چیز کو تہس نہس کر اس کی آنکھوں کو خشک کر گیا تھا۔

اس نے اپنے شک کو دور کرنے کے لئے لفافے کو الٹ دیا تھا اس میں سے نوٹوں کی گڈی اور ایک اخبار اور کچھ دستاویز نکلے تھے۔

زینب کو اسے اٹھانے کی ہمت نہیں تھی پر اسے سچ جانا تھا۔ اس کے ہاتھ اور ہونٹ بری طرح کانپ رہے تھے۔ اس نے اپنے کانپتے ہونٹوں کو دانتوں تلے دبایا تھا اور کانپتے ہاتھوں سے ہی اخبار کو اٹھایا۔ اس نے تیزی سے دھڑکتے دل سے اس میں وہ اشتہار ڈھونڈا تھا۔ وہ اسے مل گیا تھا اس کے چہرے کا رنگ سفید پڑا تھا۔ وہاں اس کی تصویر چھپی تھی انہی کپڑوں میں جو اس نے ابھی اس ڈبے سے نکالے تھے گلے میں لاکٹ بھی وہی تھا جو ابھی وہ دیکھ چکی تھی۔ اس نے اس سب کو پھینک لمبی لمبی سانسیں لیتے ٹہل لگانی شروع کی تھی۔

منظر بدلا

تمہیں کتنی بار کہا ہے اس لڑکی کے پاس مت جایا کرو" بیگم دعا کو سخت گھورتے ہوئے بولی تھیں۔"

کیوں نہیں جایا کروں" دعا نے معصومیت سے سوال کیا۔"

کیوں کے وہ گندی ہے" وہ غصّے سے بولیں۔"

لیکن وہ تو اچھی ہیں" جواب اسی معصومیت سے آیا۔"

جس بات کا تمہیں نہیں پتا اس کے لئے میرے ساتھ بحث نہ کیا کرو۔۔۔ پتا نہیں کون سی منحوس گھڑی" تھی جب یہ گند ہمارے ماتھے لگ گئی" بیگم نے پہلا فقرہ دعا کو ڈانٹتے ہوئے کہا تھا اور دوسرے فقرہ بڑبڑاتے ہوئے وہ خود سے بولی تھیں۔

پھر منظر بدلا

سر میں اِن کے ساتھ کوئی کام نہیں کرنا چاہتا" حیدر نے "اِن" پر زور دے کر کہا۔"

کیوں" سر رضا نے حیدر کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔"

سر میں غیر خاندانی لوگوں کے ساتھ کام کرنا پسند نہیں کرتا" بڑے ہی اطمینان سے توجیہی پیش کی گئی۔"

پھر منظر بدلا

کی کوئی مصلحت ہو گی" نے مجھے نہیں دی میں وہ اللہ سے مانگنا بھی نہیں چاہتی۔۔۔اس میں اللہ جو چیز اللہ

زینب نے والیو اللہ کو لاجواب کیا تھا۔

اور بابا اگر مانگ بھی لوں تو کیا وہ لوگ مل جائیں گے جو ہیں ہی نہیں" وہ کہنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھوں"

کی ہتھیلیوں کو رگڑ رہی تھی جیسے لکیروں کو مٹا دینا چاہتی ہو۔

اور اگر وہ مل گئے تو" والیو اللہ نے بساختہ کہا تھا۔"

اسے ان کی اس بات کا مطلب اب سمجھ آیا تھا جسے اس نے اپنا دھوکہ سمجھ نظر انداز کر دیا تھا۔

یہ اٹھاؤ سامان اور دفع ہو جاؤ یہاں سے تم جیسی لاوارث لڑکی کو ہم یہاں ایک دن اور برداشت نہیں کر*

سکتے نہ جانے کس کا گندا خون ہے اس کی رگوں میں۔۔۔والیو اللہ صاحب کی تو مت ماری گئی تھی جو کسی

کے گناہ کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھے تھے*

رانیہ مجھ سے زبان نہ چلاؤ!! تم اس لڑکی کے ساتھ اب مجھے نظر نہ آؤ بد چلن ماں کی بد چلن بیٹی

غلاظت کچرے میں رہے تو ہی اچھی لگتی ہے گھر میں نہیں

تم نے خود کو سمجھ کیا رکھا ہے۔۔۔ہاں میں بتاؤں تم کیا ہو تم ایک حرام کی پیداوار ہو

تلخ جملے اس کی سماعتوں سے گزرا سے اس کی حقیقت دکھا رہے تھے۔ وہ آنکھیں زور سے بند کیے سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی۔

جو حقیقت لوگ اسے دکھا رہے تھے اس نے نہیں دیکھی تھی لیکن آج وہی حقیقت اسے اس کی اپنی قسمت دکھا رہی تھی اور وہ کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔

وہ تیزی سے اٹھتی اپنے کمرے میں آئی سائیڈ ٹیبل کی دراز سے وہ چیزیں اِدھر اُدھر کرتی نیند کی گولیاں ڈھونڈ رہی تھی جو تھوڑی ہی دیر میں اسے مل گئیں تھیں۔ اس نے شیشی کو مٹھی میں بند کر کچن کا رخ کیا تھا۔ گلاس شیلف سے اس نے ایک گلاس نکالا تھا پر اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کی وجہ سے وہ زمین پر گر چورا چور ہو گیا اس نے پھر ایک گلاس نکالا لیکن وہ بھی ٹوٹ گیا۔۔۔ اب کے اس نے بے بسی سے اپنے دونوں ہاتھوں سے گلاس کو تھام کچن کاؤنٹر پر رکھا تھا۔۔۔ فریج سے پانی نکال اس نے گلاس میں انڈیلا تھا جس میں سے آدھا پانی سلیپ پر اور فرش پر گرا تھا۔۔۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔۔۔ اس نے گولیاں ہتھیلی پر نکالی تو وہ بھی یوں ہی گریں اور کچھ اس کی ہتھیلی پر بھی رہ گئیں۔۔۔ اس نے انہیں منہ میں ڈال

پانی کے ساتھ نگلا تھا جس میں سے بہت سا پانی اس کے کپڑوں پر بھی گرا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اپنے بیڈ پر آ کے بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر کی بات تھی پھر اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا اور وہ دنیا سے بے خبر بیڈ پر ڈیہہ گئی تھی۔

بابا۔۔۔۔ بابا سن لیں"

نہ۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ ایک۔۔۔۔ و۔۔۔ عدہ۔۔۔ توڑ۔۔۔ نے۔۔ کی۔۔۔۔ اتنی بڑی سزا

نہ۔۔۔۔ دیں مجھے۔۔۔۔ میں برداشت۔۔۔۔ نہیں کر پاؤں گی۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔ جیسا۔۔۔۔ کہیں

گے۔۔۔۔ ویسا ہی کروں۔۔۔۔ گی۔۔۔ آپ جہاں۔۔۔۔ کہیں گے۔۔۔۔ میں وہیں

شادی۔۔۔۔ کر۔۔۔۔ لوں گی۔۔۔۔ پلیز بابا۔۔۔۔ جہاں تک پہنچے۔۔۔۔ ہیں۔۔۔ وہیں سے

وا۔۔۔ پس۔۔۔۔ آ۔۔۔۔ جائیں۔۔۔۔ ورنہ آپ کی۔۔۔۔ زینی۔۔۔۔ ٹوٹ جائے

گی۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔ بابا۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔ میرے۔۔۔۔ پاس۔۔۔۔ کوئی۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ کوئی۔۔۔۔

نہیں۔۔۔۔ ہے۔۔۔۔ کوئی۔۔۔ بھی۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔ خود۔۔۔۔ کو۔۔۔ مجھ۔۔۔ سے

دو۔۔۔۔ ر۔۔۔۔ نہ

"کریں۔۔۔ میں۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ ہمت۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ رکھتی۔۔۔ آپ۔۔۔ کو۔۔۔۔

وہ آفس میں سر کرسی کی پشت پر گرائے آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ جب وہی سب اسے بند آنکھوں کے پیچھے دکھا جو وہ ان چار ہفتوں میں انگنت بار دیکھ اور سن چکا تھا۔ پر یہ منظر۔۔۔۔ یہ الفاظ بھلائے نہیں بھولے جا رہے تھے۔

اس نے آنکھیں کھولی تھیں جن میں الجھن رقم تھی۔ ان ہی آوازوں کے زیرِ اثر ٹیبل سے والٹ اور کیز اٹھائے اپنے کیبن سے باہر نکلتے وہ پارکنگ ایریا میں کھڑی اپنی گاڑی میں آ بیٹھا اور بے مقصد ہی سڑکوں پر گاڑی دوڑانے لگا۔

مجھے کیا ہوا

یہ میں نے ہی نا جانا

پانچ چھ گھنٹوں کی ڈرائیو کے بعد بھی وہ تھکا نہیں تھا وہ اسی طرح جگہ جگہ کی خاک چھانتا پھرتا اگر وہ اس جگہ کو نہ دیکھ لیتا۔ یہ ایک پرائیویٹ اسکول تھا جو بڑے رقبے پر بنا ہوا تھا۔

اس نے گاڑی کو لاک کر اندر کا رخ کیا تھا۔

آفس کے آگے رک اس نے دروازے کو نوک کیا۔ سامنے بیٹھی لڑکی نے اپنا قلم روک سر اٹھا کے اس کی سمت دیکھا تھا اور اس کو دیکھ بڑی سی مسکان اس کے چہرے پر سج گئی تھی۔

السلام علیکم حیدر بھائی" وہ پرجوش سی بولی۔"

"وعلیکم السلام کیسی ہو؟" اس نے میز کے آگے رکھی چیئر پر بیٹھتے مسکراتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔

"الحمد اللہ۔۔۔ آپ کیسے ہیں؟" وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی اب اس سے پوچھ رہی تھی۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟" حیدر نے الٹا اس سے سوال کیا۔

"ہمم۔۔۔ ویسے تو ٹھیک لگ رہے ہیں پر آنکھیں دیکھ ایسا لگ رہا ہے جیسے کافی راتوں سے سوئے نہیں ہیں" اس نے حیدر پر ایک بھرپور نظر ڈال کہا۔

"ہاں بس کام کی مصروفیت کی وجہ سے ویسے تمہارا کام ٹھیک چل رہا ہے؟۔۔ کسی مدد کی ضرورت تو نہیں؟" حیدر نے مہارت سے بات کا موضوع بدلا تھا۔

"سب بلکل فٹ چل رہا ہے۔۔۔ بلکہ فٹ سے بھی بہت اچھا کیمپس میں بہت سی تبدلیاں بھی کی ہیں اگر ایسا ہی چلتا رہا تو ہم اور ترقی کریں گے" وہ خوشی خوشی اسے بتا رہی تھی۔

"انشاءاللہ ضرور۔۔۔ مجھے دکھاؤ گی نہیں" وہ حامی بھرتا اس سے کیمپس دکھانے کا پوچھ رہا تھا۔

"کیوں نہیں آئیں۔۔۔ پہلے میں ذرا یہ سمیٹ لوں۔۔۔ بس پانچ منٹ" اس نے ڈیسک پر پھیلے پیپرس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

حیدر مصروف سے انداز میں اس کے آفس کا جائزہ لیتا اب کمرے کے دائیں جانب بنی کھڑکی کے پاس کھڑا یہاں سے کیمپس کا بہترین ویو دیکھ رہا تھا جب سامنے بنی بلڈنگ پر اس کی نظریں جم سی گئیں۔

"یہ کون ہے ؟" حیدر نے عائشہ سے پوچھا۔

"کون۔۔۔۔۔۔ یہ " عائشہ نے اس کے برابر کھڑے ہو اس کی آنکھوں کا ارتکاز کرتے کہا۔

"زینب والیو اللہ۔۔۔۔۔۔ ہماری سیکرٹ ڈونر۔۔۔۔۔ ان سے پہلی ملاقات کافی عرصے پہلے ہوئی تھی جب میں کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھی تو یہاں کی انچارج نے ایک بچی کو فیس پے نا ہونے پر اسکول سے باہر نکال دیا تھا وہ بچی ان کی کوئی جانے والی تھی۔۔۔ ان کا گزر یہاں سے ہوا تو انہوں نے بچی کو باہر چبوترے پر بیٹھے دیکھا۔۔۔۔ انہوں نے اندر آ کے میرا پوچھا اور پھر باہر دعا کے ساتھ بیٹھ میرا انتظار کرنے لگیں۔۔۔ جب میں آئی تو انہوں نے کافی غصّہ کیا جو کے جائز بھی تھا فیس نا دینے پر بچوں کو ٹورچر کرنا انہیں مارنا ان پر غصّہ کرنا ان کے ننھے ذہنوں پر بری طرح اثر انداز ہوتا ہے۔۔۔ فیس کا معائدہ والدین کے ساتھ ہوتا ہے نا کے طالبِ علم کے ساتھ۔۔۔ تو ان کو کس بات کی اذیت دی جاتی ہے میں اس کے بہت خلاف ہوں اسی لئے میں نے اپنے اسکول میں یہ واضح کر رکھا تھا پر وہ انچارج نیو تھیں شاید اسی لئے انھیں اس متعلق کچھ پتا نہیں تھا لیکن اسکول کے رولز کے مطابق مجھے انھیں فائر کرنا پڑا۔۔۔۔ اور جب سے اب تک دعا کی اور دعا جیسے بہت سے بچوں کی فیس یہی دیتی ہیں۔۔۔ لیکن وہ چاہتیں ہیں ان کے اس عمل کو پوشیدہ رکھا جائے"

آئیکسکیوزمی سر آپ ایسے اندر نہیں جاسکتے "ایک لڑکی نے آفس میں داخل ہوتے شخص سے کہا تھا جو"

اس کی کوئی سنے بغیر اندر چلاتا چلا آیا تھا۔

ان کی آوازوں نے عائشہ کی بات میں خلل ڈالا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کے آنے والے کو دیکھا تھا۔

مل گیا" آنے والے نے کہتے ساتھ موبائل سے گردن اٹھا عائشہ کو دیکھا تھا اور دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔"

آپ ایسے کیسے اندر آگئے "وہ غصّے سے بولی۔"

علی کو جیسے سوال سنائی ہی نہیں دیا اس کا کان ایک بار پھر سن ہوا تھا۔

عائشہ نے اسے خود کو گھورتا پایا تو کڑے تیوروں سے ایک بار پھر پوچھا۔

"میں آپ سے پوچھ رہی ہوں آپ ایسے کیسے اندر آگئے ہیں"

پیروں سے "اس نے سر کو ہلکا سا خم دے کے اپنے پیروں کو دیکھتے کہا جو عائشہ کے غصّے کو بڑھانے کے"

لئے بہت تھا۔

ناٹ سو فننی "وہ سیخ پا ہوئی۔"

تم یہاں کیسے "حیدر نے اطمینان سے علی سے پوچھا وہ ان کی باتیں سن چکا تھا۔"

تمہیں کچھ اندازہ ہے پچھلے پانچ چھ گھنٹوں سے تم غائب ہو عبّاس انکل کی کال آئی تھی تمہارا پوچھ رہے تھے۔۔۔۔۔ پھر کیا تھا میں نے تمہیں ڈھونڈھ لیا اور آگیا تمہیں لینے" وہ عام سے انداز میں اسے بتا رہا تھا۔

عائشہ میٹ مائے فرینڈ علی احمد۔۔۔۔۔ علی میٹ مائے سسٹر عائشہ اصغر "حیدر نے علی کی بات کو نظر انداز کرتے ان کا تعارف کرایا۔

نائیس ٹو میٹ یو عاشی" علی نے فرانک ہوتے عائشہ سے کہا۔"

کیا کہا آپ نے" عائشہ کے تو سر پر لگی تلوں پر بجھی۔"

آپ سے مل کر اچھا لگا" علی نے مسکراہٹ دبائی۔"

اس کے بعد" وہ زور دیتی بولی۔"

عاشی" علی نے دانتوں کی نمائش کرتے بتایا۔"

اٹس عائشہ" وہ چبا چبا کر بولی۔"

ناٹ فور می" وہ نفی میں گردن ہلاتا مسکراتا ہوا بولا۔"

حافظ "حیدر نے علی کو کولر سے گھسیٹتے باہر لے جاتے عائشہ سے کہا۔ اللہ"

پھر آیئے گا حیدر بھائی" عائشہ نے پیچھے سے ہانک لگاتے حیدر سے کہا۔"

حیدر نے جہاں بڑبڑاتے ہوئے "کبھی نہیں" کہا تھا وہیں علی نے "ضرور" کہا تھا۔

بہن ہے میری" حیدر نے غصّے سے علی کا کولر ایک جھٹکے سے چھوڑتے اسے یاد دہانی کرائی۔"

بیوی صرف میری بنے گی" وہ حیدر کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بے حد سنجیدگی سے اسے باور کرارہا" تھا۔

حیدر نے کچھ دیر بغور اسے دیکھا۔

جب وہ تمہیں قبول کرے گی" وہ مسکراتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔"

کیوں نہیں کرے گی ضرور کرے گی" علی نے حیدر کے برابر والی سیٹ پر بیٹھتے کہا جس میں وہ خود کو بھی" یقین دلا رہا تھا۔

میں دعا گو ہوں" حیدر نے مسکراہٹ چھپائی تھی۔"

حیدر ابھی راستے میں ہی تھا جب احمر کی کال آئی۔

کہاں ہو تم۔۔۔ تمہیں پتا بھی ہے صفا کا اتنی دیر باہر رہنا ٹھیک نہیں ہے پھر بھی تم اسے لے" گئے۔۔۔ گھر جلدی پہنچو سب پریشان ہو رہے ہیں وہاں" وہ غصّے سے بھرا بات کر رہا تھا۔

لیکن صفا میرے ساتھ نہیں ہے" اس نے سپیڈ کم کی تھی۔"

کیا؟ تو پھر کہاں ہے؟" ماموبتا رہے تھے کہ وہ ہاشم کے ساتھ بھی نہیں ہے گھر پر کال آئی تھی وہ صفا کا" پوچھ رہا تھا لیکن سب کو لگا وہ تمہارے ساتھ ہے کیوں کہ وہ صبح سے باہر جانے کی ضد کر رہی تھی اور تمہیں کال کر رہی تھی" احمر پریشانی سے ساری صورتحال اسے بتا رہا تھا۔

گھر پر ابھی کسی کو کچھ مت بتانا میں دیکھتا ہوں" حیدر نے کال منطقہ کر گیر ڈال گاڑی کی سپیڈ بڑھائی" تھی۔

آج زینب رانیہ اور نور کو لئے شاپنگ کرنے آئی تھی وہ بظاہر ایک بار پھر پہلے جیسی ہو گئی تھی لیکن اندر بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تھا لیکن اب بھی اس کے ارد گرد کچھ لوگ موجود تھے جو اس سے بے غرض محبت کرتے تھے اس نے ان کے لئے خود کو پیچھے چھوڑا تھا۔۔۔ لیکن کیا واقعی اس نے خود کو پیچھے چھوڑ دیا تھا کیوں کہ تنہائی میں اس کا اپنا آپ اس کے سامنے کھڑے ہو جاتا تھا۔۔۔ سوچوں کا مدار ایک ہی سوچ کے گرد گھومنے لگتا تھا۔۔۔ وہ ٹوٹنے اور جوڑنے کے عمل سے روز گزرتی تھی بینا کسی بین کے۔۔۔ بینا کسی آنسو کے۔۔۔۔۔ ٹوٹنے اور جوڑنے کے اس عمل نے اس کے وجود پر بہت سی دراڑیں ڈال دی تھیں جنہیں چھپانے کی انتھک کوشش میں وہ لگی رہتی تھی۔

یہ تینوں باتیں کرتیں ہاتھوں میں شاپنگ بیگز تھامے پارکنگ ایریا میں اپنی گاڑی کے پاس آئیں تھیں جب زینب کو کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی اس نے آگے پیچھے نظر گھوماتے دیکھا یہاں اس وقت یہی تینوں موجود تھیں زینب نے اپنا وہم جان اسے نظر انداز کیا۔

ایک زور کی درد بھری آواز نے ان تینوں کو ہی اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے اب آواز کا ارتکاز کرتیں ایک کار کے پاس روکیں تھیں انہیں کوئی نظر نا آیا۔ زینب نے جلدی سے کار کی دوسری جانب دیکھا نیچے بہت سے بیگز گرے تھے اور ایک لڑکی فرش پر بیٹھی درد سے بری طرح کراہ رہی تھی۔ وہ آئیکسپیکٹ کر رہی تھی۔ زینب صورتحال کو سمجھتے اس کے پاس گھوٹنوں کے بل بیٹھی پر اس لڑکی کی آنکھوں سے آنسو اور زبان سے کراہوں کے سوا کچھ نہیں نکل رہا تھا۔

تم دونوں یہیں روکو ان کے پاس میں گاڑی لے کر آتی ہوں" وہ رانیہ اور نور سے کہتی اپنی گاڑی کی" جانب بھاگی تھی۔

زینب کار پارکنگ سے نکال اپنی سابقہ جگہ پر آئی تھی۔ ان تینوں نے اس لڑکی کو سہارا دے بیک سیٹ پر بیٹھایا تھا۔ رانیہ اور نور اس کے ساتھ ہی بیک سیٹ پر بیٹھ گئیں تھیں۔

زینب اس لڑکی کو قریبی ہسپتال لے آئی اور ایمرجنسی میں داخل کروا دیا۔

لیبر روم کے باہر نور اور رانیہ پریشان سی بیٹھیں تھیں جب کے زینب مضطرب سی ٹہل رہی تھی۔

زینی ہمیں ان کے گھر والوں کو انفارم کرنا چاہیے "نور نے کہا تو زینب کے قدم رک گئے۔"

لیکن کیسے ؟"زینب نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔"

اگر کوئی کنٹیکٹ نمبر مل جائے "رانیہ سوچتے ہوئے بولی۔"

ان کے پاس سامان تھا ہو سکتا ہے موبائل بھی ہو اس میں "رانیہ پر جوش ہوتی بولی۔"

ہاں ہو سکتا ہے میں چیک کر کے آتی ہوں تم دونوں یہاں کا خیال رکھو "وہ حامی بھرتے ہسپتال سے باہر" اپنی کار کی ڈیگی میں اس لڑکی کا موبائل تلاش کرنے گئی تھی۔

تھوڑی ہی کوشش کے بعد اسے موبائل مل گیا تھا اس نے ڈیگی بند کرتے موبائل کی ڈائلنگ میں موجود پہلا نمبر ملایا تھا جو بھائی کے نام سے سیو تھا۔

حیدر نے صفا کو ہر اس جگہ ڈھونڈھ لیا تھا جہاں اس کے ہونے کا اندیشہ تھا پر وہ اسے کہیں نہ ملی۔ وہ ذہن پر زور دیتا کچھ اور جگہوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جہاں صفا جا سکتی تھی۔

جب ہی صفا کا نام موبائل کی سکرین پر چمکا تھا اور حیدر نے ایک لمحے کی دیر کئے فون کان سے لگائے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا تھا۔

"کہاں ہو تم ؟"

وہ۔۔۔۔ "زینب ہڑبڑائی۔"

میں پوچھ رہا ہوں کہاں ہو تم؟" حیدر دھاڑا۔"

ہمیں ایک لڑکی پارکنگ لاٹ میں ملی تھی ان کی کنڈشن ٹھیک نہیں تھی تو ہم انہیں ہسپتال لے" آئے۔۔۔۔ اگر ہو سکے تو آ جائیں یہاں "ناچاہتے ہوئے بھی زینب کے لہجے میں ناگواری کا عنصر شامل ہوا تھا۔

میں آرہا ہوں" حیدر نے کال ڈسکنیکٹ کر موبائل علی کی طرف اچھالا تو علی اسے سوالیہ نظروں سے" دیکھنے لگا۔

لوکیشن ٹریس کرو جیسے آج صبح میری کی تھی" علی کا دل چاہا اپنے اس دوست کا گلہ دبا دے کیا ہو جاتا اگر" وہ ہسپتال کا نام ہی پوچھ لیتا۔

ہاشم کو کال کر کے بولو ہسپتال پہنچے" علی نے اسے ہسپتال کا نام بتایا تو حیدر نے ایک حکم اور صدر کیا۔"

ان تینوں کے چہروں پر خوشی رقصاں تھی اور انہیں اس چھوٹی بچی سے ملنے کی بہت بے صبری تھی جسے دنیا میں آئے ابھی کچھ پل ہی گزرے تھے۔

صفا اور نئی ننھی پری کو ہسپتال کے پرائیویٹ وڈ میں شفٹ کر دیا گیا تو زینب نے ڈاکٹر سے پیشنٹ سے ملنے کی اجازت لی جو ڈاکٹر نے بخوشی دے دی تھی۔

زینب نے بینا آواز پیدا کئے دروازہ تھوڑا سا وا کر اندر جھانکا تھا صفا جاگ رہی تھی اور اپنی بیٹی کو گود میں لئے پیار کر رہی تھی۔ زینب کو لگا دنیا میں اس سے حسین منظر اور کوئی نہیں۔

صفا نے اشارہ کر اسے اندر بلایا تو وہ تینوں صف بندھے اندر داخل ہوئیں۔

اب کیسی ہے آپ کی طبیعت "وہ تینوں ایک ہی وقت میں بولیں تو صفا مسکرا دی اور اسے مسکراتا دیکھ یہ سب بھی مسکرائیں۔

الحمد اللہ اور آپ سب کا بہت شکریہ اگر آپ نہیں آتیں تو آج۔۔۔"صفا کی بات کو زینب نے کاٹا تھا۔"

ہم نے آپ کے گھر انفارم کر دیا ہے وہ آتے ہی ہوں گے "وہ جو نہیں ہوا وہ سنا نہیں چاہتی تھی ان خوشی کے پلوں میں تو بلکل نہیں۔

اچانک دروازہ کھلے ہاشم اندر آیا تھا جسے دیکھ صفا کے چہرے پر رنگوں کی بہار آئی تھی۔

وہ ان تینوں کی موجودگی سے بے خبر صفا سے اس کی طبیعت کا پوچھ رہا تھا اس کا انداز ایسا تھا کہ صفا جھینپ گئی اور جلدی سے اس کی گود میں بچی کو ڈالا۔

ہاشم نے کچھ پل دم سادھے اپنی بیٹی کو دیکھا تھا پھر اس نے جھکتے اس کے ماتھے پر محبّت سے اپنا لمس چھوڑا تھا۔

زینب نے دکھا تھا اس کی آنکھوں میں نمی آئی تھی جسے وہ جذب کر گیا۔ زینب اندازہ نہیں لگا سکی کچھ دیر پہلے دیکھا وہ منظر زیادہ حسین تھا یا یہ۔۔۔۔۔ اس سوال کا جواب شاید دنیا میں کسی کے پاس نہیں۔

کیا ہم۔۔۔ بے۔ بی۔۔۔۔ کو؟" زینب نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔"

کیوں نہیں" صفا نے اس کی ادھوری بات سمجھ اسے اجازت دی تھی۔"

زینب نے بہت احتیاط سے اس بچی کو ہاشم کی گود سے لیا تھا۔ کب ایک جاندار مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی اسے خود پتا نا چلا نور اور رانیہ اس کے ساتھ لگی بچی کو دیکھ رہیں تھیں جس کے گال ٹماٹر کی طرح لال ہو رہے تھے اور وہ محوِ خواب تھی۔ اس نے جھک کر باری باری اس کے دونوں گالوں کو چوما تھا ایک آنسو اس کی آنکھ سے آزاد ہوا تھا رانیہ اور نور نے چونک کر اسے دیکھا تھا پر وہ بچی کو دیکھ مسکرا رہی تھی۔۔۔ وہ سمجھ گئیں تھیں کہ یہ آنسو خوشی کا تھا جسے وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی روک پائی تھی۔

کیوں وقت تھما

یہ میں نے ہی نا جانا

وہ آج پھر اسی انداز میں وہاں کھڑا تھا جہاں کچھ ہفتوں پہلے کھڑا تھا پر اب کے منظر بدل گیا تھا جسے روتا دیکھا تھا اس کی آنکھوں سے آج سچی خوشی پھوٹ رہی تھی وہ آج پھر اس پر سے نظریں ہٹانے میں ناکام ہوا تھا اور بری طرح ہوا تھا کیوں کہ اسے مسکراتا دیکھ اس کے اپنے لبوں پر تبسم ناچ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے کے باہر آئیں تھی اور حیدر ایک بار پھر چھپا تھا۔ وہ چلیں گئیں تھیں اور حیدر سمجھ نہیں سکا کے کیوں وہ اسے دیکھ ایسا ہو جاتا تھا جس سے نا ملنے کا تہیہ اس نے آج ہی کیا تھا وہ آج ہی غارت ہو گیا تھا۔۔۔۔ کیوں ہر بار وہ اس سے بھاگنے کی کوشش کرتا اور ہر بار وہ اس کے سامنے آجاتی تھی اور وہ بے بسی کی تصویر بن جاتا تھا۔

اسے دیکھتے مجھے ملتا سکوں

کیوں ملتا سکوں یہ میں نے ہی نا جانا

حیدر نے جب سے عقل کو قفل لگایا تھا تب سے ہی وہ خود کو بہت پر سکون محسوس کر رہا تھا اور اس کی وجہ زینب تھی کیوں کہ وہ روز آفس ٹائمنگ میں اسکول پہنچ جاتا اور جب تک زینب وہاں سے رخصت نا ہوتی اسے دیکھتا رہتا۔

وہ اب بھی وہیں موجود اس میں کھویا تھا جو ایک گلابی فراک میں ملبوز ایک بچی کو گود میں بٹھائے اس کے ساتھ کھیل رہی تھی اور بہت سے ایسے ہی چھوٹے بچے اس کے گرد کھڑے تھے ایک بچے نے نجانے اس سے کیا تھا کہ اس نے بچی کو نیچے اتار اپنے بیگ میں سے ایک شوپر نکال کر نعرا لگایا تھا۔۔۔۔ حیدر کو علم تھا کہ شوپر میں کیا ہو گا کیوں کہ بچے اس طرح پاگل صرف چاکلیٹ کے نام پر ہی

ہوتے ہیں۔۔۔۔حیدر نے دیکھا تھا وہ بچوں کو چاکلیٹ ایسے ہی نہیں دے رہی تھی بلکہ فیس بھی چارج کر رہی تھی فقط ایک کیس اور بچے بخوشی ایک کی جگہ دو دو تین تین کیس اس کے گال پر کر رہے تھے اور پھر انہیں اتنی ہی چاکلیٹس بھی مل رہیں تھیں۔

حیدر بھائی" عائشہ چیخ ہی تو پڑی تھی۔وہاں وہ لنگور آفس کے باہر کھڑا اس کو تاڑ رہا تھا اور یہاں حیدر بھائی بھی۔عائشہ کو اب ان کے روز روز تشریف آوری کی وجہ سمجھ آگئی تھی یا یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ نظر آگئی تھی۔

"ہمم۔۔۔"

حیدر بھائی یہ بری بات ہے" عائشہ نے احساس دلانا چاہا۔"

حیدر خاموش رہا۔

ابھی آپ ایسے دیکھ رہے ہیں تو آپ کو یہ صحیح لگ رہا ہے اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا اور انہیں ایسے" دیکھ رہا ہوتا تب آپ کو یہی سب غلط لگتا" اس نے ایک کوشش اور کی۔

کوئی اور نہیں دیکھتا کیوں کہ کسی میں اتنی ہمت نہیں اور دوسری بات یہ کہ وہ ایسے لوگوں کو ان کی" اوقات میں رکھنا اچھے سے جانتی ہے" زینب منظر سے اوجھل ہوئی تو وہ اسے تفصیل سے جواب دینے لگا۔

پھر اپنے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا" عائشہ نے سینے پر ہاتھ باندھ پوچھا۔"

حیدر نے اس کی بات سمجھ قہقہہ لگایا تھا۔

میری ہمت اور اوقات دونوں اس کے بس کی بات نہیں" حیدر نے اس کی ناک دباتے ہنستے ہوئے کہا۔"

وہ تو نظر آرہا تھا کہ کیا ان کے بس میں ہے جب آپ انہیں دیکھ رہے تھے" عائشہ نے طنز کرتے کہا۔"

عائشہ کی بات سن اس کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

یہ آوازیں" نیچے سے کسی کے چیخ چیخ کے بات کرنے کی آوازیں آئیں تو عائشہ چونکی تھی۔"

وہ حیدر کے ساتھ ان آوازوں کے پیچھے جارہی تھی تب ہی ایک آواز اور ان کے قریب سے آئی جب وہ آفس کے آگے سے گزر رہے تھے۔

حیدر" یہ علی تھا۔"

تمہیں یہاں کس نے بندھ کیا؟" حیدر نے حیران ہوتے اس سے پوچھا۔"

آئندہ انہیں یہاں نہیں لایئے گا" عائشہ نے کہتے ساتھ ہی تالے کی چابی حیدر کو دی تھی اور وہاں سے" چلی گئی تھی۔

سن لیا" حیدر نے علی کو باہر نکلتے جتایا۔"

کچھ کہا کیا" وہ انجان بنا۔"

کچھ نہیں" حیدر نے تاسف سے کہا۔"

سامنے کا منظر دیکھ ان دونوں کے چلتے قدم وہیں ٹھہر گئے تھے۔

ہم نے اپنے بچوں کا یہاں پر داخلہ ان کی اچھی تعلیم کے لئے کیا ہے نا کہ اس لئے کے آپ ان جیسی" لڑکیوں کو یہاں پر آنے کی اجازت دیں اور ہمارے بچوں کا مستقبل برباد کر دیں" ایک عورت غصّے سے زینب کی طرف اشارہ کر کہہ رہی تھی۔

ہم تحمل سے بات کر لیتے ہیں آپ میرے ساتھ چلیں" عائشہ نے بگڑتی بات سنمبھالنی چاہی۔"

آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ میں تحمل سے بات کروں یہ جانتے ہوئے کہ خود آپ نے اس بدکردار" ،بدچلن اور بدذات لڑکی کو یہاں رکھا ہوا ہے۔۔۔ جس کا کل بھی گند سے آٹا تھا اور آج میں بھی صرف گند ہی گند ہے۔۔۔۔ جس کے نا باپ کا پتا نا ماں کا۔۔۔ جس کی رگوں میں کس کا گندا خون دوڑ رہا ہے کوئی نہیں جانتا۔۔۔ جسے والیو اللہ صاحب نے کچرے کے ڈھیر سے اٹھایا تھا بینا یہ سوچے کہ یہ کسی کا گناہ ہے۔۔۔۔ کسی نے حرام کاری کر اسے پیدا کیا اور اس حرام کی چیز کو اپنے تن سے ہی نہیں اپنی زندگی سے بھی باہر پھینک دیا" عائشہ کی بات سن آسیہ بیگم ہتھے سے ہی اکھڑ گیں تھیں۔

آسیہ بیگم دعا کی ٹیچر سے اس کی پروگریس معلوم کرنے آئیں تھیں جب انہوں نے یہاں زینب کو دیکھا جو جا ہی رہی تھی ان کا تو پارا ہی ہائی ہو گیا۔

عائشہ سکتے کے عالَم میں چلی گئی تھی وہ عورت کیا اول فول بک رہی تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

اسے کہا برا، مجھے لگا برا

کیوں لگا برا یہ میں نے ہی نا جانا

حیدر غصّے سے لال پیلا ہوتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا کہ علی نے زور سے اس کا بازو کھینچا تھا۔

ابھی تمہارا کوئی بھی عمل زینب کے دامن پر صرف داغ لگائے گا" وہ مضبوطی سے حیدر کو تھامے سمجھا" رہا تھا۔

حیدر نے اس کی بات سمجھ آنکھیں اور مٹھیاں زور سے بینچیں تھیں۔ وہ اپنے غصّے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ علی اسے وہاں سے لئے ہٹ گیا تھا جہاں ان کی آوازیں نہیں آ رہی تھیں۔

زینب چپ چاپ وہاں سے چلی گئی تھی۔ عائشہ نے جلدی سے ہوش میں آتے معافی تلافی کرتے صورتحال کو سنمبھلا تھا اور کچھ ہی وقت میں سب ایک بار پھر پہلے جیسا ہو گیا تھا سب اپنی اپنی کلاسوں میں واپس چلے گئے تھے۔

آسیہ بیگم کے اسکول سے جاتے ہی زینب ایک بار پھر اندر گئی تھی لیکن اب کی بار اسے عائشہ سے کچھ بات کرنی تھی۔ اسے آفس کی طرف جاتے حیدر اور علی نے دیکھا تھا اور حیدر کو اس کے باہر آنے کا

انتظار تھا۔ وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی واپس چلی گئی تھی۔ حیدر کو اس کے چہرے پر کوئی ایک تاثر بھی نظر نہیں آیا تھا۔

کیا کہہ رہی تھی وہ؟" حیدر نے آفس میں آتے ہی عائشہ سے پوچھا تھا۔"

آج جو کچھ ہوا اس کے لئے سوری میں کبھی یہ نہیں چاہتی تھی۔ آپ کو میری وجہ سے اتنا سب کچھ" برداشت کرنا پڑا۔ میں جانتی ہوں اس سب سے آپ کے اسکول کی ساخت کو بھی بہت نقصان پہنچ سکتا ہے لیکن یہ پہلی اور آخری بار تھا آئندہ ایسا نہیں ہو گا کیوں کہ اب سے میں یہاں نہیں آؤں گی لیکن میں آپ کو چیک پہنچا دوں گی۔۔۔۔ دیر ہو رہی ہے چلتی ہوں اللہ حافظ" عائشہ نے کسی طوطے کی طرح حرف با حرف حیدر کو زینب کا کہا سنا دیا تھا۔

میں جانتی ہوں یہ سب پہلی دفع نہیں ہوا ہے ان کے ساتھ ورنہ وہ کوئی تو جواب دیتیں کچھ تو کرتیں کچھ" تو کہتیں لیکن انہوں نے کچھ نہیں کہا وہ بس سنتی رہیں۔۔۔ اتنے سخت لفظ انہوں نے اپنی ذات پر برداشت کر لئے۔۔۔ آپ کو پتا ہے بھائی وہ یہ سب ایسے کہہ گئیں ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نا ہو لیکن آنکھوں میں سیاہی تھی وہ سیاہی جو اس عورت نے اپنے لفظوں کے ذریعے ان میں انڈیلی اور جانے کتنے لوگ کتنی دفع دن میں ایسا کرتے ہوں گے اور یہ سیاہی ان کی آنکھوں سے اترتی دل کو سیاہ کر رہی ہے۔۔۔۔" وہ ایک غیر مرئی نقطے کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔

تیرے دل پے لگی جو یہ سیاہی ہے مجھے کچھ بھی کر کے مٹانی ہے

کیوں مٹانی ہے یہ میں نے ہی نا جانا

بھائی اس سے پہلے لوگ ان کے دل کو مکمل سیاہ کر دیں آپ کچھ کریں" وہ پر نم آنکھیں لئے حیدر سے " التجا کر رہی تھی۔

عائشہ کے آنسو دیکھ علی کو آنسوؤں سے نفرت ہوئی تھی۔۔۔۔۔شدید نفرت۔۔۔

بسکوں دل

عائشہ کو یوں روتا دیکھ حیدر کو زندگی میں پہلی بار ڈر لگا تھا۔۔۔۔۔۔دل۔۔۔۔۔۔سیاہی۔۔۔۔۔۔آنکھیں۔۔۔۔اسے یہ سب الفاظ پریشان کر رہے تھے شاید وہ اس قدر نا ڈرتا اگر یہ دل کسی اور کا ہوتا۔۔۔۔۔لیکن ساری بات ہی یہی تھی یہ دل زینب کا دل تھا جو

اس کے دل کو بے چین کیئے رکھتا تھا۔۔۔۔اس ایک دل سے حیدر کو قرار بھی آتا تھا اور بیقراری بھی۔۔۔۔۔

حیدر وہاں سے تیزی سے نکلا تھا۔

عائشہ کرسی پر بیٹھی آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی جب علی نے ٹشو اس کے آگے بڑھایا۔

عائشہ نے روتے روتے ہی ٹشو لے لیا اور آنسو صاف کرنے لگی۔کچھ یاد آنے پر اس نے فوراً سر اٹھایا تھا اس کو تو بھول ہی گئی تھی اور اب اس کے سامنے رونے پر شرمندہ بھی ہو رہی تھی۔

عاشی تم روتی اچھی نہیں لگتیں" علی نے سنجیدگی سے کہا تھا جو کبھی بھی اس کے لہجے میں نئ پائی گئی تھی۔"

میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں میرا نام عائشہ ہے عاشی نہیں" یہ سن وہ ایک لمحے سے پہلے غصّے میں آئی تھی۔"

اور میں بھی پہلے کہہ چکا ہوں میرے لئے تو عاشی ہی ہے" وہ اب اپنے ازلی انداز میں لوٹتا اسے تاؤ دلا رہا تھا۔"

کیوں آپ کیا آسمان سے اترے ہیں؟" وہ آگ بھگولہ ہوتی پوچھ رہی تھی۔"

ہاں بلکل صرف تمہارے لئے" علی نے آنکھ دبا کے کہا تو اس کے غصّے کا گراف شوٹ کر گیا۔"

آپ دفع ہو جائیں یہاں سے" وہ دروازے کے پاس کھڑی اسے باہر کا راستہ دکھا رہی تھی۔"

علی غیر متوقعہ طور پر مسکراتا ہوا کچھ بھی کہے بینا چلا گیا تھا۔

عائشہ نے واپس اپنی کرسی سنبھالتے سکھ کی سانس لی تھی۔اس نے ابھی قلم اٹھایا تھا جب علی کی بات اسے یاد آئی۔

ہاں بکل صرف تمہارے لئے

اسے علی کی بات کا مطلب اب سمجھ آیا تھا اور وہ بے انتہا پریشان ہو گئی تھی پتا نہیں وہ کیسا شخص تھا اور وہ کیوں اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔۔۔اور کیا اس کی بات کا مطلب وہی تھا جو میں سمجھ رہی ہوں یا پھر میں کچھ زیادہ ہی سوچ رہی ہوں۔۔۔۔ہو سکتا ہے ایسا کچھ بھی نا ہو۔۔۔میں ہی اوور ریکٹ کر رہی ہوں۔۔۔ہاں ایسا کچھ نہیں ہے عاشی۔۔۔۔۔ ہنننننننن۔۔۔۔عائشہ۔۔۔۔وہ عاشی کہنے پر خود کو سرزنش کر رہی تھی۔

اتنا مت سوچو پیار ہو جائے گا" علی سینے پر ہاتھ بندھے تپا دینے والی مسکراہٹ لبوں پر سجائے دروازے" کے ساتھ لگا اس سے کہہ رہا تھا۔

عائشہ نے غصّے سے میز پر رکھا پیپر ویٹ اٹھایا اور علی کے کھینچ کے مارا لیکن سب بے سود علی اسے کیچ کر چکا تھا۔

جاتو رہا ہوں لیکن واپس آنے کے لئے" علی نے اندر آتے پیپر ویٹ ٹیبل پر رکھا۔ دونوں ہاتھ کی" ہتھیلیاں میز پر جماتا وہ ذرا سا جھکا اور اسے یقین دلاتا کہہ رہا تھا۔

کو یاد کر رہی تھی اور اس عائشہ کچھ کہہ نا سکی بس چپ چاپ سنتی رہی وہ چلا گیا تو سر ہاتھوں میں تھام وہ اللہ مصیبت سے بچنے کا حل سوچنے لگی۔

حیدر کچھ بھی سوچے سمجھے عائشہ کی بات سنتے ہی زینب کا تعاقب کرتا اس کے گھر تک آیا تھا صرف اسے ایک بار دیکھنے کے لئے۔۔۔ پتا نہیں کیوں لیکن دل اس کو دیکھنے کی خواہش پر ڈٹا تھا۔

وہ اس کا تعاقب کرتا یہاں تک آ تو گیا تھا پر اس سے فاصلہ رکھ کے ڈرائیو کرنے کی وجہ سے اسے دیر ہو گئی تھی وہ اسے دیکھ نہیں پایا تھا۔ اس نے غصّے سے سٹرنگ پر ہاتھ مارا تھا۔

وہ گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر مضطرب سا چکر کاٹ رہا تھا۔۔۔۔ گھنٹے گزرتے گئے پر وہ نہیں دیکھی۔۔۔ اس نے اپنا کوٹ اتار بونٹ پر رکھا تھا اور اپنی آستینوں کے کف موڑتا وہ گاڑی کے بونٹ پر بیٹھا اس کے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔۔۔ حیدر کو دیکھ ایسا لگ رہا تھا کہ جب تک اسے وہ دیکھ نا لیتا یہاں سے جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔۔۔۔

دن ڈھلتا جا رہا تھا اور اس کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔۔۔ زینب کا بے تاثر چہرہ جو کبھی اس کا غصّہ بڑھا دیتا تھا آج بھی بڑھا رہا تھا لیکن اب کے یہ غصّہ نفرت یا جلن کی وجہ سے نہیں تھا۔۔۔ فکر کی وجہ سے تھا۔۔۔ وہ اسے ایک بار دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ ٹھیک تھی یا نہیں۔۔۔ لیکن کیا وہ ٹھیک ہو سکتی تھی اتنا سب ہونے کے باوجود بھی۔۔۔ یہ سوال بھی وہ خود سے کر رہا تھا جس کا جواب ہر بار منفی آ رہا تھا۔

حیدر کا سر بے ساختہ آسمان کی طرف اٹھا تھا اور وہ آنکھیں بند کئے دل کی گہرائیوں سے صرف اتنا بولا تھا۔

"مدد یا اللہ"

اور جس پاک ذات سے مدد مانگی گئی تھی اس نے حیدر کے آنکھیں کھولنے سے پہلے ہی مدد بھیج دی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے سے نور رانیہ کے ساتھ اپنی کار میں پارکنگ میں داخل ہوئی تھیں۔ وہ اسے نا دیکھ سکیں اسی لئے حیدر نے اپنا رخ موڑا تھا۔

وہ دونوں گاڑی سے اتر بلڈنگ میں گئیں تھیں اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ رانیہ اور نور کے ہمراہ نیچے آئی تھی۔ وہ کالے رنگ کے سادھا سے لباس میں ملبوز تھی اور کالے ہی رنگ کا حجاب لئے اپنے گرد شول کو اچھے سے لاپیٹے تھی۔ اس کی آنکھیں بے رنگ تھیں جو دکھ سے بھری نظریں کبھی پورے اعتماد کے

ساتھ اٹھی ہوتیں تھیں آج وہ نظریں جھکیں تھیں حیدر کو لگا ان آنکھوں نے اپنا اعتماد کھو دیا ہے۔۔۔زینب کے لبوں پے ایک مصنوئی مسکان سجی تھی اس ایک مسکان کے پیچھے اتنی تھکن تھی کہ اس کا بوجھ حیدر کو اپنے دل پر محسوس ہو رہا تھا۔

وہ تینوں کار میں سوار ہوئیں تھیں اور کچھ ہی دیر میں حیدر نے انہیں پارکنگ سے نکلتے دیکھا تھا۔

حیدر کا دماغ اس وقت سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا نے ایک گہری سانس لے ان سوچوں کو جھٹکا تھا اور ایک بار پھر ان لے پیچھے چل دیا۔

ایک لمبی ڈرائیو کے بعد زینب نے بریک دے کار کو روکا تھا اور کچھ بھی کہے بینا وہ کار سے اتر گئی تھی۔

وہ قدم قدم چلتے ایک پہاڑ کی چوٹی پر رکی تھی۔سامنے دل موہ لینا والا منظر اپنی پورے حسن و شادابی کے ساتھ موجود تھا۔

دو قد ادام پہاڑوں کے عین درمیاں سے دودھ مائل پانی کی ایک آبشار بغیر کسی روکاوٹ کے بہتی ہوئی ایک چھوٹی مگر خوبصورت جھیل کے ساتھ ملتی تھی جس کے گرد بیشمار بڑے بڑے پھتر جگہ جگہ موجود تھے۔اس آبشار کا پانی سطح پے پھیلتا اپنا رنگ بدل گیا تھا۔۔۔یہ پانی شفاف نیلے رنگ کا تھا جس میں اپنا عکس با آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔

اونچائی سے یہ جھیل ایک پیالے نماں کی صورت دکھائی دیتی تھی جس کے چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ تھے۔

زینب دم بخود سی اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔

زینی تمہیں ابروڈ سے جاب کی آفر آرہی ہے؟" زینب رانیہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی رانیہ کے ہاتھ میں" زینب کا فون تھا مطلب جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

زینب سیدھی ہوتی ایک بار پھر سامنے دیکھنے لگی۔

زینی ان کی کال آرہی ہے وہ پوچھ رہے ہیں۔۔۔ بتاؤ میں انہیں کیا جواب دوں؟" زینب کو خاموش پا" کر رانیہ نے دوبارہ سوال کیا تھا۔

زینب کی خاموشی اب بھی برقرار تھی۔

زینی تمہیں یہ کرنا چاہیے" رانیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ نرمی سے مشورہ دیا تھا۔"

کس کے لئے؟" زینب بالآخر بولی تھی۔"

اپنے لئے" رانیہ نے مدھم آواز میں کہا۔"

اپنے لئے کچھ بھی کرنے کی مجھے اب چاہ نہیں رہی" ایک عجیب ٹھہراؤ تھا اس کے لہجے میں۔

وہ تو تمہیں کبھی نہیں تھی" رانیہ ناراضگی سے بولی۔"

کافی دیر زینب کچھ بول نہیں سکی۔

خوبصورت ہے نا۔۔۔۔ بابا اکثر مجھے یہاں لیا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔ انہوں نے کہا تھا زینی خواب دیکھنا" شروع کرو۔۔۔۔۔۔ وہ چاہتے تھے میں شادی کرلوں میں نے کبھی بابا کی بات کو نہیں ٹالا تھا۔۔۔۔ جو خواب وہ مجھے دکھانا چاہتے تھے وہ انہوں نے پہلے خود دیکھا تھا۔۔۔ انہوں نے مجھے سب کچھ دیا تھا تو میں کیسے پیچھے ہٹ سکتی تھی میں نے ہاں کردی۔۔۔۔۔ پر۔۔۔۔۔ جب مجھے یہ علم ہوا کہ اس سب میں ان کی بہت بے عزتی ہو رہی ہے تو میں نے وعدہ توڑ دیا" وہ بہت ٹھہر ٹھہر کے کہتی سانس لینے کے لئے روکی تھی۔

"وعدہ توڑنے کی اتنی بڑی سزا دی بابا نے مجھے، وہ مجھے چھوڑ کر ہی چلے گئے"

زینی وہ صحیح تھے تم شادی کرلو" رانیہ نے سابقہ انداز اپنائے ہی کہا۔"

ہر کوئی بابا جیسا نہیں ہوتا کہ کسی کے گناہ کو اپنے سینے سے لگا لے۔۔۔۔۔۔ اپنے گھر کی عزت بنا لے" "

رانیہ نے پہلی بار زینب کے منہ سے اپنی ہی ذات کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرتے سنے تھے۔

رانیہ کو حیرت تو بہت ہوئی دکھ بھی ہوا لیکن وہ آج کسی اور ہی موضوع پر بات کرنا چاہتی تھی۔

لیکن میں دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتی ہوں زینی میں تمہیں اپنی بھابی بنانے کے لئے تیار ہوں" رانیہ نے مستحکم لہجے میں کہا۔

زینب ایک بار پھر چپ ہوئی تھی۔ اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ انس احسن اسے پسند کرتے ہے لیکن رانیہ بھی یہ جانتی ہے اسے علم نہیں تھا۔

محبّت کرتے ہے انس بھائی تم سے "رانیہ نے اب کے صاف لفظوں میں بولا تھا۔"

زینب جس پہاڑ پر کھڑی تھی اس کے ٹھیک نیچے حیدر کھڑا کافی دیر سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ رانیہ کے اس انکشاف پر اس کا دل زوروں سے دھڑکا تھا۔

زینب کی یہ طویل خاموشی حیدر کو بری طرح ڈسٹرب کر رہی تھی۔ اسے اس پل زینب کے جواب کی شدید خواہش تھی۔۔۔۔۔۔ وہ اس کا جواب سنا چاہتا تھا۔۔۔۔ کیا وہ شادی کر لے گی۔۔۔۔۔۔ کیا وہ کسی اور کی ہو جائے گی۔۔۔۔

رانی تم بھاگ کے یہاں آگئی بندا تھوڑی مدد ہی کر دیتا ہے اتنی مشکل سے نکالا ہے میں نے یہ بیگ ڈیگی" میں پھنس گیا تھا" نور ایک ہاتھ میں بیگ دوسرے میں فروٹ باسکٹ اٹھائے آ رہی تھی۔

رانیہ زینب سے اس متعلق بعد میں بات کرنے کا تہیہ کرتی نور کی جانب بڑھی اور اس کے ہاتھ سے بیگ لے لیا۔

بندا ہوتا تو کرتا نا مدد۔۔۔ویسے کس بندے کی مدد کی ضرورت ہے تمہیں "رانیہ نے شوخی سے نور کو" چھیڑا تھا۔

اف رانی میرا مطلب تھا بندی یعنی کہ تم "نور نے وضاحت کی۔"

سچ میں "وہ شکی نظریں اس پر جمائے پوچھ رہی تھی۔"

دفع ہو جاؤ "نور اس کے دیکھنے سے ایک پل کو ڈری لیکن اگلے ہی پل غصے سے کہتی تیز تیز قدم لئے آگے" بڑھ گئی۔

ارے سنو تو "رانیہ کہتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگی تھی۔"

ان تینوں نے یہاں بیٹھ خوب باتیں کیں۔۔۔۔نور نے بہت سی پِکس کلک کیں اور رانیہ سلفیس لینا بھی نہیں بھولی۔۔۔۔ عجیب غریب پوس لیتی۔۔۔۔پک کو خراب کرتیں وہ اسے ہسنے کی کوششوں میں پیش پیش تھیں۔

حیدر ان کے جانے کے بعد بھی وہاں سے ہلا نہیں تھا۔۔۔۔وہ جیسے ایک ہی لمحے میں قید ہو گیا تھا۔۔۔اس کی دلی حالت عجیب ہو رہی تھی۔۔۔۔"کیوں؟" وہ جلد جانے والا تھا۔

انس احسن ڈائننگ ٹیبل پر براجمان اخبار ہاتھ میں لئے اس کا مطالع کر رہے تھے چونکہ آج وہ معمول سے ہٹ کر جلدی اٹھ گئے تھے اور اب اپنے ناشتے کا انتظار کر رہے تھے۔

بھائی "رانیہ نے اس کے برابر والی کرسی سنبھالتے ہلکی آواز میں اسے پکارا۔"

بولو "انس احسن نے مصروف سے انداز میں کہا۔"

بھائی ضروری بات کرنی ہے آپ سے زینب کے بارے میں "اب کے وہ سرگوشی میں بولی تھی کہیں نیلم" بیگم سن ہی نا لیں۔

کہو "انس احسن اخبار میز پر رکھ اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔۔۔۔ماتھے پر شکنے اور لہجے میں" سنجیدگی تھی۔

بھائی آپ زینب سے شادی کر لیں "وہ بینا تمہید بندھے عجلت سے بولی تھی۔"

انس احسن مسکرا بھی نا سکے انہیں پتا نہیں تھا رانیہ یوں ان سے ایک دم ہی ایسی فرمائش کرے گی جو ان کی خود کی بھی خواہش تھی پر اس پر عمل کرنے میں وہ ذرا گھبرا رہے تھے۔۔۔۔نا جانے یہ سن کر زینب ان کے بارے میں کیا سوچتی۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں غرق تھے جب رانیہ نے ان سے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

زینب ٹھیک ہے پر میں چاہتی ہوں وہ صرف ٹھیک نا ہو وہ خوش بھی ہو اسی لئے اب اور دیر نہیں کر سکتے "

ہم۔۔۔۔مجھے نہیں پتا آپ یہ سب کیسے کریں گے پر آپ آج ہی میرے ساتھ اس سے بات کرنے چل

رہے ہیں " وہ اپنی طبیعت کے خلاف سنجیدگی سے کہہ رہی تھی اور آخر میں تحمکانہ انداز اپنالیا تھا۔

ہمم " انس احسن نے سر اثبات میں ہلاتے اپنی رضامندی دی کیوں کہ نیلم بیگم ناشتے کی ٹرے لئے یہیں "

آرہیں تھیں۔

رات حیدر کی آنکھوں میں کٹی تھی۔اس کے دل میں عجیب اتھل پتھل مچی ہوئی تھی۔اسے کسی طور چین

نہیں آرہا تھا۔

زینب نے کچھ کیوں نہیں کہا۔۔۔۔کیا وہ انس سے شادی کرلے گی۔۔۔۔اسی طرح کے کئی

سوالات اس کے ذہن میں چل رہے تھے اور انہی سوالات کے جواب جانے وہ ایک بار پھر زینب کے گھر

گیا تھا۔

وہ ابھی باہر ہی تھا جب اس نے سوسائٹی کے دروازے سے ان کی گاڑی کو نکلتے دیکھا اس نے اپنی گاڑی کو

بھی ان کے پیچھے ڈال دیا۔

پانچ منٹ کے سفر کے بعد زینب کی کار ایک کیفٹیریا کے باہر رکی اور وہ تینوں کار سے نکلتی اندر کو چل دیں۔

حیدر نے کچھ سوچتے ہوئے بیک سیٹ پر نظر دوڑائی اور ہاتھ بڑھا کر ہیٹ اٹھایا۔ گاڑی کو لاک کر کے اس نے ہیٹ کو پہنا آج اس کا حلیہ معمول سے مختلف تھا وہ سکین کلر کی ٹی۔ شرٹ اور بلیک جینس میں ملبوز تھا۔ اپنے اس انفورمل لباس میں بھی وہ توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

اس نے ہیٹ کے ہوڈ سے اپنے چہرے کو چھپایا اور آنکھوں پر گوگلس لگاتا وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

وہ تینوں ہمیشہ کی طرح حجاب میں موجود تھیں اور گلاس وال سے لگی میز پر بیٹھی اپنا آرڈر نوٹ کروا رہیں تھیں۔ حیدر نے دیکھا تھا زینب کے پشت پر رکھی میز خالی تھی وہ لمبے لمبے قدم لیتا وہاں جا بیٹھا۔

ویٹر حیدر سے اسکا آرڈر لینے آیا تو حیدر نے کافی کا آرڈر دیتے اسے رخصت کیا۔ اتنے میں پیچھے بیٹھی لڑکیوں کا آرڈر بھی آ گیا تھا جس سے یہ بھرپور انصاف کر رہیں تھیں۔

زینی مجھے تم سے بات کرنی ہے انس بھائی۔۔۔۔"رانیہ نے کیپیچینو کا سپ لیتے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ" ساتھ بیٹھی نور کو ایک دم پھندا تھا۔

رانیہ اپنی بات بھولتی اس کی طرف متوجہ ہوئی جو بری طرح کھانس رہی تھی۔رانیہ نے اس کی کمر کو تھپکا اور زینب نے جلدی سے پانی کا گلاس اس کے آگے بڑھایا۔نور نے چند گھونٹ لئے۔۔۔۔کھانسی اب بند ہو گئی تھی۔۔۔۔لیکن آنکھوں میں نمی نمایاں تھی۔

تم ٹھیک ہو؟"رانیہ اس کو دیکھتے پوچھ رہی تھی۔"

ہاں۔۔۔۔میں ابھی واشروم سے آتی ہوں"نور کہتی اٹھ کر چلی گئی تھی۔"

زینی انس بھائی تم سے محبت کرتے ہیں شادی کرنا چاہتے ہیں"رانیہ نے نور کے جاتے ہی اپنی بات جاری" رکھتے کہا تھا۔

زینب ایک بار پھر خاموش ہو گئی تھی جو حیدر کو چبھن کی طرح اپنے دل میں محسوس ہو رہی تھی۔اس سے پہلے حیدر اپنا ضبط کھو کر اس کے سامنے آ اس سے یہ سوال کرتا زینب کی آواز حیدر کی سماعتوں سے گزری تھی۔

کرتے ہوں گے رانی۔۔۔۔تم تینوں بہن بھائی مجھے اس دنیا کے نہیں لگتے کسی دور دیس سے آئے ہو یا" شاید بھیجے گئے ہو"زینب کافی کے مگ پر ہاتھ پھرتی کہہ رہی تھی۔

ہاں بھیجے ہی گئے ہیں صرف تمہارے لئے میں بھی اور بھائی بھی تم کرو گی نا انس بھائی سے شادی"رانیہ" نے اس کے برابر بیٹھ کہا تھا۔

کیا ہم اس ڈسٹ بن کو گھر لے چلیں ؟" زینب نے رانیہ کی بات کا جواب دینے کے بجائے ایک کونے "
میں رکھے ڈسٹ بن کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

ہم دوسرا لے لیں گے یہ تو گندا ہے "رانیہ کو دھچکا لگا زینی اس کی بات سن بھی رہی تھی یا نہیں اسے یہ "
اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا کیوں کہ وہ اب بھی اسی ڈسٹ بن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

نہیں مجھے یہی چاہیے "وہ زور دیتی بولی۔"

زینی لیکن ہم کسی گندی چیز کو گھر تو نہیں لے جا سکتے نا یہ تو بیوقوفی ہوئی نا "رانیہ نے بچوں کی طرح اسے "
سمجھایا۔

ٹھیک کہا تم نے گند کو گھر کی زینت نہیں بنایا جاتا اور جو ایسا کرتے ہے وہ بیوقوفی کرتے ہیں۔۔۔۔ مجھ "
جیسے لوگوں کی زندگی کا آغاز تاریک رات میں سنسان سڑک پر پڑے کسی کچرے کے ڈھیر سے ہوتا
ہے اور کسی دن انہی سڑکوں پر ہماری لاش ملتی ہے۔۔۔ بس اتنی سی ہے زندگی۔۔۔ تھوڑی جی چکی
ہوں تھوڑی باقی ہے "وہ خود اذیتی کا شکار تھی جو اس کی ذات میں کبھی رانیہ نے نہیں دیکھا تھا آج دیکھ
رہی تھی۔

خدا کا واسطہ ہے زینی ایسی باتیں مت کرو۔۔۔۔ انس بھائی سب ٹھیک کر دیں گے بس تم مان جاؤ"""
رانیہ آنسو پیتی اس سے التجا کر رہی تھی۔

میرے پاس دل نہیں ہے۔۔۔۔ ہوا کرتا تھا کبھی۔۔۔۔ پر اب نہیں ہے اسے لوگوں کے تلخ جملے نے توڑ دیا ہے اور اب صرف کانچ کے ٹکرے ہیں اگر کوئی انہیں سمیٹنے کی کوشش کرے گا تو صرف اس کے ہاتھ لہو ہوں گے اسی لئے بہتر ہے اجتیناب کیا جائے" وہ رانیہ کو دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

میں بتاؤں تم کون ہو تم ایک حرام کی پیداوار ہو حیدر کو اپنا کہا یاد آیا تھا۔

اس نے شدتِ جذبات سے آنکھیں میچین تھیں۔۔۔۔ ہاں ایک کاری ضرب اس نے بھی لگائی تھی۔

اسے زینب کا وہ چہرہ یاد آیا تھا جو اس جملے کے بعد سفید پڑا تھا۔

"دل میں نے توڑا ہے تو مسیحائی کرنے کا حق بھی صرف میرا ہے"

اس نے اپنی لال انگارہ آنکھیں کھولیں تھیں اور اسی لمحے فیصلہ کیا تھا وہ فیصلہ جس سے بہت سوں کی زندگی ملنے والی تھی۔۔۔۔ وہ فیصلہ جو نا جانے کیوں وہ خود کو کرنے سے روک رہا تھا۔۔۔۔ وہ سچ جسے ماننے سے وہ انکاری تھا آج اسے پورے دل سے قبول کر رہا تھا۔

انس بھائی سب ٹھیک کر دیں گے "رانیہ ایک ہی بات پر اٹک گئی تھی۔"

محبّت ہو جاتی ہے ہم انسانوں کو۔۔۔۔ عزت ہم کر لیتے ہیں۔۔۔۔ لیکن عزت کروا نہیں سکتے "زینب کے پاس آج بہت کچھ تھا بولنے کے لئے۔

زینی انس بھائی تمہاری عزت بھی کروالیں گے "رانیہ بھی چپ ہونے سے انکاری تھی۔"

ہو سکتا ہے کروالیں معاشرے سے لڑلیں لیکن کیا اپنے ہی گھر میں جنگ کی وجہ بنوں گی میں ؟"زینب نے "اب کی بار اس سے سوال کیا تھا۔

رانیہ جانتی تھی اس کا اشارہ نیلم بیگم کی طرف تھا۔ وہ چپ رہی کیوں کہ نیلم بیگم کو کیسے راضی کرنا تھا یہ تو اسے بھی نہیں پتا تھا۔

کیا اپنی ہی جنت سے لڑیں گے ؟.........میں ایسا کچھ نہیں چاہتی میں جہاں ہوں ٹھیک ہوں اور " اگر ٹھیک نہیں بھی ہوں تو بھی کیا فرق پڑتا ہے زندہ ہوں... تمہارے ساتھ ہوں اتنا کافی ہونا چاہیے تمہارے لئے "زینب اس کی طرف دیکھ بولی تھی۔

لیکن زینی......"رانیہ ایک کوشش اور کرنا چاہتی تھی۔"

مجھے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنی"زینب نے کہتے ہی آنکھیں ایک بار پھر پھیری تھیں۔"

لیکن زینی میں نے یہاں انس بھائی کو بلالیا ہے تم سے بات کرنے"رانیہ ایک ہی سانس میں سب کہہ " گئی۔

میں کرلوں گی بات"وہ اسی کھوے انداز میں بولی۔"

بھائی"رانیہ انس احسن کو دیکھتے کھڑی ہوئی تھی۔انس احسن اس کو دیکھتے اسی ٹیبل پر آکر روکے۔"

میں نور کو دیکھ کر آتی ہوں پتا نہیں کہاں رہ گئی ہے جب تک آپ دونوں باتیں کریں" رانیہ عجلت میں" کہتی انہیں اکیلا چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

حیدر کا خون کھولا تھا اسے یہ سوچ غصّہ دلا رہی تھی کہ وہ اس شخص کے ساتھ بیٹھی تھی شاید اسے غصّہ نا آتا مگر یہاں وہ ان کے بیٹھنے کی وجہ اور موضوع دونوں سے واقف تھا۔

میں آپ سے۔۔۔۔۔"خاموشی کے لمبے وقفے کے بعد انس احسن نے ہمت مجمع کرتے کہنا شروع ہی" کیا تھا کہ زینب نے انہیں بیچ میں ہی ٹوک دیا۔وہ اس قسم کی کوئی بھی بات سننے کی روادار نہیں تھی۔

میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں۔۔۔عزت کے رشتے محبّت کے رشتوں سے زیادہ انمول ہوتے " ہیں۔۔۔زیادہ خالص ہوتے ہیں۔۔۔آپ ہمارے اس رشتے کے درمیاں محبّت کو لا کر اسے بے مول نا کریں"وہ کچھ پل کو رکی تھی اور اس نے پھر کہنا شروع کیا تھا۔

میں آپ کے لئے نہیں ہوں۔۔۔۔میں کسی کے لئے نہیں ہوں کیوں کہ جو خود میں مکمل ہوں انہیں" کسی ساتھی کی ضرورت نہیں ہوتی۔۔۔میرے زندگی میں مشکلات پیدا نا کریں۔۔۔۔۔میرے اور آپ کے درمیان ہمیشہ سے عزت کا رشتہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا"وہ ایک بار پھر رو کی تھی۔

محبّت کو وہاں تلاش نا کریں جہاں اس کا چھایا بھی نہیں ہے۔۔۔۔آپ اسے غلط جگہ تلاش کر رہے ہیں" جس سے صرف آپ کا نقصان ہو رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔کہتے ہیں شادی اس سے کرنی چاہیے جو آپ کو

چاہیے نا کے اس سے جس کو آپ چاہیں کیوں کہ وہ چاہنے والا ہماری زندگی کو جنت بنانے کی جان توڑ کوشش کرنے کے لئے ہم وقت تیار رہتا ہے۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے آپ کو میرا یہ کہنا برا لگے لیکن مجھے آپ کے اس جذبے کی کوئی قدر نہیں ہے۔۔۔۔ اپنے جذبوں کا قدر کرنے والا ڈھونڈھے۔۔۔۔ جو آپ کا ساتھ پا کر خود کو متعبر سمجھے۔۔۔۔۔۔۔

ایک لڑکی ہے جو آپ کو چاہ رہی ہے اور ایک دو دن سے نہیں چاہ رہی۔۔۔۔۔ پچھلے چار سال سے چاہ" رہی ہے خود سے لڑ رہی ہے خود کو کوس رہی ہے صرف اس لئے کیوں کے اسے آپ سے محبّت ہو گئی ہے۔۔۔۔۔۔۔

عجیب ہوتی ہیں نا ہم لڑکیاں محبّت ہمارے بس میں نہیں ہوتی اور اس کا اظہار ہم اپنے جذبوں کی پامالی کے ڈر سے خود کے بس سے باہر کر دیتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر آپ میری تھوڑی بھی عزت کرتے ہیں تو اسے تلاش کریں۔۔۔۔ زیادہ مشکل کا سامنا نہیں ہو گا آپ کو یہ کرنے میں کیوں کہ اس کے چہرے پر ہر تحریر واضح ہے۔۔۔۔ اس کی آنکھوں میں آپ کا عکس ہر وقت نظر آتا ہے۔۔۔۔۔

اور یہ مت سمجھئے گا کہ کوئی آپ کو چاہتا ہے اس وجہ سے میں آپ سے شادی نہیں کر رہی کیوں کہ کسی کی بھی زندگی میں کوئی بھی ہو مجھے کوئی سروکار نہیں" زینب اپنی بات مکمل کرتی اب چپ ہوئی تھی۔

انس احسن نے اس کی ہر بات کو بینا کسی مداخلت کے پوری توجہ سے سنا تھا اور اس نئے انکشاف پر وہ دنگ رہ گئے تھے اسے سمجھ نہیں آیا کیسے ریکٹ کریں وہ چپ چاپ کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے چلے گئے تھے۔ زینب کی ساری باتیں سن سکوں کی ایک لہر تھی جو حیدر کے رگ و پیمان میں اتر گئی تھی۔ اتنا ہلکا اس نے کبھی خود کو نہیں محسوس کیا تھا جتنا وہ اس وقت محسوس کر رہا تھا۔

حیدر انس احسن کے جاتے ہی چلا گیا تھا۔ اسے اب اپنی سوچ پر عمل کرنا تھا۔ پلان تیار تھا بس اس پر عمل کرنے کی دیر تھی اور وہ اب مزید کوئی تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے فون نکال نمبر ڈائل کیا تھا۔

کال پہلی ہی بیل پر ریسیو کر لی گئی تھی۔

ان کے سٹے کو کچھ بھی کر کے چھ مہینے کے لئے بڑھا دو" حیدر نے حکم دیا تھا۔"

میں کوشش۔۔۔"فون کے سپیکر سے آواز گونجی تھی۔"

حیدر نے اسے بولنے ہی نا دیا۔

کوشش نہیں کرنی۔۔۔ ایسا ہی ہونا چاہیے" وہ سختی سے بولا تھا۔"

اوکے سر" دوسری طرف سے تعبیداری سے کہا گیا۔"

جب تم انہیں آگاہ کر دو تو مجھے فوری اطلاع کر دینا" حیدر نے کہتے ہی کال ڈسکنیکٹ کی تھی۔"

اب اسے بے صبری سے اس کال کا انتظار تھا کیوں کہ آگے کے مراحل اس کے بعد ہی طے پانے تھے۔

حیدر گھر آیا اور سیدھے اپنے کمرے میں گیا وورڈروپ سے کپڑے نکلتا وہ باتھروم میں نہانے کی غرض سے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی باتھروم کا دروازہ کھولا۔ وہ اب خود کو تازہ تازہ سا محسوس کر رہا تھا اس نے تولئیہ ایک طرف پھینک ڈریسنگ سے موبائل اٹھایا تھا جہاں اسے چند مس کالز اور میسیجز کا نوٹیفکیشن ملا اس نے میسیجز پر ٹچ کیا تو ایک ہی نام سے کئی میسیجز آئے تھے اس نے انہیں بھی ٹچ کیا اور میسج پڑھنے لگا جسے پڑھ کر اس کے لب مسکائے تھے۔۔۔۔۔ ایک مرحلہ حل ہوا تھا۔۔۔ باقی کے مراحل میں اسے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا کیوں کہ اتنا تو وہ زینب کو جان ہی گیا تھا۔۔۔۔

لیکن اس سے پہلے اس نے ایک نمبر ڈائل کیا تھا اور بات کافی لمبی ہو گئی تھی اور اس پورے عمل میں اس کے ماتھے پر بے شمار بل تھے۔۔۔۔ لیکن بات کے اختتام میں اس کے چہرے پر خوشی نے رقص کیا تھا اور وہ مطمئن ہوتا اب اگلے مرحلے کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

عہد

اندھیرا چاروں سوں پھیل چکا تھا۔ اسٹریٹ لائٹس کی ساری بتیاں گل تھیں۔ اس کی گاڑی کو مشکل سے ہی اس اندھیرے میں دیکھا جاسکتا تھا جو سڑک کے کنارے کھڑی تھی اس نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس کو یہاں آنے سے پہلے ہی بند کر دیا تھا تاکہ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نا ہو سکے۔

کچھ دیر ڈرائیور سیٹ پر براجمان وہ سارا لحہ ء عمل ترتیب دیتا رہا اور گاڑی سے باہر نکل اس نے آہستگی سے دروازہ بند کیا۔

اس نے مین گیٹ کے دائیں طرف جاتے اپنے سامنے کھڑی دیوار کا جائزہ لیا جو تقریباً دس پندرہ فٹ کی تھی اور اس کو پھلگنا بے حد مشکل تھا اگر وہ جیسے تیسے کر کے اس دیوار کے اوپر چڑھ بھی جاتا تو اترنے میں کم از کم اس کے پیر کی ہڈی تو ضرور ٹوٹتی۔

وہ گردن گھوما کے ارد گرد کوئی سہارا تلاش کر رہا تھا جب اسے دیوار سے نکلتا ایک پھتر دکھائی دیا اس نے مزید وقت برباد کیئے اپنا دایاں پیر اس پر رکھا اور دونوں ہاتھ دیوار کی اوپری سطح پر رکھے اور آہستہ آہستہ

خود کو اوپر کی جانب گھسینٹا تھوڑی سی کوشش سے ہی وہ اب دیوار کے اوپر بیٹھا تھا ایک لمبی سانس اندر کو کھینچتا وہ یہاں سے کودنے کے لئے خود کو تیار کر رہا تھا جب اس نے ایک شخص کو لائٹ ہاتھ میں تھامے چکر کاٹتے دیکھا وہ یقیناً چوکیدار تھا اس نے فوراً جمپ لگائی تھی نیچے قطار سے لگے گملوں میں کیکٹس کے پودے لگائے گئے تھے جو بری طرح اس کے ہاتھ میں اندر تک گھس چکے تھے۔

کودنے کی آواز نا چاہنے کے باوجود بھی پیدا ہو گئی تھی چوکیدار نے پیچھے مڑ اس کی جانب ٹارچ کی روشنی ماری تھی لیکن وہ پھلیے ہی وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ چوکیدار اسے اپنا وہم جانتا اب اپنے کوٹر کی طرف جا رہا تھا۔

وہ چوکیدار کو دیکھتا سیدھا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں شدید تکلیف ہو رہی تھی اس نے ہاتھ میں گھسے ان کانٹوں کو نکلنا چاہا لیکن پھر یہ سوچ کر رک گیا کہ پھر خون اور تیزی سے نکلے گا اور جو وہ کرنے آیا ہے اس کا نشان یہیں رہ جائے گا اور دیکھنے والے اس پر کئی سوال اور اٹھائیں گے۔

اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے اپنی دائیں طرف کی پینٹ کی جیب سے رومال نکلا اور ان کانٹوں کے اوپر سے ہی کس کے رومال کو ہاتھ پر لپیٹ دیا۔ اس نے درد برداشت کرنے کے لئے اپنے دانتوں کو سختی سے بھینچ لیا۔

درد تو بہت تھا لیکن وہ اس کو نظر انداز کرتا بلڈنگ پر لگے پائپ پر چڑھنے لگا۔

کچھ ہی وقت میں وہ اپنی منزل پر موجود تھا اس نے بغیر کوئی آواز پیدا کئے کھڑکی سے کمرے کے اندر قدم رکھے تھے۔

کمرے میں ملجھائی سا اندھیرا تھا۔ کھڑکی پر لگے سفید پردے ہوا کی دوش پر اوڑھ رہے تھے اور اس سے آتی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا موحول کو خواب ناک بنا رہی تھی۔

بستر پر سوئے ہوئے وجود کا رخ کھڑکی کی ہی جانب تھا۔ پردہ چھن سے اڑتا اس کے چہرے پر چاندی بکھیر رہا تھا اور وہ اپنی جگہ پر مجسمہ بنا اسے تک رہا تھا ایک بار پھر اس کا چہرہ تاریک ہوا تھا چاندنی لوٹ گئی تھی ایک بار پھر واپس آنے کے لئے اور چاندنی پھر آئی تھی اور اس کا ویران چہرہ پھر روشن کر گئی تھی۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اس کے سامنے پڑے صوفے پر آرام دہ حالت میں جا بیٹھا تھا اور اس کے ایک ایک نقش کو فرصت سے پڑھ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ ہلکے تھے وہ بیمار لگ رہی تھی۔ برسوں کی مسافت کی تھکن اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

اس وجود نے بستر پر اپنا رخ بدلا تھا۔ اس کی نظر اب اس کی پشت پر موجود تکیے پر پھیلے سیاہ سلکی بالوں کی طرف تھی جب وہ پھر رخ بدلتی سیدھی لیٹتی چھت کو بینا پلکیں جھپکیں دیکھنے لگی تھی۔

دوسری طرف وہ ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا کتنا وقت اس کو اس طرح چھت کو گھورتے ہوا وہ نہیں جانتا تھا لیکن اس سب میں وہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اچھی طرح واقف ہو رہا تھا اور اسے اس میں کوئی مشقت نہیں ہو رہی تھی حالانکہ پہلے کبھی وہ اس طرح اسے پڑھ نہیں سکا تھا لیکن اب ایسا ہو رہا تھا شاید وہ پہلے ہی یہ سب جان جاتا لیکن نفرت کا پردہ اس کی آنکھوں پے پا تھا جس کی وجہ سے کبھی اسے اس طرح دکھا ہی نہیں تھا۔

اپنی طرف کسی کی نظریں محسوس کر زینب نے چہرہ موڑا اپنے دائیں جانب دیکھا تھا اسے اندھیرے کی وجہ سے صرف چمکتی ہوئی دو آنکھیں نظر آئیں تھیں جو اسے ڈرانے کے لئے کافی تھیں۔

اس نے اپنے پہلو سے دوپٹہ اٹھایا اور سر پر لیا ساتھ ہی جلدی سے سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ اون کیا اور سوئچ بورڈ کی طرف بڑھتے اس نے کمرے کی لائٹ بھی اون کر دی۔

کمرہ روشنی میں نہا چکا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک شناسا چہرہ اپنے سامنے پایا وہ اب تک صوفے پر بیٹھا اس کا ایک ایک عمل ملاحظہ فرما رہا تھا۔

زینب ایک دم بھونچا کے رہ گئی اسے اس وقت یہاں دیکھ اسے شاک لگا تھا وہ یہاں کیا کر رہا تھا اور اس وقت اس کی آمد کی وجہ اسے سمجھ نہیں آئی۔

زینب کو لگا کہ یہ سب اس کا وہم ہے اور اس کے ذہن میں چل رہا ہے لیکن اس کے ذہن میں بھی یہ شخص کیوں ہے کیوں کہ وہ اسے تو بلکل نہیں سوچتی تو وہ اس کی سوچوں میں کیوں آئے گا۔ اسے لگا وہ اب پاگل ہونے لگی ہے لیکن یہ جانا بھی ضروری تھا کہ حقیقت ہے بھی یا نہیں ورنہ اس طرح وہ اپنا بڑا نقصان کروا سکتی تھی۔

تم۔۔۔۔تم یہاں کیسے آئے؟" اس نے اپنا وہم دور کرنے کے لئے پوچھا تھا۔"

سامنے بیٹھے وجود میں حرکت ہوئی تو جیسے اس کا دماغ یک دم ہی جاگا تھا۔

تم اندر کیسے آئے؟" وہ دبے دبے غصّے میں بولی۔"

تم سے بات کرنے آیا ہوں" اس نے پر سکوں لہجے میں جواب دیتے آج پہلی بار بہت ہی سکوں سے" زینب پر اسی کی چل الٹ دی تھی۔

(وہ بیحد سکوں سے اس کا سکوں برباد کر رہا تھا)

لیکن مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی تم جاؤ یہاں سے" وہ قطعیت سے کہتی اس کے جانے کی منتظر تھی۔"

"تم سے بات کرنے آیا ہوں اور بات کئے بغیر جانے کا اردہ نہیں رکھتا"

رات کے اس پہر کسی کے گھر میں گھس کر زبردستی بات کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟" وہ غصّے سے" پھٹتی اس سے پوچھ رہی تھی۔

یہ حیدر عبّاس کا طریقہ ہے" بہت بارعب آواز میں اس نے کہا تھا۔"

تم جا رہے ہو یا میں سیکورٹی کو بلاؤں" اس نے پوچھا کم دھمکی زیادہ دی۔"

وہ کافی دیر اس کا جواب سننے کے لئے کھڑی رہی اور وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

زینب کو جب یقین ہو گیا وہ بینا دّھکے کھائے نہیں جائے گا تو سیکورٹی کو بلانے کے لئے موڑی لیکن حیدر کے جملے نے جیسے اسے فریز کیا تھا۔

وہ اب اس کے سامنے ہوتی عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی آیا یہ جملہ اس نے ہی کہا تھا یا اسے سنے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔

"میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں"

زینب کے ذہن میں الف سے ے تک اس کے ساتھ ہوئی ہر ملاقات کسی فلم کی طرح رواں ہوئی تھی وہ یہ کیوں کہہ رہا تھا اسے جواب مل گیا تھا۔

بدلہ لینے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟" وہ ایک بار پھر غصّے سے پوچھ رہی تھی۔"

(بدلہ لینے ہی آیا تھا کیا پتا تھا کمبخت دل ہی بدل جائے گا) اس نے سوچا تھا اور مسکراہٹ کو چھپایا بھی تھا۔

ہاں آج اس نے دل سے سچ کہا وہ جانتا تھا وہ غلط تھا اس نے سب غلط کیا زینب کے ساتھ لیکن یہ ایک مرد کی انا تھی وہ سب بھول جاتا وہ تھپڑ نہیں بھولا تھا اور اسی لئے اس سے فاصلہ قائم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا

کیوں کہ اسے پتا تھا نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا ہاتھ اٹھ جاتا اور کم از کم وہ اتنا بے غیرت نہیں بننا چاہتا تھا کہ ایک عورت پر ہاتھ اٹھاتا پر یہاں تو بساط ہی پلٹ گئی تھی اِس نے ہاتھ چہرے پر لگایا تھا اور چُر اوہ دل کو گئی تھی۔

یہ بدلہ لینے کا اگر کوئی نیا طریقہ ہے تو انتہائی بیہودہ طریقہ ہے۔۔۔ تم بات کرنے آئے تھے میں نے" تمہاری بات کا جواب دے دیا اب جاؤ یہاں سے "زینب چاہ کر بھی سیکورٹی کو نہیں بلا سکتی تھی پہلے ہی اس کے کچھ نا کرنے پر اس کے کردار پر بہت سے ستارے لگے تھے وہ اب ان پر کوئی میڈل نہیں لگوانا چاہتی تھی اور حیدر اسی کا فائدہ اٹھا رہا تھا۔

وہ صوفے سے کھڑا ہوا تھا اپنا زخمی ہاتھ اس نے اپنی جیب میں رکھا اور اس کے روبرو کھڑے ہوتے وہ انتہائی مضبوط لہجے میں بولا تھا۔

"میں تم سے پوچھ نہیں رہا تمہیں بتا رہا ہوں"

تمہیں لگتا ہے میں۔۔۔ زینب والیو اللہ تم جیسے گھٹیا شخص کے نکاح میں آئے گی" وہ لفظوں پر زور دیتی" حقارت سے پوچھ رہی تھی۔

ہاں تم۔۔۔ تم زینب والیو اللہ۔۔۔ مجھ جیسے شخص۔۔۔ حیدر عبّاس کے نکاح میں ہی آئے گی" وہ" وثوق سے کہتے ایک لمحے کے بھی کم عرصے میں زینب کو ڈرا گیا تھا۔

تم خواب دیکھ رہے ہو" زینب نے سنبھلتے ہوئے آرام سے کہا تھا جیسے اس کا مذاق اڑا رہی ہو۔"

حالانکہ نیند سے تو تم بیدار ہوئی ہو" حیدر نے الٹا اسے چڑایا۔"

میں ایسا کچھ نہیں کروں گی" وہ حتمی انداز میں بولی۔"

تم نہیں کرو گی تو رانیہ کرے گی" حیدر نے بلیک میلینگ کا حربہ آزمایا۔"

وہ نکاح شدہ ہے" زینب نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔"

طلاقیں بھی اسی دنیا میں ہوتی ہیں" حیدر کا یہ جملہ سن وہ کتنی ہی دیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی" رہی تو کیا وہ اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ اپنے انتقام کے خاطر چار زندگیاں بار برد کرتا اور تو اور نکاح جیسے پاکیزہ بندھن توڑوا دیتا وہ بھی اس بندھن کا جس میں محبت کا پودا پھل پھول رہا تھا۔

تم جانتے ہو احمر۔۔۔۔" زینب نے اسے احمر کی محبّت یاد دلانی چاہی۔"

میں جانتا ہوں" وہ بات مکمل ہونے سے پہلے جانتا تھا وہ کیا کہنے والی ہے اس کی بات کٹتے ہوئے بولا۔"

پھر بھی" زینب کو تعجب ہوا۔"

ہاں پھر بھی" وہ اپنی جگہ مصر تھا۔"

احمر بھائی ایسا کچھ نہیں کریں گے جیسا تم سوچ رہے ہو" وہ یقین سے بولی۔"

زینب جو تم رانیہ کے لئے کر سکتی ہو وہ احمر بھی میرے لئے کر سکتا ہے اور یاد رکھو وہ میرا دوست پہلے ہے "

بعد میں رانیہ کا شوہر" وہ اسے تصویر کا دوسرا رخ دیکھا رہا تھا۔

تم ان سے دوستی کی قیمت مانگو گے ؟" وہ اس شخص کی بے غیرتی پر جتنا حیران ہوتی کم تھا۔"

"دوستی کی قیمت جب بھی مانگی جائے دینی تو پڑتی ہے"

ہاں وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا آج اس سے بھی رانیہ کی دوستی کی قیمت مانگی جا رہی تھی اور اسے دینی تھی وہ کم ظرف نہیں تھی رانیہ جیسی دوست کے لئے تو کچھ بھی حاضر تھا اس کے آگے تو یہ قیمت کچھ بھی نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ شخص کو اپنی زندگی کا حصّہ نہیں بنا سکتی تھی۔

دو فریقوں کی جنگ میں کسی تیسرے کو شامل کرنا بزدلی ہے" زینب نے اسے بزدل کہا تھا شاید وہ ارادہ" بدل دے۔

محبّت اور جنگ میں سب جائز ہے" حیدر اس کی اس کوشش پر دل ہی دل میں مسکرایا تھا کیوں کہ اب وہ" پہلے والا حیدر نہیں تھا جو زینب کے لفظوں پر غصّہ ہو جاتا۔

تمہاری دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے تم ایک ناجائز لڑکی کو اپنا نام دو گے ؟" وہ خود کو ڈی گریڈ کرتی اس" سے کہہ رہی تھی شاید وہ پیچھے ہٹ جاتا۔

میں کل بارات لے کے آؤں گا تمہاری۔۔۔۔۔فرار کی کوشش صرف تمہارا نقصان کرے گی" حیدر" اس کی بات کو نظر انداز کرتا اسے بہت اہم خبر دے رہا تھا۔

میں نے کبھی نہیں سوچا تھا بدلہ لینے کے لئے تم اتنے اندھے ہو جاؤ گے کہ اپنے معیار سے گر جاؤ گے""

اس نے اسے جاتے دیکھ پھر سے کوشش کی۔

حیدر عبّاس سے کسی بھی چیز کی توقع کی جاسکتی ہے" وہ جاتے جاتے روکا تھا۔اس نے گردن پیچھے کئے کہا" تھا اور وہ چلا گیا تھا۔

زینب کو ایک نئ مصیبت میں ڈالے۔اس کی ساری سوچوں کا بھاؤ اپنی طرف کرتا اسے ہر منفی سوچ سے رہائی دے گیا تھا۔اب اگر کچھ زینب سوچ رہی تھی تو وہ اس صورتحال سے نکلنا تھا۔

صبح کا سورج طلوع ہوتا ہر اندھیرا مٹا گیا تھا۔۔۔۔اب روشنی ہی روشنی تھی ہر طرف جو آج بہت سی زندگیوں کو ایک طرف جہاں روشن کرنے والی تھی وہیں غروبِ آفتاب ایک بار پھر ان کی زندگیوں میں اندھیرا کرنے کے لئے پہلے سے تیار تھا پر یہ اندھیرا اب کب ان زندگیوں میں شامل ہوتا ہے کوئی نہیں جانتا۔

اِس طرف

حیدر زینب کی نیندیں اڑا آیا تھا اور اپنے اس عمل سے خوش بھی بہت تھا اور اسی خوشی میں وہ رات بھر سو نا سکا۔

اسے بے صبری سے آج کے دن کا انتظار تھا۔ اس نے بستر پر لیٹے اپنے موبائل میں ٹائم دیکھا تھا صبح کے سات بج رہے تھے۔ موبائل بیڈ پر ہی چھوڑ وہ بستر سے اٹھا تھا اور باتھروم کی راہ لی تھی۔

اپنا جوگنگ سوٹ پہنے وہ باہر آیا تھا اور قریب ہی بنے ایک پارک میں اچھی خاصی دیر جوگنگ کرتے وہ اپنے گھر واپس آیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر ٹائم دیکھا تھا جہاں ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔

وہ دوبارہ باتھروم میں گھسا تھا اور اس بار وہ آفس کے فارمل ڈریس میں ملبوز تھا۔ اس نے ڈریسنگ کے آگے کھڑے ہو اپنے کوٹ کو ٹھیک کیا تھا اور اپنے اوپر پرفیوم اچھے سے چھڑ کا تھا۔

اُس طرف

زینب کو نیند تو پہلے بھی نہیں آتی تھی پر اب تو جیسے وہ پاگل ہونے کو تھی۔۔۔ اسے یہ سب ایک خواب سا لگ رہا تھا لیکن وہ جانتی تھی وہ خواب نہیں تھا اور خود کو وہ یہ یقین دلانا بھی نہیں چاہتی تھی کیوں کہ اس کے نتائج اسے نہیں رانیہ کو اٹھانے پڑتے۔۔۔

بہت سوچنے کے بعد اسے صرف ایک راستہ نظر آ رہا تھا۔ زینب کے ساتھ جو بھی ہوا یہ سچ تھا کہ وہ ٹوٹ گئی تھی لیکن ہمت ابھی بھی کچھ باقی تھی وہ اسی ہمت کو مجتمع کرتی اب اپنے دفع کی آخری کوشش کرنے جا رہی تھی۔

ساڑھے آٹھ ہو رہے تھے یقیناً رانیہ سو رہی ہوتی اس وقت لیکن اسے اس سے بات کرنی تھی وہ اب اور انتظار نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے کال ملائی تھی۔

رانیہ کا موبائل کب سے گلہ پھاڑ رہا تھا لیکن رانیہ تھی کہ اٹھنے کا نام نہیں لے رہی رہی۔ جب موبائل نے اپنا گلہ پھاڑنا بند نا کیا تو مجبوراً رانیہ نے جھلائے ہوئے انداز میں کال اٹھائی۔

کیا ہے؟" وہ چیختی ہوئی پوچھ رہی تھی۔"

میں رانی زینب بات کر رہی ہوں کیا تم آج آسکتی ہو میری طرف؟" زینب نے فوراً مدعے کی بات کی۔"

کیوں خیریت؟" رانیہ اب پوری طرح بیدار ہو گئی تھی بستر پر سیدھی بیٹھتی اس سے پوچھ رہی تھی۔"

بس ایسے ہی" زینب اسے کچھ بھی بتانا نہیں چاہتی تھی۔"

اچھا ٹھیک ہے میں آجاؤں گی" رانیہ نے حامی بھری تھی کیوں کہ بہت دنوں بعد زینب اس طرح نارمل" بی ہیو کر رہی تھی۔

اِس طرف

حیدر نے ناشتے سے فارغ ہو اب آفس کا رخ کیا تھا لیکن وہ اپنے آفس جانے کے بجائے احمر کی طرف آ گیا تھا۔

احمر اس کو دیکھ حیران ہوا تھا کیوں کہ موصوف پچھلے کئی دنوں سے غائب تھے اور آج احمر کے آفس آ گئے تھے۔

کیسے آنا ہوا؟" سلام دعا کے بعد احمر نے دماغ میں اٹھتا سوال حیدر سے کر ہی لیا۔"

کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔۔۔ واصف صاحب کی کنٹریکٹ کے بارے میں تم سے کچھ ڈسکسس کرنا تھا" حیدر نے اپنے پرانے انداز میں کہا۔

مجھ سے ڈسکسس کرنے؟" احمر اپنی طرف انگلی کرتا حیرت سے پوچھ رہا تھا۔"

ہاں" حیدر یک لفظی جواب دیتے کرسی گھسیٹتا بیٹھ گیا تھا۔"

احمر نا سمجھی سے کندھے اچکاتا اس کے برابر میں بیٹھا اب اس کی سن رہا تھا جو خود ہی سارا ڈسکاشن کر رہا تھا اور احمر بیٹھا اہمکون کی طرح سب سن رہا تھا۔

اُس طرف

رانیہ زینب کے گھر آگئی تھی اور زینب نے اسے کچھ بھی نہیں بتایا تھا اسے لگ رہا تھا رانیہ کو بتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اس سے معملات اور بیگڑ سکتے تھے۔

رانیہ کو آج زینب میں عجیب تبدیلی نظر آئی تھی وہ اداس نہیں تھی آج وہ الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

کچھ ہوا ہے کیا زینی تم پریشان لگ رہی ہو؟"رانیہ کی فکری طبیعت جاگ اٹھی تھی۔"

نہیں تو!!!سب ٹھیک ہے"زینب نے جلدی سے ایک مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجائی تھی۔"

رانیہ کچن میں میرا موبائل رہ گیا ہے لے تو آؤ"زینب نے اپنے وڈروب میں ہاتھ چلاتے رانیہ سے کہا" تھا۔

ابھی لائی"رانیہ خوشی خوشی کمرے سے چلی گئی اسے زینب بدلی بدلی اچھی لگ رہی تھی۔"

زینب نے بیڈ پر رکھا رانیہ کا موبائل اٹھایا تھا اور اس میں کوئی پاسورڈ نہیں لگا تھا زینب نے جلدی سے اس کے موبائل میں احمر کا نمبر ڈھونڈھنا چاہا لیکن احمر کے نام سے کوئی نمبر سیو نہیں تھا۔اس نے پھر ہسبینڈ کے نام سے سرچ کیا لیکن احمر کا نام اس نام سے بھی سیو نہیں تھا زینب نے رانیہ کے موبائل کی ڈائلنگ کھولی تھی جہاں پر پہلا نمبر "لوٗبی" کے نام سے سیو تھا یقیناً رانیہ نے یہ لفظ لوٗ اور جبی کو جوڑ کے بنایا تھا۔

زینب کو اس ایک نام سے ہی رانیہ کے جذبات و احساسات کا اندازہ ہو گیا تھا اور وہ کوئی بھی الٹی بات کر کہ اس کے دل میں بدگمانی نہیں ڈالنا چاہتی تھی اسی لئے اس نے ڈائریکٹ احمر سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس نے نمبر کو اپنے ذہن نشین کر واپس موبائل کو اس کی جگہ پر رکھا تھا اور کمرے سے باہر نکل وہ رانیہ کے پاس چلی گئی تھی۔

اُس طرف

یار ذرا کافی تو منگا" حیدر نے ساری روداد سنانے کے بعد فائل بند کی تھی اور اب وہ احمر سے کافی آرڈر" کرنے کی فرماہش کر رہا تھا۔

احمر کو بہت غصّہ آیا وہ اپنی کہے جا رہا تھا اور پھر یہ حیدر کے اس طرح خوب مہارت سے ڈسکاشن کرنے کا اثر تھا کہ احمر نا چاہتے ہوئے بھی اس کی باتوں کو سننے لگا تھا اور پھر تو جیسے ایک سماء بندھ گیا تھا وہ اس سے خود کو نکال نا سکا اور اس وجہ سے اس کا کتنا ہی ٹائم برباد ہو گیا تھا۔

اس نے ریسیور اٹھاتے دو کافی کے کپ آرڈر کئے تھے۔

رخصتی کب ہو رہی ہے تمہاری آخر کو تمہاری دلہن لینے بھی جانا ہے ؟" احمر کے فون کریڈل پر رکھتے ہی" حیدر نے شوخ ہوتے پوچھا تھا جو اب آرام دہ حالت میں دونوں کونیاں کرسی کے ہنڈل پر جمائے بیٹھا تھا۔

رخصتی میری نہیں رانیہ کی ہونی ہے۔۔۔۔۔۔ویسے تمہیں میرا خیال کیسے آگیا؟" احمر کا انداز شکایتی تھا۔

بس آگیا اڑتا اڑاتا۔۔۔۔ خیر میں سوچ رہا تھا رانیہ کو یوں تنہا رسیو کرتا میں اچھا نہیں لگوں گا کیسا ہی" ہوتا اگر میری بھی ایک عدد بیوی ہوتی" احمر جتنا حیران ہوتا کم تھا کیوں کہ جناب حیدر صاحب کے تو انداز ہی بدل گئے تھے۔

تو کر لو تم شادی لے آؤ بیوی" احمر نے اپنی حیرانی چھپاتے موقعے سے فائدہ اٹھایا تھا۔۔۔جو حیدر شادی" سے بھاگتا تھا آج شادی کرنے کی بات کر رہا تھا فائدہ اٹھانا تو بنتا تھا نجانے کب حیدر کا ارادہ بدل جاتا۔

سمجھو تمہاری ارضی منظور ہو گئی۔۔۔۔۔۔ اپنا موبائل دینا؟" حیدر نے مہارت سے بات بدلی تھی۔"

کیوں؟" احمر نے بے ساختہ پوچھا۔"

میرا موبائل ٹوٹ گیا تھا کل اور نجانے کہاں چلا گیا مجھے ایک کیلاینٹ کو نمبر دینا تھا تو میں نے تمہارا دے" دیا وہ شاید آج کال کریں" حیدر نے ساری بات اسے بتائی تھی۔

احمر نے کچھ بھی اور کہے بغیر اسے اپنا فون تھما دیا تھا۔وہ اس کے فون توڑنے کی عادت سے اچھے سے واقف تھا جانتا تھا فون ٹوٹا نہیں توڑا گیا ہو گا۔

اُس طرف

رانیہ چلی گئی تھی اور یہی وقت تھا زینب کے پاس اس نے کوئی بھی لمحہ اور ضائع کئے بغیر احمر کا نمبر ملایا تھا۔

اُس طرف

حیدر کے ہاتھ میں تھما موبائل بجا تھا احمر کی نظریں اسی جانب اٹھی تھیں اور پھر دروازے پر ہلکی سے دستک دے ایک لڑکی اندر آئی تھی۔

احمر کی ساری توجہ اب اس لڑکی کی طرف تھی۔

سر آپ سے کچھ بات کرنی ہے ارجنٹ دومنٹ" وہ عجلت میں بولتی کمرے سے غائب ہو گئی تھی۔"

احمر حیدر سے ایکسکیوز کرتا باہر چلا گیا۔

اُس طرف

کال کچھ ہی بیلوں کے بعد کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

السلام علیکم احمر بھائی میں زینب بات کر رہی ہوں" زینب نے سلام کرتے اپنا تعارف کرایا تھا۔"

وعلیکم سلام۔۔۔۔جی کہئے زینب کیسے کال کی سب ٹھیک ہے" حیدر نے رومال اسپیکر پر رکھ سلام کا" جواب دیا تھا ساتھ وہ بھرپور اداکاری کر اس کی خیریت پوچھ رہا تھا۔

زینب نے حیدر کی آواز نا تو کبھی فون پر سنی تھی نا ہی احمر کی اسے رتی برابر شک نہیں ہوا تھا کہ دوسری طرف لائن پر اس کا دشمن حیدر موجود تھا۔

مجھے آپ سے صرف ایک سوال پوچھنا ہے "زینب نے اپنے کال کرنے کی وجہ بیان کی تھی۔"

جی پوچھیں "حیدر نے اسے اجازت دی تھی۔"

کیا آپ انتقام کے اس کھیل میں حیدر کے ساتھ ہیں۔۔۔ کیا آپ صرف اس لئے رانیہ کو طلاق دے دیں گے تاکہ آپ کا دوست اپنا بدلہ لے سکے مجھ سے "زینب نے جذبات میں آ ایک کی جگہ دو سوال کر ڈالے تھے اور اب وہ جواب کی منتظر تھی۔

لیکن دوسری طرف بلکل خاموشی تھی زینب کو لگا شاید لائن کٹ گئی ہے لیکن کافی دے کے جانے والے کی "آپ کی کافی صاحب" کی آواز زینب کے کان کے پردوں پر پڑ چکی تھی۔

اسے ایک دھچکا لگا تھا وہ اس خاموشی کا مطلب جانتی تھی۔

مجھے میرا جواب مل گیا مسٹر احمر وقار "زینب نے بیگانیت سے کہتے کال کو بے جان کیا تھا۔"

حیدر نے موبائل کی سکرین کو دیکھا تھا جہاں اب کال بے جان ہو گئی تھی۔ اس کو بہت برا لگا تھا اپنے لئے نہیں مسٹر احمر وقار کے لئے۔۔۔۔ وہ یہ سوچتے ہی دلکشی سے مسکرایا تھا۔

زینب نے غصّے اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ احمر کی کال منطقہ کی تھی لیکن کچھ ہی دیر میں وہ افسوردہ ہو گئی تھی۔ اس نے تو احمر کو ایسا نا سوچا تھا وہ تو سمجھدار لگتا تھا لیکن دن ڈھلتے اس کی سوچ احمر کے متعلق بدل گئی تھی۔

یہ پہلی دفع تھا زینب کے جیسے تمام راستے ہی بند ہو گئے تھے تو اسے اب وہ کرنا ہو گا جو وہ شخص چاہتا ہے لیکن بدلہ لینے کا یہ عجیب طریقہ ہے۔۔۔ کسی سے شادی کر کے بدلہ کیسے لیا جا سکتا ہے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔۔۔ اور اب وہ کیا کرے۔۔۔ کیا چپ چاپ ہونے دے یہ سب۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ تمہارے پاس کوئی راستہ بچا ہی کہاں ہے۔۔۔۔ آواز کہیں اندر سے آئی تھی اور سچ ہی تو تھا اب اس کے پاس کوئی آپشن نہیں بچا تھا۔۔۔ کیا میرے ساتھ کبھی کچھ اچھا ہو سکتا ہے یا ساری عمر میں نے یہی سب دیکھنا ہے۔۔۔ وہ بد دل نہیں ہونا چاہتی تھی پر ہو رہی تھی۔۔۔ اور اگر یہی سب ہونا ہے تو ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔۔۔ میں مذمت کر کر کے تھک گئی ہوں اب یہ زندگی جہاں لے جائے گی میں وہیں چلی جاؤں گی۔۔۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی جب اس کے کمرے کے دروازے پر ہلکی سے دستک دے وہ آیا تھا سفید کرتا شلوار۔۔۔ نفاست سے سیٹ بال۔۔۔۔ پشاوری چپل۔۔۔ ہاتھ میں چمکتی گھڑی۔۔۔۔ شیو جو کل تک بڑھی تھی آج تراش رخراش کے بعد ہلکی ہو چکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کئی شوپنگ بیگس تھے۔ اس نے اندر آ کر انہیں بیڈ کے کنارے پر رکھا تھا۔

تیار ہو جاؤ تھوڑی دیر میں نکاح ہے ہمارا" وہ بے حد سنجیدہ لگ رہا تھا۔"

زینب کو اسے اپنے کمرے کے باہر دیکھ کوئی حیرت نہیں ہوئی کیوں کہ جو شخص کھڑکی کود کے آسکتا ہے وہ یقیناً اگلی دفع ایسا نا ہو اسی لئے سارے انتظام کے ساتھ آیا تھا۔

وہ کہہ کے چلا گیا تھا اور زینب اپنے فیصلے کے مطابق بوجھل دل سے کسی روبوٹ کی طرح اس کے کہے پر عمل کرنے باتھروم کا رخ کیا تھا۔ اسے کبھی اپنا آپ اتنا بے اختیار نہیں لگا تھا کے اس پر کوئی بھی اپنے حکم چلا سکے لیکن اب ایک تھا جو ایسا کر رہا تھا۔

اگلی بار جب وہ اس کے کمرے میں آیا تو قدم دروازے پر ہی رک گئے۔۔۔۔ وہ سفید جوڑے میں ملبوز تھی جس کے گلے دامن اور استینوں میں سفید موتیوں کا کام ہوا تھا۔۔۔۔ سر پر لال بھاری کام کا دوپٹہ موجود تھا جو سرک کر پیچھے کو گر رہا تھا۔۔۔۔ چہرے میک اپ سے پاک تھا بمعہ لپسٹک۔ آنکھوں کے گرد سیاہ ہلکے واضح تھے اور رات کے مقابلے دن میں دیکھنے میں زیادہ گھرے لگ رہے تھے۔۔۔۔ لیکن وہ ایسے بھی دنیا کی سب سے حسین لڑکی لگ رہی تھی حیدر کو کیوں کہ محبّت حسن سے کب تھی وہ تو اس کے دل سے تھی۔

وہ سر جھکائے کسی سوچ میں گم تھی اور شامت انگلیوں کی آئی تھی جنہیں خرش خرش کے جگہ جگہ سے خال ہٹا دی گئی تھی۔

حیدر اس کے پاس جا کھڑا ہوا لیکن وہ اب بھی اپنے کام میں مصروف تھی۔ اس نے زینب کا سرکتا دوپٹہ سر سے اٹھایا تھا اور اسے گھونگھٹ کی شکل دے دی تھی۔

زینب کو ہوش تب آیا جب اسے لگا روشنی کم ہو گئی ہے اور یک دم ہی اس کے سر پر کوئی وزنی شئے رکھ دی گئی ہے۔

ابھی وہ اپنے ساتھ ہونے والے اس عمل کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی جب وہ قدرے دور کھڑے ہوتا بولا تھا۔

"چلو باہر"

زینب اس کے کہنے پر اٹھتی اب اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ لاونج میں آکر حیدر نے اسے ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا اور وہ ڈھ سی گئی تھی۔ اس کے بیٹھنے کے بعد وہ اس سے فاصلہ رکھ اسی صوفے پر بیٹھا تھا۔

اپنے اوپر اتنا بھاری دوپٹے ہونے کے باعث زینب کچھ دیکھ نہیں پا رہی تھی اور نا ہی اسے کوئی جوستجو تھی۔ وہ ہارے ہوئے کھلاڑی کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی۔

شروع کریں" حیدر نے قاضی کو اجازت دی تھی۔"

السلام علیکم مس زینب" ایک بریک مگر مردانہ آواز اس سے مخاطب تھی۔"

وعلیکم السلام "اس نے حلق کو تر کر جواب دیا تھا۔"

زینب مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ کا کوئی والی موجود نہیں ہے تو بطور والی میں آپ سے یہ سوال پوچھنا چاہتا" ہوں کہ کیا یہ نکاح آپ کی رضامندی سے ہو رہا ہے "انہوں نے ایک نیا سوال اس سے کیا تھا۔

جی "ایک کمی تھی جو آج اسے بہت بری طرح محسوس ہوئی تھی۔"

کیا آپ کو اس نکاح سے کوئی اعتراض نہیں "جانے وہ کیوں ایک ہی سوال دہرا رہے تھے زینب کو سمجھ" نہیں آیا۔

نہیں "وہ مٹھیوں کو زور سے بند کر اپنے اندر بولنے کی ہمت پیدا کر رہی تھی۔"

حیدر اس سارے عمل میں چپ ہی رہا تھا اسے پتا تھا جب تک ناصر صاحب اپنی تسلی نا کر لیں وہ نکاح پڑھنے والے نہیں تھے اور انہیں شک جب ہوا جب انہوں نے تنہا لڑکی کو گھر میں پایا وہ سمجھ رہے تھے حیدر اس لڑکی سے نکاح زبردستی کر رہا تھا اور وہ غلط بھی نہیں سمجھ رہے تھے۔

شروع کریں "حیدر نے مؤدب انداز میں ان سے کہا تھا۔"

زینب والیو اللہ آپ کا نکاح حیدر عبّاس والد عباس عالَم ایک ساتھ ایک کروڑ حق مہر سکہ راجلوقت طے" پایا ہے کیا اپ کل قبول ہے"

زینب والیو اللہ اور حیدر عبّاس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے

ماضی میں اس نے کہا تھا اور آج وہ زندگی کے سب سے بڑے مقابلے میں سے ہارا گیا تھا۔

قبول ہے" آج اس سے سب چھین لیا گیا۔"

زینب والیو اللہ آپ کا نکاح حیدر عبّاس والد عباس عالَم ایک ساتھ ایک کڑوڑ حق مہر سکہ راجلوقت طے"

"پایا ہے کیا اپ کل قبول ہے

اپنی دولت کا زعم کم از کم تم مجھے مت دکھانا اور جہاں تک رہی تمہارے ساتھ کی بات تو تم دنیا کے"

"آخری مرد ہی کیوں نا ہوئے زینب والیو اللہ تم پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گی

اپنی کہی بات اسے آج بہت چھوٹا کر گئی تھی۔

قبول ہے" آج وہ پوری طرح ختم ہو گئی تھی۔"

زینب والیو اللہ آپ کا نکاح حیدر عبّاس والد عباس عالَم ایک ساتھ ایک کڑوڑ حق مہر سکہ راجلوقت طے"

"پایا ہے کیا اپ کل قبول ہے

قبول ہے" یہ کہتے ایک کردار ختم ہوا تھا۔۔۔۔۔ آج زینب والیو اللہ ختم ہوئی تھی۔۔۔۔۔اور اپنی ہی"

قبر پر مٹی ڈالنے والی وہ خود تھی۔

قاضی نے نکاح کے پیپر اس کے آگے رکھے تھے اور وہ ان پر دستخط کرتی چلی گئی تھی۔

قاضی اب حیدر سے پوچھ رہے تھے۔

حیدر عبّاس والد عبّاس عالَم آپ کا نکاح زینب والیو اللہ کے ساتھ ایک کڑوڑ حق مہر سکہ راجلوقت طے

"پایاہے کیا آپ کو قبول ہے

میں غیر خاندانی لوگوں کے ساتھ کام کرنا پسند نہیں کرتا

اور آج وہ اس غیر خاندانی سے نکاح کر اپنا ایمان مکمل کر رہا تھا۔

قبول ہے" وہ مطمئن تھا۔"

حیدر عبّاس والد عبّاس عالَم آپ کا نکاح زینب والیو اللہ کے ساتھ ایک کڑوڑ حق مہر سکہ راجلوقت طے

"پایاہے کیا آپ کو قبول ہے

یہ کیا بکواس لکھی ہے تم نے اس میں۔۔۔ تمہاری ہمّت بھی کیسے ہوئی اتنی تھرڈ کلاس حرکت کرنے کی۔۔۔ اوہ میں بھی کس سے کہہ رہاہوں تم سے۔۔۔ تم سے تو اسی سب کی توقع کی جاسکتی ہے آخر تم جیسی لڑکیوں کا کام ہی یہ ہے اچھے امیر گھر کے لڑکوں کو اپنے جال میں پھنسنا انہیں اس طرح کے الفاظ کہہ کے اور لکھ کر رجھانا اور ان کے ساتھ شہزادیوں جیسی زندگی گزارنے کا تصور کرنا۔۔۔ لیکن مس زینب میں کوئی بھی لڑکا نہیں ہوں میں حیدر عبّاس ہوں جو تمہاری کسی بھی چال میں نہیں آئے گا اور میرے ساتھ کا تصور بھی اپنے ذہن سے نکل دو تم دنیا کی آخری لڑکی ہوئیں تب بھی میرے لئے حرام ہی

ہو گی۔۔۔۔ میں جانتا ہوں یہ سب کس لئے کیا ہے تم نے۔۔۔۔۔۔۔ تم جیسی لڑکیاں کس لیے کرتیں ہیں یہ سب صرف دولت کے لئے۔۔۔۔ صرف اس کے لیے

وہ اسے تھرڈ کلاس کہنے والا آج اس سے زبردستی نکاح کر رہا تھا۔

وہ اس کو خود پر حرام کرنے والا آج دنیا کی ہر لڑکی کو خود پر حرام کر اس کو حلال کر رہا تھا۔

وہ اپنا تصور اس کے ذہن سے مٹانے کا کہنے والا آج صرف اسی کے تصور میں جی رہا تھا۔

"قبول ہے"

حیدر عبّاس والد عبّاس عالَم آپ کا نکاح زینب والیو اللہ کے ساتھ ایک کڑوڑ حق مہر سکہ راجلوقت طے "پایا ہے کیا آپ کو قبول ہے

قبول ہے" اس نے بہت عہد خود سے کر پیپرس پر دستخط کئے تھے۔"

اپنا بنایا ہے

قاضی اور گواہ نکاح ہوتے ہی کچھ ہی دیر میں چلے گئے تھے۔ ان کے جاتے ہی وہ وہاں سے میکانکی انداز میں اٹھتی اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ وہ اپنے سابقہ انداز میں بیڈ پر بیٹھی تھی لیکن اس بار اس کا دماغ سن ہو چکا تھا۔

حیدر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست کرے اب تک لاونج کے صوفے پے بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ جو کچھ وہ زینب کے ساتھ کر چکا تھا اس سے کل رات یہ واضح ہو گیا تھا کہ وہ اسے بلکل پسند نہیں کرتی اور اس صورت میں اسے اپنے جذبات سے آگاہ کرنا نری حماقت تھی کیوں کہ زینب اس کو جھوٹا سمجھتی اور اس کی بات کا یقین ہر گز نہیں کرتی۔

حیدر ایک نتیجے پر پہنچتے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

دروازے کے فریم میں حیدر کا چہرہ ابھرتا دیکھا تھا زینب نے۔ حیدر نے اس کی طرف چھوٹے چھوٹے قدم لینا شروع کئے تھے لیکن جیسے جیسے حیدر اس کی طرح بڑھ رہا تھا اچانک ہی زینب کے دماغ میں دھماکے ہونے شروع ہوئے تھے۔۔۔۔ اس نے یہ نکاح کیوں کیا تھا؟۔۔۔۔۔ بدلے کے لئے۔۔۔۔ کسی سے شادی کر کے کوئی بدلہ کیسے لے سکتا ہے؟۔۔۔ ایک چھت کے نیچے خاموشی

سے کسی کے علم میں لائے بغیر اس نے نکاح کیوں کیا تھا؟۔۔۔۔۔۔مجھ سے بدلہ لینے کے لئے۔۔۔۔۔۔وہ اپنی چند راتیں رنگین کر کے مجھے طلاق دے دے گا۔۔۔۔ہاں وہ یہی کرے گا۔۔۔۔۔اسے معاشرے میں ذلیل ورسوا کر دے گا جو وہ پہلے ہی کم نا تھی۔۔۔۔۔۔یہ سوچتے زینب کا رنگ زرد پڑا تھا اس کے ہونٹوں نے اپنی گلابی کھو دی تھی وہ سفید پڑے تھے۔۔۔۔وہ اس سے اس قدر بیہودہ بدلے کی امید نہیں رکھتی تھی۔

حیدر رو کا تھا۔۔۔۔اسے زینب کے چہرے پر اپنے لئے بے اعتباری اور خوف دیکھا تھا۔۔۔۔۔۔حیدر کو اس کی یقین سے عاری آنکھیں اپنے دل کے آر پار ہوتی محسوس ہو رہیں تھیں جو اسے بہت تکلیف دے رہیں تھیں۔

میں جا رہا ہوں دروازہ ٹھیک سے بند کر لو" حیدر کی پشت اس کی طرف تھی اور وہ تیزی سے وہاں سے" باہر نکل گیا تھا کیوں کہ زینب اس کا وہاں کھڑا ہونا مشکل بنا رہی تھی۔

عاشی" وہ اس کے بہت قریب سے بولا تھا۔"

عائشہ جو اس وقت ایک مارٹ میں موجود شاپنگ کر رہی تھی اس کی آواز پے اپنی جگہ اچھل کر رہ گئی۔

آپ؟" وہ اسے دیکھتے حیرت سے بولی تھی۔"

جی میں۔۔۔ تمھیں کیا لگا تھا اگر تم اسکول نہیں آؤ گی تو میں تم تک پہنچ نہیں سکوں گا؟" وہ شیلف سے "

پرفیوم دیکھتا بظاہر مصروف سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

عائشہ اسے جواب دئے بغیر کاؤنٹر پر چلی گئی تھی۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے تھا مارٹ میں کافی رش تھا اور وہ بل بنے تک اس کے پیچھے اسے کوور کرنے میں لگا

تھا۔

عائشہ اسے یک ٹک دیکھی گئی۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ کبھی کسی نے اس کی یوں حفاظت کی ہو۔

وہ آج اپنے اس عمل سے اس کے دل میں جگہ بنا گیا تھا۔ عائشہ نے جلد ہی اپنی نظریں پھیر لی تھیں۔

میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں گھر تک" وہ اسے رکشہ ڈھونڈتے دیکھ آفر کر رہا تھا۔"

تا کہ میرے گھر بھی پہنچ جائیں اگلی دفع" عائشہ نے دل میں سوچا تھا۔"

آپ کیوں میرا پیچھا کر رہے ہیں؟" وہ جب وہاں سے نہیں کھسکا تو بلاخر عائشہ کو بولنا ہی پڑا۔"

آپ نہیں جانتی؟" اس نے مسکراتے ہوئے الٹا اس سے سوال کیا۔"

عائشہ سٹپٹائی لیکن پھر خود کو کمپوز کرتی بولی۔

"نہیں"

تو جانا چاہتی ہو؟" وہ اس کی طرف تھوڑا سا جھکا تھا۔۔۔ لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔"

"آپ میرا پیچھا کرنا بند کر دیں ورنہ۔۔۔۔"

ورنہ تم پولیس کو کال کرو گی یہی نا" وہ اس کی بات کو کاٹتا بولا۔"

ویسے تم سب کو یہی دھمکی دیتی ہو؟" عائشہ نے جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا جب وہ ایک بار پھر" بول پڑا۔

یہ دھمکی نہیں ہے" وہ آنکھیں بڑی کرتی اپنی بات کو یقینی بنا رہی تھی۔"

چلو!!!" علی اس کے ہاتھ سے بیگز جھپٹتے اپنی کار کی طرف لمبے لمبے ڈگ بڑھتا آگے جا رہا تھا۔"

وہ ناچار تیز تیز اس کے پیچھے چلے جا رہی تھی جب وہ رکا تو وہ غصّے سے حکم دیتی اس سے کہنے لگی۔

"میری چیزیں واپس کریں مجھے"

پہلے میری چیز واپس کرو" اس نے بیک سیٹ پر سامان رکھتے کہا۔"

میں نے کب لی آپ کی کوئی بھی چیز" وہ حیرت زدہ ہوئی۔"

کب لی یہ تو مجھے بھی نہیں پتا" وہ کندھے اچکا گیا۔"

میں آپ کا بہت لحاظ کر رہی ہوں آپ خامہ خاں میرا وقت برباد کر رہے ہیں مجھے اور بھی بہت سے کام" ہیں مجھے واپس کریں میرا سامان" اس کا انداز جھنجلایا ہوا تھا۔

گاڑی میں جا کے بیٹھو" اس نے آرام سے کہا۔"

وہ اس کی بات سنی ان سنی کرتی رخ موڑے سینے پر ہاتھ بندھے کھڑی ہو گئی تھی۔

تم بیٹھ رہی ہو یا مجھے اٹھانا پڑے گا" اس کا انداز دوستانہ تھا۔"

عائشہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوئی۔

علی نے دو قدم بڑھائے اور ذرا سا اس کی طرف جھکا۔۔۔ اگلے ہی پل وہ تیر کی سی تیزی سے گاڑی میں جا بیٹھی۔

وہ ہاتھوں میں بیگز تھامے چھپتی چھپاتی لاونج سے نکلنے ہی والی تھی جب اس کا ٹکراؤ اُس سے ہوا اور سارے کے سارے بیگز زمین پر ڈھیر ہو گئے۔

سوری" اس نے بینا سامنے والے کو دیکھے کہا تھا اور نیچے بیٹھے عجلت میں اپنا سامان سمیٹنے لگی۔"

وہ بیگز اٹھاتی کھڑی ہوئی تھی اور اپنے سامنے انس احسن کو دیکھ ہڑبڑائی تھی لیکن پھر خود پر کنٹرول کرتی وہ نظریں جھکائے اس کے سائیڈ سے نکلتی سیڑھیوں پر چڑھ رہی تھی لیکن دوسری ہی سیڑھی پر اس کا پیر لڑکھڑایا تھا اور بیگز اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے تھے۔

انس احسن اس کی مدد کو فوراً آگے بڑھے تھے لیکن نور نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھ جلدی سے بیگز اٹھائے اور اوپر کی طرف دوڑ لگا دی۔

انس احسن کی پر سوچ نظروں نے اس کا بہت دور تک پیچھا کیا تھا۔

کہاں رہ گئیں تھیں اتنی دیر سے انتظار کر رہی تھی میں "رانیہ نے نور کے کمرے میں آتے ہی سوال داغا

تھا۔

آ گئیں ہوں اسی پر شکر کا کلمہ پڑھو تم "نور خود کو نارمل کر چکی تھی اس پر احسان کرتی بولی۔ "

اچھا یہ سب چھوڑو تم نے دیکھا نیچے کیا ہو رہا تھا۔۔۔ کیا بات ہو رہی تھی۔۔۔ کیا ڈیٹ فکس ہوئی "

ہے "رانیہ نے سوال در سوال کئے بے چینی سے پوچھا۔

رانی بریک مارو میں نے کچھ نہیں سنا اور تم کیوں اتنی اتاوالی ہو رہی ہو رخصتی کی بڑی جلدی ہے تمہیں ""

نور بظاہر سنجیدگی سے بولی۔

نہیں تو میں تو بس ویسے ہی پوچھ رہی تھی "رانیہ نے لاپرواہی ظاہر کرتے کندھے اچکا دئے۔ "

جب ہی دروازہ کھول نیلم بیگم اندر آئیں تھیں۔

مبارک ہو اگلے مہینے کی پہلی تاریخ کو تمہاری رخصتی ہے "نیلم بیگم نے اس کے سر کا بوسہ لیتے بتایا تھا اور "

رانیہ اپنی شرمیلی مسکراہٹ چھپانے کی سعی کر رہی تھی۔

مبارک ہو آنٹی "نور پر جوش ہوتی بولی۔ "

خیر مبارک بیٹا۔۔۔رانیہ اب جلدی سے نیچے آجاؤ تمہاری ساس بلا رہی ہیں تمہیں" نیلم بیگم نے پہلا فقرہ نور سے کہا جب کے دوسرے میں وہ رانیہ سے کہتی کمرے سے ہی چلے گئیں تھیں۔

نیلم بیگم کو گئے دس پندھرہ منٹ سے اوپر ہو گے تھے اور رانیہ اب بھی وہیں کھڑی سر جھکائے مسکرا رہی تھی۔ نور اسے دیکھتی دل ہی دل میں اس کی ابدی خوشیوں کی دعا کر رہی تھی۔

کوئی بہت خوش ہے آج" نور شوخ ہوئی تھی۔"

ہاں ہے تو" رانیہ نے صاف گوئی سے کہا۔"

کون خوش ہے؟" احمر کا دروازے پے نوک کرتا ہاتھ ان کی گفتگو سن روکا تھا اور پھر وہ خود کو پوچھنے سے" روک نہیں سکا۔

ان دونوں نے بیک وقت اس کو دیکھا تھا جو دروازے پر ہی کھڑا ایسے پوچھ رہا تھا جیسے اسے علم ہی نا تھا۔

میں ذرا نیچے جا رہی ہوں رانی آنٹی کی کچھ ہیلپ ہی کرا دوں گی" نور اپنی ہنسی دباتی رانیہ کے کچھ کہنے سے" پہلے ہی کمرے سے نکل گئی تھی۔

کون خوش ہے؟" وہ اس کے عین سامنے کھڑا اپنا سوال دہرا رہا تھا۔"

آنٹی (احمر کی والدہ) انتظار کر رہیں ہیں نیچے میرا" وہ کہتے ہی راستہ بدلتے جانے لگی تھی جب احمر نے اس" کا ہاتھ پکڑ روک لیا۔

آپ خوش نہیں ہیں تو میں ڈیٹ کینسل کرا دیتا ہوں" وہ افسردگی سے کہہ رہا تھا۔"

نہیں میں نے ایسا تو نہیں کہا" وہ یک دم بولی تھی اور احمر ہنستا چلا گیا۔"

احمر کی چالاکی سمجھ وہ فوراً کمرے سے بھاگی تھی۔۔۔۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ لئے۔۔۔۔

آفس میں بیٹھا وہ تھکا تھکا سالگ رہا تھا۔ زینب کے چہرے پر موجود تحریریں اسے ہولا رہیں تھیں وہ کیا اسے اتنا گرا ہوا سمجھتی تھی کہ کچھ بھی سوچے جا رہی تھی۔

صحیح کر رہی ہے وہ تیرے ساتھ یہی ہونا چاہیے تم نے کون سا اس کی رہوں میں پھول بچھائے تھے کہ وہ" باخوشی تمھیں قبول کر لیتی اور یہ سب نا سوچتی" وہ خود کو سرزنش کر رہا تھا۔

کل وہ سارا وقت چپ تھی۔۔۔۔ اور میں نے تو ایسا نہیں سوچا تھا وہ اتنی آسانی سے یہ سب ہونے" "دے گی۔۔۔ وہ کب تک اسی طرح رہے گی۔۔۔ میں اب ایسے اسے نہیں دیکھ سکتا مجھے کچھ کرنا ہوگا

وہ ریولونگ چیئر کو گھوما تا سوچ رہا تھا کہ کیا کیا جائے اور جلد ہی اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی تھی۔ وہ ٹیبل سے کیس اٹھاتا اپنے کیبن سے باہر نکال گیا تھا۔

اس نے ڈرائیور کو چابی تھماتے شوپنگ مال چلنے کا حکم دیا تھا۔

شاپنگ مال سے بہت سے بیگز ہاتھ میں لئے وہ گاڑی میں آبیٹھا تھا اور اب اسے اس تک پہنچانا تھا۔

وہ اس وقت واشنگ مشین لگائے اپنے کپڑے دھو رہی تھی جب ڈور بیل نے اس کے کام میں خلل پیدا کیا۔

اس نے بیسن سے ہاتھ صاف کئے باتھروم سے باہر آ کے بیڈ پر رکھا اپنا دوپٹہ اڑا۔

اس نے دوروزہ کھولا تو دوسری طرف ایک اجنبی شخص کو پایا۔

"جی؟"

یہ آپ کے لئے میڈم "ڈرائیور نے شوپنگ بیگز اس کے آگے کئے۔"

آپ ہیں کون؟" وہ الجھی۔"

یہ حیدر صاحب نے آپ کو دینے کے لئے کہا ہے میں ان کا ڈرائیور ہوں" ڈرائیور مودب انداز میں" بولا۔

زینب نے اور کچھ بھی کہے اس کے ہاتھ سے شوپرس لئے تھے اور دروازہ بند کر دیا تھا۔

ان شوپرس کو صوفے پر رکھ اس کے قدم باتھروم کی طرف جارہے تھے جب ہی اس کا فون بجا تھا۔

کسی نامعلوم نمبر سے کال آرہی تھی۔ اس نے یس کرتے فون کان سے لگایا تھا۔

السلام علیکم" دوسری طرف سے سلامتی بھیجی گئی۔"

وعلیکم سلام۔۔۔۔کہیے"اس کا لہجہ مدھم تھا۔"

حیدر بات کر رہا ہوں ڈرائیور آیا تھا"وہ اس کی بلڈنگ کے نیچے ہی کھڑا تھا اسی نے ڈرائیور کو اوپر بھیجا تھا"

اور اب سب جانتے ہوئے بھی اس سے پوچھ رہا تھا وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا چاہے بات کچھ بھی ہوتی۔

جی"اس کا لہجہ اب بھی نہیں بدلہ تھا۔"

حیدر کو زینب کی طرف سے "جی" میں جواب ملا تھا وہ بھونچکا کے رہ گیا لیکن بولا کچھ نہیں۔

ان بیگز میں ایک گلابی رنگ کا سوٹ ہے پہن کے رکھنا میں شام تک آؤں گا"وہ اسے حکم دے رہا تھا"

اسی لئے کے وہ احتجاج کرے لیکن زینب نے "اللہ حافظ "کہتے کال بند کر دی تھی۔

حیدر کو اس کی خاموشی سے الجھن ہو رہی تھی وہ کیوں اس کی بتاؤں کا منہ توڑ جواب نہیں دے رہی تھی۔

وہ اس گلابی جوڑے کو استری کر رہی تھی جب اس کا فون ایک بار پھر بجا۔۔۔۔وہ نمبر پہچان گئی تھی پھر بھی کال اٹینڈ کر لی۔

شام میں بریانی بنا لے نا۔۔۔۔سامان تو ہے نا"وہ نیا حکم سنا رہا تھا۔"

ہے گا"اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔"

ٹھیک ہے تیار رکھنا میں شام کو آؤں گا"وہ اسے ایک بار پھر اپنے آنے کی اطلاع دے رہا تھا کہ شاید اب وہ کچھ کہے پر زینب کی خاموشی برقرار تھی۔

زینب زندگی سے بیزار ہو گئی تھی۔۔۔اور اب وہ وہ کر رہی تھی جو اسے کرنے کے لئے کہا جا رہا تھا۔۔۔ایک دوسری وجہ اس کے رویے کی یہ بھی تھی کہ اگر اب وہ حیدر کو کچھ کہتی تو وہ اسے ذلیل کرتا نیچا دیکھتا لیکن زینب نے چپ کا روزہ رکھ لیا تھا۔

وہ اس کا بتایا گیا جوڑا پہنے کچن میں کھڑی بریانی کے بعد صلاد تیار کر رہی تھی۔

حیدر کافی دیر سے ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے کچن کے دروازے سے لگا اسے دیکھ رہا تھا جو اس کے پسند کئے گلابی جوڑے میں ملبوز تھی۔۔۔۔لمبے کالے بال ڈھیلے جوڑے میں قید تھے اور اپنے چہرے پر آتیں لاٹوں کا راستہ اس نے پہلے سے روک رکھا تھا اور اپنی ساری توجہ صلاد پر مرکوز کئے صلاد بنا رہی تھی اور حیدر کی آمد سے بے خبر تھی۔

وہ صلاد تیار کر چکی تھی اور اسے فریج میں رکھنے کے لئے موڑی تھی جب اس کی نظر حیدر پر پڑی۔۔۔بس ایک نظر تھی۔۔۔۔پھر اس کے بعد وہ اسے نظر انداز کرتی کھانا ڈائننگ پر لگانے کی تیاری کرنے لگی۔

حیدر نے کچھ b وہ منہ موڑتا کف اپنے اور پھینکا پر بیڈ کوٹ اپنا تھا کیا رخ کا کمرے کے اس بغیر کہے بھی ہاتھ دھونے کی غرض سے باتھروم چلا گیا تھا۔

وہ ڈائننگ ایریا میں آیا تھا جہاں وہ خالی الذہنی سے خالی پلیٹ میں چمچ چلاتی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ حیدر کو خوش گوار حیرت ہوئی لیکن وہ اچھے سے جانتا تھا یہ عمل شعوری طور پر نہیں کیا گیا تھا۔

وہ آہستگی سے کرسی گھسیٹتے اس کے برابر جا بیٹھا۔۔۔۔ زینب نے کچھ نہیں کہا۔۔۔ اب وہ بریانی کی ڈیش اٹھاتے اس کی پلیٹ میں چاول ڈال رہا تھا۔۔۔ زینب نے چونک کر اسے دیکھا جو اس کے دیکھنے کو اگنور کرتے پلیٹ میں چاول بھرے جا رہا تھا۔

زینب بھی ڈھیٹ بن گئی اور جیسے کی تیسی بیٹھی رہی۔۔۔۔ تو حیدر نے پلیٹ اپنے اور اس کے درمیاں رکھ بریانی کا اسپون بھر اس کے منہ کے آگے کیا۔۔۔ زینب آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگی۔

جب زینب نے منہ نا کھولا تو حیدر نے آنکھوں کے اشارے سے اسے کھانے کا کہا۔

زینب کی بھوئیں شوٹ کر گئیں۔۔۔

کیا!!" زینب نے روکھائی سے پوچھا۔"

کھاؤ" وہی تحمکانہ انداز۔"

حکم کسی اور پر چلانا تم صبح سے تمہاری باتیں مان رہی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم سر پر ہی چڑھ جاؤ" وہ تنفر سے بولی۔"

کھاؤ" حیدر نے دوبارہ بولا وہ اسے اور بولنے پر اکسا رہا تھا اور دل ہی دل میں خود کو شاباشی دے رہا تھا۔"

نے ہاتھ مجھے بھی دیئے ہیں" وہ اس تمہارا کہا پہن لیا۔۔۔ تمہارا کہا بنا لیا کھا میں خود بھی سکتی ہوں اللہ" کے سامنے اپنے ہاتھ لہراتی بولی۔

ہاں تمہیں بھی دیئے ہیں لیکن تم اپنے ہاتھوں کا استعمال نہیں کر رہیں تھیں تو میں نے سوچا شاید میرے" ہاتھ سے کھانا چاہتی ہو" وہ وہی اسپون خود کھاتا اسے پھر ستا رہا تھا۔

اپنی طرف سے کچھ بھی مت سوچ لیا کرو" وہ کہتی جانے کے لئے کھڑی ہو گئی تھی جب حیدر نے اس کا" ہاتھ پکڑ کہا۔

اچھا کچھ نہیں کہہ رہا بیٹھ جاؤ۔۔۔ کھانا کھاؤ" اس نے دبی دبی التجا کی۔"

مجھے نہیں کھانا" وہ ضدی لہجے میں بولی۔"

زینب تم بیٹھ کے کھا رہی ہو یا یہ کام مجھے خود کرنا ہو گا" وہ بریانی سے انصاف کرتا اس سے بہت نرم لہجے" میں پوچھ رہا تھا۔

ہاتھ چھوڑو میرا" زینب اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی حیدر نے اپنی گرفت مضبوط کر اسے کھینچتے ہوئے کرسی پر واپس بیٹھا دیا تھا اور پھر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا بولا۔

اگر تو تم چاہتی ہو کہ میں تمہارا ہاتھ چھوڑ دوں تو یہ پلیٹ صاف کر لو ورنہ یقین کرو مجھے ساری عمر بھی یوں ہی بیٹھنا پڑا تو بیٹھا رہوں گا"

زینب کو ساری عمر کو تو نہیں پتا تھا پر یہ ساری رات یہیں بیٹھا رہتا یہ سوچتے زینب نے حیدر کے آگے سے پلیٹ لے کھانا شروع کر دیا تھا۔

حیدر نے مسکراہٹ چھپاتے دوسری پلیٹ میں اپنے لئے بریانی نکالی تھی۔

اور پھر حیدر ہماری بہو سے کب ملا رہے ہو ہمیں" عباس صاحب جو کے حیدر نکاح کے وقت بزنس کے" سلسلے میں پاکستان سے باہر تھے۔ انکا اسٹے چھ مہینے اور بڑھ گیا تھا اسی لئے انہوں نے حیدر کو نکاح کرنے کی اجازت دے دی تھی لیکن پھر اچانک ہی حیدر کے نکاح کے بعد پروگرام خود ہی کینسل ہو گیا۔۔۔۔ جس کی وجہ ایمپلائی کی لاپرواہی تھی اس نے عبّاس صاحب کو غلط خبر دی تھی۔ انہیں پاکستان آئے دو دیں ہو گئے تھے اور اب وہ اپنی بہو سے ملنے کے خواہشمند تھے۔

جب آپ اسے اس گھر میں لے آئیں تو مل لئے گا" حیدر نے سنجیدگی سے کہا تھا جس پر عباس صاحب" نے قہقہ لگایا تھا۔

تمہاری ڈیمانڈس دن با دن بڑھ نہیں رہیں" وہ طنز کرتے بولے تھے۔"

نہیں تو آپ کی ہی خواہش ہے کہ آپ میری بیوی سے ملیں" اس نے سارا ملبہ ان پر گرایا۔"

ایسا ہے تو ٹھیک ہے ہم اپنی بہو کو اسی اتوار گھر لیں آئیں گے تم کارڈز کا آرڈر کر دو اور کل تک سب کو" انویٹشن مل جانا چاہیے" وہ اس کو ھدایت دے رہے تھے انہیں اپنی بہو سے ملنے کا بڑا تجسس تھا جس نے ان کے بیٹے کو بدل دیا۔۔۔۔۔ وہ اب ہر وقت مسکرانے لگا تھا۔۔۔۔ اور اس کی یہ خوشی کسی سے پوشیدہ نہیں تھی۔

جو حکم" وہ کہتا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔"

وہ تو بچا ہے آپ اس کو ہر قسم کی اجازت دئے جا رہے ہیں پہلے اس نے نکاح کی اجازت مانگی آپ نے کہا" کر لو اور اب یہ سب۔۔۔۔ کم از کم ہمیں اس لڑکی کے بارے میں کچھ پتا بھی ہو" کب سے چپ بیٹھی زہرہ بیگم اب بولیں تھیں۔

زہرہ بیگم آپ خامہ خاں پریشان ہو رہی ہیں۔۔۔۔ وہ بچا نہیں ہے بڑا ہو گیا ہے اور پھر اس نے ہمیں" فون کر کے سب کچھ بتایا تو تھا اس لڑکی کی والدہ بچپن میں ہی گزر گئیں تھیں اور والد کا انتقال کچھ عرصے

پہلے ہی ہوا ہے کیوں کہ اس بچی کہ پیرنٹس سنگل چائلڈ تھے اسی لئے اس کا اس دنیا میں اب کوئی نہیں۔۔۔۔۔ آپ نے تصویر بھی تو دیکھی تھی آپ کو پسند بھی آئی تھی پھر اب کیا ہو گیا ہے" وہ ان کو سمجھتے سمجھتے آخر میں سوال کرنے لگے۔

ہاں لڑکی تو اچھی ہے لیکن یہ سب بہت جلدی ہو رہا ہے۔۔۔۔۔ اور پھر سب خاندان والے الگ" ناراض ہوں گے کہ ہم نے بینا کچھ بتائے حیدر کا نکاح کر دیا" زہرہ بیگم ٹھیک کہہ رہی تھیں خاندان والوں کو پتا چلتا تو کئی قسم کے سوال کئے جاتے۔

یہ نکاح اتنی جلدی صرف اس لئے ہوا ہے کہ وہ لڑکی جاب کے سلسلے میں ابروڈ جا رہی تھی اور اسے" روکنے کے لئے حیدر نے اس سے نکاح کیا تھا کیوں کہ وہ اسی صورت روکنے کے لئے راضی تھی ہمیں یہی لوگوں کو بتانا ہے۔۔۔ میں نے اسے اجازت اسی لئے دی کیوں کہ میں اب اسے خود سے دور نہیں کر سکتا اس کا بات کرنے کا انداز بتا رہا تھا وہ اس لڑکی کے پیچھے ایک بار پھر ہم سے دور ہو جاتا۔۔ ہاں میں جانتا ہوں نکاح کی ایک چھوٹی سی تقریب کچھ رشتے داروں کو بولا کر کی جا سکتی تھی لیکن آپ بھی جانتی ہیں کہ سعید ثانیہ کو لے کافی عرصے بعد باہر نکلا ہے اور یہ اتفاق ہی تھا کہ صفا بھی یہاں نہیں تھی۔۔۔۔۔ حیدر خوش ہے اور ہمارے لئے یہی کافی ہے" وہ انہیں تفصیل سے سمجھا رہے تھے۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں میں ہی زیادہ سوچ رہی ہوں" زہرہ بیگم نے مسکرا کے کہا تھا۔"

زینب ابھی رانیہ سے بات کر کے بیٹھی تھی۔ وہ اسے خوشی سے چہکتے اپنی رخصتی کی خوش خبری سنا رہی تھی۔ جس پر زینب نے اسے مبارک باد دی لیکن اس کے دل میں کہیں احمر کے لئے اب وہ مقام نا رہا تھا کہ وہ رانیہ جیسی دوست اس جیسے شخص کو دے دیتی لیکن وہ ایسا کر چکی تھی جب اس نے رانیہ کے دل سے احمر کی ناپسندگی کو نکلنے کی چھوٹی سی کوشش کی تھی اور اب اسے اسی بات کا افسوس تھا کہ اسے احمر کو پہچانے میں کوتاہی ہو گئی۔

وہ بیڈ پر کتاب میں سر دیئے بیٹھی تھی لیکن سوچوں کو بہاؤ کسی اور ہی طرف تھا جس کی وجہ سے اسے کتاب میں موجود حروف گھومتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے اسی اثناء میں ڈور بیل کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ اس نے کتاب بند کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور دروازہ کھولنے چلی گئی۔

دروازہ کھولنے پر اس کے سامنے ایک لڑکی ٹائٹز پے کوٹن کی کُرتی میں ملبوز گلے میں اسکارف لئے ہاتھوں میں ہینڈ کیری جیسا بڑا سا کپڑے کا بیگ لئے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے کھڑی تھی۔

مسسز حیدر عبّاس "اس کا انداز سوال کرنے جیسا تھا۔"

جی؟" اپنا یہ تعارف سن زینب کو سمجھ نا آئی کیا کہے۔"

مجھے مسٹر حیدر نے بھیجا ہے کیا میں اندر آسکتی ہوں؟" اس لڑکی نے زینب کے سوال کو جواب سمجھا تھا۔

جی آئیں" زینب نے شرمندگی سے بولتے راستہ چھوڑا تھا کیوں کہ وہ لڑکی بیگ کو سنمبھلنے کی جتن کر رہی تھی اور اس نے اسے اندر آنے کا ہی نہیں کہا تھا۔"

وہ لڑکی اندر آئی تو اس کے پیچھے سے ایک شخص اور اندر آیا جو بڑے بڑے ڈبے تھامے ہوا تھا۔

اس لڑکی نے اس شخص سے جو کے اس کا ملازم تھا سارا سامان لاونج میں رکھوایا اور اسے واپس بھیج دیا۔

اس سے پہلے زینب اس لڑکی سے کوئی سوال کرتی اس کا فون بج اٹھا تھا جو لاونج کی ٹیبل پر ہی رکھا تھا "ہسبنڈ" کالنگ کے حرف اسکرین پر چمکتے دیکھ زینب کٹ کے رہ گئی۔

میں نے سحر کو تمہارے پاس بھیجا ہے وہ جیسے کہے ویسا ہی کرنا" زینب نے اسکی "ہسبنڈ" والی حرکت کے بارے میں پوچھنے کے لئے فوراً سے پہلے کال اٹھائی تھی لیکن زینب اس کا حکم بھرا لہجہ سن پیچ و تاب کھانے لگی۔"

میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اپنے حکم تم کسی اور پر چلانا" وہ دانت پستی بولی۔"

مجھے ابھی کوئی اور دستیاب نہیں" وہ مزے سے بولا۔"

تو کر لو دستیاب" اپنی طرف سے وہ بڑا مخلصانہ مشورہ دے رہی تھی۔"

زینب کیا تم چاہتی ہو کہ میں رانیہ کو احمر کی محبّت کی سچائی بتاؤں "اس کا لہجہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ" تھا۔

تم ایسا نہیں کرو گے "وہ تمنبی کرتی بولی۔"

ہاں نہیں کروں گا اگر۔۔۔ تم ویسا ہی کرو جیسا میں کہہ رہا ہوں۔۔۔۔ سحر کو اس کا کام کرنے دو میں" شام میں تم سے ملوں گا" وہ بہت ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا۔

تم اول درجے کے گھٹیا انسان ہو "زینب جانتی تھی وہ آج پھر اسے دھمکا رہا تھا۔۔۔ اس کے بارے" میں اپنے خیالات کا اظہار کھولے دل سے کیا۔

میں تم سے متفق ہوں "اس نے ڈھٹائی سے کہا تھا اور زینب نے اگلے ہی پل کال ڈراپ کر موبائل بیڈ پر" اچھالا تھا۔

میم" دروازے پر دستک دیتی وہ بہت شائستگی سے اسے پکار رہی تھی۔"

زینب نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھاتے اس کی جانب دیکھا تھا جو ایک ہاتھ میں سفید رنگ کا بڑا سا ڈبہ تھامے تھی اور دوسرے سے دروازے پر ہلکی ہلکی دستک دے رہی تھی۔

جی؟" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔"

میم وہ۔۔۔۔"وہ زینب کے انداز سے ہڑبڑائی۔"

آپ۔۔۔۔ آپ چینج کرلیں"اس نے ڈرتے ہوئے وہ سفید ڈبہ اس کے آگے کرتے کہا۔"

کیوں"زینب نے لٹھ مار انداز میں پوچھا۔"

"وہ مسٹر حیدر نے"

ادھر دو۔۔۔۔۔"زینب نے اس کے ہاتھ سے ڈبہ چھینا۔"

ایک بار اور سحر۔۔۔۔۔ صرف ایک بار اور اگر تم نے اس شخص کا نام میرے سامنے لیا اور اس کا نام" استعمال کر کے مجھے کوئی بھی کام کرنے پر مجبور کیا تو اگلی بار میں تمہیں وارن نہیں کروں گی"زینب اسے دھمکی دے رہی تھی جیسے سحر بہت دیہاں سے سن رہی تھی۔

اوکے میم"سحر نے گلہ تر کرتے کہا۔"

زینب نے واشروم میں چلی گئی تو سحر نے بے اختیار سانس لی۔

وہ سرخ رنگ کے بھری کام دار لہنگے میں۔۔۔۔۔ماتھے پر بندیا۔۔۔۔کالی گہری آنکھوں کو نفاست سے کئے گئے میک اپ نے اور گہرا اور سحر زدہ بنا دیا تھا۔۔۔۔۔۔ناک میں بڑی مگر نازک سی نتھ جس میں سفید موتی پروے تھے۔۔۔۔۔ہونٹوں پر لالی بکھری تھی۔۔۔۔ آج دلہن بنی وہ خود کو آئینے میں دیکھ

رہی تھی۔۔۔۔۔یک دم ہی اسے والیو اللہ یاد آئے تھے وہ اسے دلہن بنتا دیکھنا چاہتے تھے اور وہ دلہن کبھی نہیں بنا چاہتی تھی اور آج بن گئی تھی وہ بھی اس شخص کی جس کا اسے گمان بھی نا تھا۔

تو آج وہ اپنا بدلہ پورا کرلے گا۔۔۔۔۔مجھے یوں سجادھجا کے وہ اپنے گھر تو نہیں لے کے جائے گا مجھ جیسی سے شادی اس نے بدلہ لینے کے لئے کی ہے یقیناً آج وہ اپنا بدلہ پورا کرلے گا۔۔۔۔۔کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں۔۔۔۔۔اور میں اسے یہ بدلہ لینے دوں گی شاید اس کے بعد مجھ ڈھیٹ جان سے جان نکل جائے۔۔۔۔حیدر عبّاس میں نے لال رنگ کا کفن اس امید سے پہنا ہے شاید تم میری مشکل آسان کر دو۔۔۔۔میں سانسوں کی قید میں ہوں شاید تم اس سے رہائی دلا دو" وہ یک ٹک اپنا عکس شیشے میں دیکھتی حیدر سے مخاطب تھی اور اپنی منفی قیاس آرائیوں سے خود کو اذیت دے رہی تھی۔

آپ سے زیادہ خوبصورت دلہن میں نے کبھی نہیں دیکھی" سحر ستائش سے بولی لیکن زینب اپنے ہی" خیالوں میں گم تھی۔

میم چلیں؟" سحر نے اپنے ہاتھ میں پہنی گھڑی سے ٹائم دیکھتے زینب سے پوچھا تھا۔"

ہمم" وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔"

\---------------------------------------

لائٹوں سے روشن فائیو اسٹار ہوٹل کے باہر کار رکی تھی۔۔۔۔۔زینب جو اب تک بہت بہادری کا مظاہرہ کر رہی تھی اپنے خیالات کو سچ ہوتے دیکھ ضبط کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹنے لگا تھا۔۔۔۔اس کا دل چاہا وہ یہاں سے بھاگ جائے وہاں جہاں کوئی اسے دیکھ نا سکے۔۔۔۔اس کی حالت غیر ہو رہی تھی ہاتھ پیروں سے پسینے چھوٹنے لگے تھے۔

چمکتی ہوئی کالی کرولا کا دروازہ اس نے کھولا تھا اور زینب کے آگے اپنی مضبوط ہتھیلی پیش کی۔

اپنے اوپر پڑے گھونگھٹ کی وجہ سے وہ اسے دیکھ تو نہیں سکتی تھی پر اسکی خوشبو سے وہ جانتی تھی وہ کون تھا۔۔۔۔اس کا اندازہ زینب کو خود نہ تھا وہ صرف کچھ ملاقاتوں میں اس کی خوشبو سے آشنا ہو گئی۔

زینب نہیں چاہتی تھی اس کی بھیگی ہتھیلی سے وہ سمجھے کہ وہ ڈری ہوئی ہے۔۔۔حیدر کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو یکسر نظر انداز کرتی اپنے بھاری بھر کم لہنگے کو سنبھالتے اس نے ہیل والا اپنا بایاں پیر بمشکل باہر رکھا تھا وہ اسی تگ ودو میں تھی کہ اس کا بیلنس بگڑا اور وہ گرنے کو تھی جب حیدر نے اس کو بازؤں سے پکڑ سنبھالا تھا۔

میرا ہاتھ تھام لیتیں تو میں لڑکھڑانے بھی نا دیتا تمہیں" حیدر کا لہجہ گھمبیر تھا۔۔۔۔۔زینب ٹھٹک گئی" اور اپنا توازن سنبھالتی اس نے حیدر کے ہاتھوں کو اپنے بازوں سے جھڑکا تھا۔

حیدر نے نرمی سے اپنے ہاتھ پیچھے کئے۔۔۔۔۔ اسے اوپر سے نیچے ایک نظر دیکھا۔۔۔۔۔ اتنا بھاری جوڑا اوپر سے گھونگھٹ وہ یقیناً منہ کے بل گرتی۔۔۔۔۔ یہ سوچتے حیدر نے اس کا ہاتھ اپنے بازو کے گرد ڈال دبا دیا تھا دور سے دیکھنے والوں کو ایسا ہی لگتا جیسے وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالا ایک ڈریم کپل دیکھ رہے ہیں۔

یہ کیا بدتمیزی ہے؟" زینب تملائی۔"

اس میں بدتمیزی والی بات کہاں سے آگئی اپنی بیوی کا ہی ہاتھ پکڑا ہے کسی غیر کا تو نہیں" وہ چھوٹے" چھوٹے قدم لے رہا تھا زینب کی سہولت کے لئے اور ہوٹل کی انٹرنس پر بنا گلاس دور عبور کر گیا تھا۔

جس کا دل چاہے ہاتھ پکڑو لیکن میرا نہیں سمجھ آئی" ہاتھ چھوڑانے کی مشق اب بھی جاری تھی اور وہ" اس کو لئے ابھی بھی چل رہا تھا۔

میری سمجھ میں ذرا دیر سی آتی ہے ہو سکتا ہے ساری زندگی لگ جائے۔۔۔۔۔" کچھ دیر بعد حیدر رکا تو" وہ بھی رک گئی۔

اور جہاں تک رہی دل کی چاہت کی بات تو وہ اب سے صرف تم ہو" حیدر نے جھکتے ہوئے اس کا لہنگا ہلکا سا" اٹھاتے سرگوشی کے سے انداز میں کہا تھا جسے زینب نے اچھے سے سنا۔۔۔۔۔ حیرت سے حیدر کے ہاتھ پے زینب کی پکڑ مظبوط ہوئی تھی۔۔۔۔ وہ چونکا اور دھیمے سے مسکرایا۔۔۔۔

(کیا تھا اگر اس نے یہ عمل لاشعوری طور پر کیا تھا پر ہاتھ تو تھاما تھا نہ) اس کے دل نے کہا تھا۔

زینب کو لگا اس نے کچھ غلط سنا ہے اسی اثناء میں وہ ایک سیڑھی عبور کر گئی تھی۔

حیدر اسے وہاں بیٹھا کر خود چلا گیا تھا۔

زینب اس کی کہی باتیں بھلائے اب اس نئی مصیبت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ اسے یوں دلہن بنائے کیا اس کا مذاق اڑوانے کے لئے اسے یوں یہاں بیٹھا گیا تھا۔۔۔۔ زینب سر جھکائے بیٹھی لوگوں کا شور سن رہی تھی جو اب بڑھتا جا رہا تھا زینب کو لگا سب اسے یوں تنہا ہوٹل میں دلہن کے روپ میں بیٹھے دیکھ باتیں بنا رہیں ہیں اسے اب الجھن ہونے لگی تھی۔

اچانک پردہ ہٹا تھا اس کے بلکل سامنے ایک خاتون کریم کلر کی ساڑھی میں ملبوز بہت گریزفل لگ رہی تھیں اور خوش بھی زینب کو انکی خوشی کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔

ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو" انہوں نے جھک کے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا تھا۔"

شکریہ "زینب ان کے والہانہ انداز پر مسکرائی تھی۔"

یہ میری امی ہیں۔۔۔۔ یہ ڈیڈ" حیدر سر پر کھڑا اپنی والدین سے اس کا تعارف کرا رہا تھا۔۔۔۔ بلیک" پینٹ۔۔۔ کوٹڈ شیروانی۔۔۔۔ ہاتھوں میں پہنگی ریسٹ واچ۔۔۔۔ بالوں کو آڑھی مانگ نکالے جیل سے سیٹ کئے وہ آج نظر لگ جانے کی حد تک ہینڈسم لگ رہا تھا اس کے کھڑے مغرور نقوش اسے سب

میں نمایاں کر رہے تھے اور سب سے زیادہ اس بلیک سوٹ پر اسکی گرے آنکھیں ہمیشہ سے زیادہ سحر انگیز لگ رہیں تھیں۔

زینب کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔ وہ اس کی وجاہت سے بے نیاز ایک نقطے پر اٹک گئی تھی وہ اسے کیوں اپنی ماں باپ سے ملوا رہا تھا۔

خوش رہو" عبّاس صاحب نے سلام کے بعد اسے دعا دیتے شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔"

زینب کو والیو اللہ یاد آئے تھے اس کی آنکھوں میں نمی آئی تھی وہ بھی اسے یہی دعا دیتے تھے۔۔۔ یوں ہی ہاتھ پھیرتے تھے۔۔۔ پتا نہیں کیوں پر اسے عبّاس صاحب اس وقت بہت اپنے لگے تھے۔

حیدر زینب کو چھوڑ علی اور احمر کے پاس آیا تھا جو وائٹ کلر کی شرٹ پر گرے رنگ کی واسکٹ اور گرے ہی پینٹ پہنے بہت اچھے لگ رہے تھے۔

دشمن کو بھی نہ دے" علی نے حیدر پر چوٹ کرتے احمر سے کہا۔ ایسا دوست اللہ"

کیسا دوست ؟" حیدر نے انجان بنتے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔"

ایسے کمینے دوست جو چھپ کر نکاح کر لیتے ہیں اور خبر بھی نہیں ہونے دیتے" علی نے بھی انجان بنتے" اسے بتایا تھا۔

شاید انہیں ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ہم ان کی دلہن نہ اڑالیں تو ان کو پتا ہونا چاہیے کہ ہم بھی نکاح شدہ ہے "

اور اپنے نکاح سے خوش بھی بہت ہیں " احمر نے تپے ہوئے انداز میں علی کی بات میں اضافہ کرتے کہا تھا۔

وہ تو مجھے پتا ہے کہ تم کتنا خوش ہو بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور نکاح کا تو کسی کو بھی نہیں پتا تھا صرف "

امی اور ڈیڈ کے علاوہ۔۔۔ خیر اب لے تو آیا ہوں اپنی بیوی کو مل لو" حیدر بہت خوش لگ رہا تھا آج۔

بلاخر اتنی شرطیں رکھنے کے بعد ہمیں ملکہ حیدر کو دیکھنے کی سعادت نصیب ہو گی۔۔۔۔۔ برات سے "

پہلے کوئی میری بیوی سے نہیں ملے گا۔۔۔۔ کوئی بات نہیں کرے گا۔۔۔۔۔۔ جسے ملنا ہے وہ شادی پر

ہی ملے گا۔۔۔۔۔ کیا کوئی کوہِ نور ہاتھ لگ گیا تھا جو ملنے پر اتنی شرطیں لگائیں تھیں" علی نون اسٹاپ

بولتے اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

ہاں بلکل" حیدر نے فوراً سے پہلے کہا تھا۔"

حیدر مہمان تو آتے رہیں گے ہم سے اب اور صبر نہیں ہو رہا ہے ملوا بھی دو اب ہمیں ہماری بہو سے ""

زہرہ بیگم شوہر کے ہمراہ حیدر کے پاس آئیں تھیں۔

چلیں۔۔۔" حیدر نے انہیں آگے چلنے کا اشارہ کیا تھا اور پھر موڑا تھا۔"

تم دونوں چاہو تو آسکتے ہو" حیدر بڑے کھولے دل سے آفر کر رہا تھا۔"

نہیں شکریہ" احمر کے منہ کھولنے سے پہلے علی نے جلے دل سے کہا۔"

ایس یو وش" حیدر کندھے اچکا کے کہتا چلا گیا تھا۔"

یہ انٹی کیا آج ہی اپنی بہو کی کلاس لینے کھڑی ہو گئیں ہیں" علی بے چینی سے گردن ادھر ادھر کرتا" کوہِ نور" کو دیکھنے کے چکر میں تھا لیکن زہرہ بیگم کے عین سامنے کھڑے ہونے کی وجہ سے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

جب وہ کہہ رہا تھا ملنے کے لئے تو کیوں منع کیا خود تو گئے نہیں مجھے بھی روک لیا اب کھڑے رہو اور" انتظار کرو" احمر نے گھورتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی اتنی کہ وہ نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا لیکن پھر اسکی آنکھوں میں نمی آئی تھی حیدر کو لگا اس کی خوبصورتی مانند پڑنے لگی ہو۔

اپنی بہو کے ساتھ تصویر تو کھینچوا لیں" حیدر نے زینب کا دھیان دوسری طرف کرنے کو کہا تھا۔"

زینب نے نمی چھپانے کی خاطر پلکوں کی باڑ جھکالی تھی۔

ہم بعد میں لے لیں گے پہلے تم بیٹھو میں دیکھوں تو تم دونوں ساتھ کیسے لگتے ہو" زہرہ بیگم حیدر کو اس" کے برابر میں بٹھاتیں خود عبّاس صاحب کو لئے اسٹیج سے نیچے اتر گئیں تھیں۔ انہوں نے کیمرا مین کو اپنی طرف بلاتے اسے تصویر لینے کا کہا تھا۔

کیمرا مین کیمرا گلے میں ڈالا اسٹیج کے اوپر چڑھا تھا۔

میم سامنے دیکھیں" وہ ادب سے بولا تھا۔"

زینب نے نظریں اٹھائیں تھیں ایک اچٹتی نگاہ اس نے کیمرا مین پر ڈالی تھی۔۔۔۔اس کے بعد اس نے شاک کے عالم میں دائیں بائیں ہر جگہ دیکھا تھا وہ ہوٹل کا وسیع و عریض ہال تھا جو وائٹ اور پنک روس سے سجایا گیا تھا جہاں پاکستان کی بڑی بڑی کاروباری شخصیات موجود تھیں ان ہی لوگوں میں زینب نے اپنے باس کو بھی دیکھا تھا۔۔۔۔اپنے باس سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں اسٹیج کے قریب کھڑے رانیہ نور علی اور حاشر پر پڑی تھی جو منہ کھولے ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہے تھے۔۔۔۔ان سے ہوتی ہوئی زینب کی نظر نیلم بیگم پر رکی تھی جن کے چہرے پر ناگواری اور حیرت کے تاثرات رقم تھے۔۔۔۔زینب کے ذہن میں ایک سوال اٹھا تھا۔۔۔وہ آج اپنی ناگواری کو یوں اپنے تک کیوں رکھ رہیں تھیں کیوں اسے کچھ نہیں کہہ رہی تھیں جواب فوراً سے پیشتر اس کے اندر سے آیا تھا کیوں کہ آج ان کے سامنے زینب ولیو اللہ نہیں بیٹھی تھی آج وہ زینب حیدر عبّاس تھی کسی میں اتنی ہمّت نا تھی کہ وہ زینب کو کچھ کہہ جاتا۔

جواب ملتے ہی زینب نے کرنٹ کھا کہ ہر منظر کو پیچھے چھوڑے اپنے پہلو میں بیٹھے حیدر کو دیکھا تھا۔اس نے ایسا کیوں کیا تھا وہ جانا چاہتی تھی۔

حیدر اس کی طرف متوجہ تھا وہ جس سوال کا جواب چاہتی تھی حیدر چاہتا تھا وہ خود پڑھ لے۔

وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا اور وہ بھی اس کی گہری آنکھوں میں بلا خوف دیکھتی اپنا جواب ڈھونڈھ رہی تھی اور اسی لمحے کو کیمرا مین نے اپنے کیمرے میں قید کر لیا تھا۔

جانے کتنے ثانیے گزر گئے وہ دونوں دنیا بھلائے ایک دوسرے کی آنکھوں میں کھوئے ہوئے تھے۔

یہ دونوں کر کیا رہے ہیں سب دیکھ رہے ہیں" نور کو ہوش سب سے پہلے آیا تھا جو سب کی مسکراتی معنی" خیز نظریں حیدر اور زینب پر محسوس کرتی رانیہ سے کہہ رہی تھی۔

ہنہ۔۔۔ہاں چلو" رانیہ نے ہوش سنمبھالتے کہا تھا۔"

آپ کہاں جا رہی ہیں؟" احمر نے رانیہ کو نور کے ساتھ جاتے پوچھا تھا۔"

زینی کے پاس" وہ کہہ کے جانے لگی تھی جبھی علی اور احمر بھی ان کے ساتھ اسٹیج پر چڑھے تھے۔"

علی نے احمر کا ہاتھ پکڑا تھا احمر نے رانیہ کا اور رانیہ نے نور کا۔۔۔وہ ایک صف بنائے ان دونوں کو ہائیڈ کر رہے تھے۔

زینی" رانیہ نے اس کی محویت توڑنے کی کوشش کی تھی۔"

زینب کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا ان آنکھوں میں سوائے اپنے عکس کے جو بہت صاف شفاف کسی آئینے کی مانند اس کے سامنے تھا۔

حیدر" یہ آواز احمر کی تھی جو رانیہ کی ہی کوشش کو دوہرا رہا تھا۔"

جس پر ایک نظر ڈالنا محال تھی

اس کی ایک ہی نظر وبال تھی

ہم ہٹا نا سکے اپنی ایک ہی نظر

کہ اس کی ایک ہی نظر کمال تھی

ایسا نہیں تھا کہ حیدر کو احمر کی آواز نہیں آئی تھی لیکن اس وقت وہ سنا زیادہ اہم تھا جو زینب کی آنکھیں اس سے کہہ رہی تھیں۔

زینی "نور نے اپنے خالی ہاتھ کا استعمال کرتے زینب کا کندھا ہلاتے اسے مخاطب کیا تھا اور وہ کامیاب بھی" ہوئی تھی۔

ہمم۔۔۔کیا؟" زینب خالی خالی نظروں سے دیکھتی بولی تھی۔"

حیدر تم سے کچھ بات کرنی ہے نیچے آؤ" احمر خفگی سے کہتے اسٹیج سے اترتے ایک طرف چلا گیا تھا۔"

حیدر ایکسکیوز کرتے علی کی معیت میں وہاں سے چلا گیا تھا۔

یہ سب کیا ہے زینی "لڑکوں کے وہاں سے جاتے نور اور رانیہ نے جگہ سنبھال لی تھی اور رانیہ نے" ماتھے پر شکنے لئے زینب سے پوچھا تھا۔

مجھے نہیں پتا" اس کا لہجہ تھکا ہوا تھا۔"

تمہیں نہیں پتا تم نے بغیر بتائے اس سے نکاح کر لیا یہاں تم اس کی بیوی کی حیثیت سے بیٹھی ہو اور" تمہیں نہیں پتا" رانیہ اپنی آواز کو دھیمی رکھے غصّے سے پوچھ رہی تھی۔

مجھے اس سے نہ تو نکاح کرنے کا کوئی شوق تھا نہ ہی اس کی بیوی بننے کا۔۔۔ اگر تم چاہتی ہو میں تم سے" جھوٹ نہ بولوں تو تم مجھ سے کچھ بھی نہ پوچھو کیوں کہ تمہارے ہر سوال میں میں جھوٹ ہی بولوں گی" وہ بہت صاف گوئی سے اسے بتا رہی تھی۔

سچ کیا ہے زینی" رانیہ کو کسی گڑبڑ کا اندیشہ ہوا۔"

تم سے عزیز کوئی نہیں ہے رانیہ میرے لئے میں جانتی ہوں تمہیں مجھ سے بہت سے شکوے ہوں گے" لیکن اگر میں سچ بتا سکتی تو ضرور بتاتی" زینب رانیہ کو کھونا نہیں چاہتی تھی اسے اپنی محبت کا یقین دلاتی بولی۔

مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے تم سے زینی۔۔۔۔ تم نہیں بتانا چاہتی مت بتاؤ۔۔۔ میرے لئے تم اہم ہو سچ" نہیں۔۔۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں" رانیہ اس کے لفظوں کی لڑکھڑاہٹ محسوس کر گئی تھی اس کے گلے لگتے وہ رونی آواز میں کہہ رہی تھی۔

صرف تم نہیں میں بھی۔۔۔۔ تم دونوں ہمیشہ مجھے بھول جاتے ہو" نور نے اسے زینب سے الگ" کرتے کہا تھا ساتھ وہ شکوہ بھی کر گئی تھی۔

تم میں یاد رکھنے والا ہے کیا" رانیہ نے ہاتھ گھوما کے کہتے اسے چڑایا تھا۔"

دیکھنے والے کی نظر ہونی چاہیے "نور نے اس کی بات کا اثر لئے بغیر کہا۔"

اہان بچی تیز ہو گئی ہے" رانیہ نے ابرو اچکا کے زینب سے کہا۔"

صحبت کا اثر ہے "نور نے رانیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا تو وہ تینوں ہنس دیں۔"

میں لیٹ تو نہیں ہوا نہ "حیدر احمر کے پیچھے تھا جب کہ علی حاشر کے پاس رک گیا۔"

نہیں بلکل ٹائم پے آئے ہو ہمیں تو پھر انتظار کرنا پڑا" علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔"

کس چیز کا؟" حاشر نے پوچھا۔"

کچھ نہیں۔۔۔۔حیدر کی وائف سے تو نہیں ملے ہو گے ؟" علی مسکراہٹ دباتا اس سے پوچھ رہا تھا۔"

نہیں "یک لفظی جواب آیا۔"

تو اب مل لو" علی کہتے اسٹائل سے اس کے سامنے سے ہٹا تھا اور حاشر کی نظر ٹھیک اسٹیج پر رانیہ نور کے ساتھ بیٹھی زینب پر پڑی تھی۔"

حاشر کی حالت بلکل ویسی تھی جیسی کچھ دیر پہلے علی کی ہوئی تھی۔

یہ یہاں "وہ شاک ہوتے بولا۔"

علی نے محض گردن ہلانے پہ اکتفا کیا۔

حیدر نے زینب۔۔۔۔۔زینب والیو اللہ سے شادی کرلی" اس کی حیرت کسی طور کم نہیں ہورہی تھی۔"

علی نے ایک بار پھر اثبات میں گردن ہلائی۔

آئی کانٹ بیلیوہ۔۔۔پینچ می" حاشر نے کہتے ساتھ اپنا ہاتھ آگے کیا تھا۔"

علی نے نجانے کیا کیا تھا کہ اس کی زوردار چیخ نکل گئی۔ ویٹرس اور کچھ مہمانوں نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا وہ کھسیانا سا ہو گا۔

پینچ می کہا تھا پن می نہیں کہا تھا" حاشر اپنا کندھا سہلاتا دانت بینچے اس سے کہہ رہا تھا۔"

میں نے کچھ نہیں کیا" علی نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے کہا اور اسے بھؤنوں سے پیچھے دیکھنے کے لئے کہا۔"

حاشر پیچھے موڑا تو سامنے وہ کھڑی تھی سفید رنگ کی گھیر دار فروک میں جس کے گھیر پر ملٹی کلر کی چوڑی بیل لگی تھی اور کندھوں پر ملٹی کلر کا ہی دوپٹہ لئے وہ ہاتھ میں ہتھیار "پن" لئے شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

تم دور رہا کرو مجھ سے" حاشر نے رخ موڑ کے کہا۔ وہ دیکھنے سے گریز کر رہا تھا وہ لگ جو اتنی پیاری رہی تھی۔"

کیوں تم سے بدبو آتی ہے" وہ اسے ستا رہی تھی۔"

علی اپنی بہن کو سمجھالو" حاشر نے شکایتی لہجے میں علی کو بیچ میں گھسیٹتے کہا۔"

اشہل کم از کم تین فوٹ دور رہا کرو اس سے کہیں بدبو سے تم بے ہوش ہی نہ جاؤ" علی بہت سنجیدگی سے" اشہل کو سمجھا رہا تھا۔

کہاں پھنس گیا ہوں" حاشر بڑبڑاتے ان کے پاس سے ہٹ گیا تھا اور وہ دونوں ہنس دیئے تھے۔"

کیا کیا ہے تم نے؟" حیدر احمر کے پاس آیا تو احمر نے درشت لہجے میں اس سے پوچھا۔"

کیا کیا ہے؟" حیدر جانتا تھا احمر کا اشارہ کس کی طرف تھا پھر بھی انجان بنتے اس سے پوچھ رہا تھا۔"

"تم جانتے ہو میں کیا پوچھ رہا ہوں"

نہیں میں نہیں جانتا" وہ صاف مکر گیا۔"

حیدر عبّاس اتنا بے غیرت نہیں ہو سکتا کہ ایک لڑکی سے بدلہ لینے کے خاطر یہ سب کرے" احمر کہہ" حیدر سے رہا تھا لیکن یقین وہ خود کو دلا رہا تھا۔

تم نے ٹھیک کہا حیدر اتنا بے غیرت نہیں" حیدر نے اس کی اخذ کی اس وجہ کو مسترد کیا۔"

ہمدردی میں نکاح نہیں کئے جاتے" کچھ دیر کے توقف کے بعد احمر نے ایک نئ وجہ اس کے سامنے" رکھی تھی۔

ہمدردی میں نے اس سے اس وقت نہیں کی جب وہ اپنی ہی حقیقت سے آشنا نہیں تھی" حیدر نے ایک بار پھر اس کی دی گئی وجہ کو رد کیا تھا۔

اپنے کیئے کا مداوا کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟" احمر نے سوچا شاید جو سب اس نے زینب کے ساتھ کیا" یہ سب کر کے وہ اس گیلٹ کو مٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کے مداوے کے لئے مجھے اس سے نکاح کرنا پڑے" ایک بار پھر اس نے" احمر کے اندازے کو غلط کہا تھا۔

جانے کتنی دیر وہ حیدر کو متلاشی نظروں سے دیکھتے رہا اور پھر ایک نتیجے پر پہنچتے بولا۔

"محبّت کرنے لگے ہو اس سے"

مجھے دیر ہو رہی ہے باہر سب انتظار کر رہے ہوں گے" حیدر ایک دم ہی گھبرایا تھا اسے اندازہ نہیں تھا" احمر اتنی جلدی یہ جذبہ جانچ لے گا۔

میں کچھ پوچھ رہا ہوں حیدر" احمر نے اس کا راستہ روکا تھا۔"

احمر سامنے سے ہٹو سب مہمان انتظار کر رہے ہوں گے" حیدر کا لہجہ کڑخت ہوا تھا۔"

محبّت کرتے ہو تو مان کیوں نہیں لیتے" احمر منمنایا تھا۔"

میرے ماننے یا نہ ماننے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی" وہ اسکی آنکھوں میں براہراست دیکھتا سکون " سے گویا ہوا۔

اہم اہم۔۔۔۔۔" علی نے کھنکھار کے اپنی آمد کا اعلان کیا تھا۔"

اشارے یار بتا رہے ہیں

محبّت آزما بیٹھے ہیں

علی نے شوخی و شرارت سے دل فریب انداز میں شعر پڑھا تھا۔

بکواس مت کرو"حیدر نے علی کو جھاڑا تھا اور اس کے پاس سے گزرنے کے بعد وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا " دل نشین انداز میں مسکرایا تھا۔

ایک نیا امتحان

صفا زینب کو دیکھ پہچان گئی تھی اور بہت خوش بھی تھی اسے زینب اپنی بھابی کے روپ میں بہت پسند آئی تھی۔

عبّاس مینشن پہنچنے پر حیدر کے گھر والوں نے زینب کا پر تپاک استقبال کیا تھا اور زینب جان گئی تھی کہ وہ سچ نہیں جانتے تھے لیکن وہ اب بھی سمجھ نہیں پائی تھی حیدر اسے یہاں کیوں لیا تھا۔

چند ایک رسموں کے بعد ثانیہ بھابی زینب کو حیدر کے کمرے میں لے آئیں تھیں۔

کمرہ کافی بڑا تھا کمرے کے وسط میں جہازی سائز کا بیڈ رکھا تھا اور بیڈ، سائیڈ ٹیبلس غرض کے ہر چیز پر گلاب کی پتیاں سجائیں گئیں تھیں۔ ایئر فریشنز اور گلاب کے پھولوں کی ملی جلی خوشبو ماحول کو خواب ناک بنا رہی تھی۔

ثانیہ بھابی نے اسے بیڈ پر بیٹھنے میں مدد دی تو کب سے اپنے اوپر کسی کی نظریں محسوس کرتی زینب نے ثانیہ بھابی کے ساتھ کھڑے اس چار پانچ سال کے نیلی آنکھوں والے بچے کو دیکھا جس کے نقوش حیدر سے ملتے تھے اور آج اس نے ڈریسنگ بھی بلکل حیدر جیسی کر رکھی تھی۔

ہو اس شی؟" احد نے پوچھا تو ثانیہ بھائی نے مسکرا کے بتایا۔"

"شی اس یور چچی"

آئی نو دات ۔۔۔ آئی ایم آسکنگ ہو اس شی "احد نے ماں کو خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے"

دوبارہ اپنا سوال دوہرایا۔

ثانیہ بھابی کو سمجھ نہ آیا وہ کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔

زینب اس کا سوال سمجھ گئی تھی۔

آئی ایم زینب "زینب نے اپنا تعارف خود کراتے مصاحفے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔"

آئی ایم احد سعید عبّاس "احد نے اپنا چھوٹا سا ہاتھ پوکٹ سے نکال مصافحہ کیا۔"

زینب کو حیرت ہوئی اس کے انداز پر پانچ سال کا یہ چھوٹا سا بچا۔۔۔ بچا تو ہر گز نا لگتا تھا۔

لیکن ہوٹل وینیو میں اسٹیج پر جو لیڈیز آپ کے ساتھ تھیں وہ تو آپ کو زینی کہہ کے پکار رہیں تھیں"""

اس نے واپس اپنا ہاتھ جیب میں رکھ سوال کیا تھا۔

وہ سب میری فرینڈس ہیں اور مجھے زینی ہی کہہ کے بلاتی ہیں "زینب نے اس کا اشارہ سمجھ کے جواب"

دیا۔

اوکے "اس نے سر کو خم کر جنبش دی۔"

ول یو بی مائی فرینڈ مسس زینب حیدر عبّاس؟ "اس نے بڑی شاہستگی سے پوچھا۔"

یس "زینب نے فوری حامی بھری یہ بچا اسے بہت پسند آیا تھا۔"

اٹس این آنر فور می" وہ یک دم ہی خوش ہوتے بولا۔

تھینکس" ایک گہری مسکراہٹ نے زینب کے لبوں کا احاطہ کیا۔"

اب آپ آرام کریں زینی میں آپ سے کل ملوں گا" وہ دوستانہ انداز میں گویا تھا۔"

احد بڑی ہیں آپ سے۔۔۔ زینب چچی کہیں گے آپ" ثانیہ بھابی نے فوراً سے پہلے اسے ٹوکا تھا۔"

شی اس ناٹ مائی چچی شی اس مائی فرینڈ اینڈ بائی داوے آل اوف ہر فرینڈس کلڈ ہر زینی سو وائے آئی ایم"

ناٹ" وہ ماں کو دلیل رہا تھا۔

اس سے پہلے ثانیہ بھابی اسے اور کچھ کہتیں زینب بول پڑی۔

"بھابی اٹس اوکے"

آرام کرو" ثانیہ بھابی محبّت سے کہتیں کمرے سے چلی گئیں تھیں اور وہ اب تک اس بچے کے انداز یاد"

کر مسکرا رہی تھی اور پھر اس کی آنکھوں کے پپوٹے بھاری ہوئے تھے اسے نیند نے آگھیرا تھا۔ وہ وہیں بیٹھی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر سو گئی تھی بینا یہ جانے کہ اسے آج نیند کی گولیوں کی ضرورت نہیں پڑی تھی آج نیند اس پر خود مہربان ہو گئی تھی۔

اس نے رات دیر سے اپنے کمرے کا رخ کیا۔۔۔خوشبو سے مہکتے کمرے نے اس کا استقبال کیا۔۔۔پہلی نظر اس صنف نازک پر پڑی، وہ عروسی لباس میں ہی بستر پر گٹھری بنی سو رہی تھی اسے شاید سردی لگ رہی تھی۔۔۔حیدر نے اپنے پیچھے آہستگی سے دروازہ بند کیا۔۔۔ڈراور سے اے۔سی کا ریموٹ نکال ٹمپریچر کم کیا۔

زینب کے پیروں کے نیچے سے کمفرٹر نکال اس کے کندھوں کے برابر کرتے وہ سیدھا ہوا۔۔کچھ پل اسے یونہی دیکھتا رہا اور پھر چینج کرنے چلا گیا۔

واپس آیا تو اس کے لباس میں تبدیلی آگئی تھی وہ اب ٹراؤزر اور لوز شرٹ میں ملبوز تھا۔

اس نے کمرے کی مین لائٹ بند کی اور ڈم لائٹ اون کرتے وہ اس کے پہلو میں آ کے نیم دراز ہو گیا۔

نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔۔۔وہ فرصت سے اس کے ایک ایک نقش کو دیکھ رہا تھا۔۔۔اس کا ایک ہاتھ گال کے نیچے تھا۔۔۔چہرے پر دنیا جہاں کا چین وسکوں اتر آیا تھا۔۔اسے اتنی گہری نیند سوتے دیکھ یہ چین وسکوں حیدر کے دل میں بھی اتر رہا تھا۔۔۔ایک عہد پورا ہوا تھا عزت دینے کا لیکن ابھی بہت سے عہد باقی تھے۔۔۔اسے نہیں پتا تھا وہ کتنی دیر رات تک اسے دیکھتا رہا تھا اور کب اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوتی بند ہو گئیں تھیں۔

آج وہ معمول سے ہٹ کر کافی دیر سے اٹھی تھی۔۔۔اس نے آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کی تھی اور کچھ ہی دیر کی کوشش کے بعد اس کی آنکھیں سامنے کا منظر دیکھ پوری طرح کھل گئیں تھیں اور ذہن ایک جھماکے سے بیدار ہو گیا تھا۔

وہ اس کے برابر لیٹا اسی کی طرف کروٹ کئے خواب وخرگوش کے مزے لے رہا تھا۔۔ماتھے پر اس کے بھورے بال بکھرے تھے چہرہ پردوں سے ہلکی ہلکی آتی روشنی سے چمک رہا تھا۔۔زینب کو آہستہ آہستہ سب یاد آگیا تھا۔۔۔لیکن اس کے سمجھ نہ آئی اسے تو سلیپنگ پلس لے کر بھی کبھی اتنی گہری نیند نہیں آئی تھی اور اسے اچھے سے یاد تھا کل اس نے سلیپنگ پلس نہیں لیں تھیں تو پھر کیسے۔۔۔

وہ اتنی بے فکری کی نیند اس ملنے والی عزت کی وجہ سے سوئی تھی جو حیدر کی وجہ سے اسے ملی تھی لیکن یہ بات اس کے شعور میں نہیں تھی۔۔۔

سوچوں میں گھری وہ کمفرٹر خود سے ہٹاتی بستر سے اٹھی تھی اور اپنا عکس سامنے رکھی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دیکھ اسے ایک اور جھٹکا لگا تھا۔۔۔وہ اس قدر بھاری لباس اور جویلری میں ہی سو گئی تھی۔۔۔وہ یقین نا کر پائی۔

کیا مصیبت ہے" وہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں بڑبڑائی تھی۔"

اسے اب نئی فکر لاحق ہو گئی تھی اسے کپڑے تبدیل کرنے تھے پر وہ تو یہاں ایسے ہی آگئی تھی کپڑے تو سب اس کے گھر پر تھے۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی حیدر کی وارڈروب کے جانب بڑھی تھی اور کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے وارڈروب کھولا تھا۔۔۔ایک اور جھٹکا لگا تھا اسے۔۔۔۔وارڈروب کے دائیں طرف اس کا سارا سامان موجود تھا کپڑے کتابیں فائلز ہر چیز سلیقے سے رکھی تھی۔۔۔اس نے پیچھے مڑ حیدر کو دیکھا تھا جس کی پشت اس کی طرف تھی۔۔۔یہ سب وہی لایا تھا اور لا بھی کون سکتا تھا اس نے سوچا تھا۔

کچھ دیر لگا کہ اس نے ایک امبروئیڈری والا ڈم یلو رنگ کا سوٹ جس پر لال رنگ سے امبروئیڈری ہوئی تھی منتخب کیا اور شاور لینے چلی گئی۔

اس کے گیلے کالے بال کمر پر بکھرے تھے۔۔۔دوپٹہ کندھے پر ڈالا تھا اور وہ دائیں ہاتھ میں ٹاول لئے باتھروم سے نکلی تھی اور حیدر کو دیکھ ایک سیکنڈ کے لئے رکی اور ہمیشہ کی طرح اگنور کرتی دروازے سے ہٹ گئی۔۔۔

حیدر سامنے صوفے پر بیٹھا اسی کے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔۔حیدر کی نظر اس پر پڑی تھی اور کمر پر بکھرے اس کے سیاہ بالوں میں الجھ گئی تھی وہ کتنی ہی دیر اس کے سیاہ بالوں کو دیکھتے رہا اور بمشکل سر جھٹکتا فریش ہونے باتھروم میں گھس گیا۔

زینب نے تولئے سے بال خشک کئے۔۔۔اپنے سامان سے ہیئر برش نکالا۔۔۔بالوں میں برش کیا اور بال گیلے ہونے کی وجہ سے آدھے بالوں کو کیچر لگا کے سیٹ کر دیا۔

وہ اپنی کروائی میں اتنی مصروف تھی حیدر کی موجودگی کو نوٹ ہی نا کر سکی۔

حیدر نے ڈریسنگ پر چیک رکھا تو زینب نے چونک کے اسے دیکھا وہ باتھ لے کے آگیا تھا۔۔۔سفید کرتے شلوار میں ملبوز۔۔۔استینوں کے کف کو موڑے۔۔۔گیلے بال ماتھے پر سجے تھے وہ چہرے پر نرم تاثر لاتا اس سے کہہ تھا۔

مہر ہے تمہارا" وہ کہہ کے پلٹ گیا تھا اور چیک پر اماؤنٹ کے خانے میں موجود ہندسے دیکھ زینب کا پرا" آسمان کو چھونے لگا تھا۔

نکاح کے وقت مہر کیا بتایا گیا تھا اسے یاد نہ تھا۔۔۔جتنے بڑے باپ کا وہ بیٹا تھا اور جتنا وہ بزنس چلا چکا تھا اسے پتا تھا ایک کڑوڑ کی یہ رقم وہ دے سکتا تھا لیکن زینب کو لگا اسے ذلیل کیا گیا ہے۔۔۔اسے لگا ایک بار پھر حیدر نے اس کے منہ پر پیسے مارے ہوں۔۔۔اس نے بھی وہی کیا جو اس دن کیا تھا چیک پھاڑا اور وہیں رکھ دیا۔

حیدر جو اس کے پیچھے ہی کھڑا بال سیٹ کر رہا تھا جانتا تھا کیا ہونے والا ہے۔۔۔اس نے وارڈروب سے چیک بک نکال ایک اور چیک بنایا اور اب کے زینب کے ہاتھ میں زبردستی تھماتے ہوئے کہا۔

"میں دے سکتا ہوں تو دے رہا ہوں"

لیکن میں نہیں لے سکتی" زینب نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں سے ہٹاتے غصے سے کہا۔"

حق مہر ہے تمہارا" وہ صبح سے ہی نرمی سے بات کر رہا تھا۔"

میں نہ کوئی حق لینے کی روادار ہوں نہ دینے کی۔۔۔ میں نے اپنے تمام حق معاف کیئے تمہیں" اس نے" دوٹوک انداز میں کہتے جیسے بات ہی ختم کی تھی۔

حیدر اس کی آخری بات پر ناچاہتے ہوئے بھی مبہم سا مسکرا دیا۔

میں اپنے حق معاف کر سکتا ہوں تمہارے نہیں۔۔۔ تم معاف کرنا چاہو تب بھی نہیں۔۔۔" وہ اس" پر آنکھیں گاڑھے کہہ رہا تھا۔

دے کے تو میں تمہیں رہوں گا ایسے نہیں تو ویسے سہی" اب کی بار اس نے چیک کے ٹکرے خود کرتے" پر اسرار لہجے میں کہا تھا۔

زینب کے دل میں آیا پوچھے "کیسے "لیکن پھر یہ سوچ کہ چپ ہو گئی" دے گا تو تب ہی نہ جب میں لوں "گی اور جب میں لوں گی ہی نہیں تو دے گا کسے

زینب نے سر پر دوپٹہ لیا وہ حیدر کو دیکھ چکی تھی وہ مسلسل اس کے بالوں کو دیکھے جا رہا تھا۔ اور بیڈ پر کتاب کھول کے بیٹھ گئی جو اس نے کچھ دیر پہلے نکالی تھی۔

حیدر نے اس کے ہاتھ سے کتاب جھنپٹتے بیڈ پر پٹخی اور اس کی کلائی پکڑتے اپنے پیچھے گھسیٹتا۔۔۔۔زینب ایک دم بوکھلا گئی وہ تیز تیز چلتا اسے باہر لے آیا تھا زینب نے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا لیکن سامنے سے آتی ثانیہ بھابی کو دیکھ کے رک گئی۔

اٹھ گئے تم دونوں۔۔۔میں تم ہی دونوں کو بولانے آئی تھی ناشتے کے لئے "ثانیہ بھابی کی چلتی زبان" ان دونوں کے ہاتھ دیکھ کے رکی تھی۔

زینب نے ان کی آنکھوں کا ارتکاز کرتے اپنے ہاتھ کو دیکھا جو حیدر کی گرفت میں تھا اور پھر حیدر کو وہ مسکرا رہا تھا زینب کا دل چاہا اس کا قتل کر دے۔

آجاؤ" وہ مسکراہٹ دبانے کی ناکام کوشش میں بولیں تھیں اور ان کے آگے آگے کچھ ہی فاصلہ رکھے" چل رہیں تھیں زینب نے ناچار اپنے ہاتھ کو اس کی گرفت میں ڈھیلا چھوڑ دیا۔

ڈائننگ ہال میں آتے زینب نے دیکھا تھا سب کے چہروں پر خوشی تھی اور سب اس کا انتظار کر رہے تھے۔۔۔زینب کو حیرت ہوئی کیا اتنی بڑی محفل میں کوئی نہیں تھا انہیں بتانے کے لئے کہ وہ کس کو بہو بنا کے لے آئیں ہیں؟اور حیدر اس کا کیا مقصد ہے مجھے یہاں لانے کے پیچھے؟وہ سوچ ہی رہی تھی جب حیدر نے کرسی کھینچ کے اسے بیٹھنے کی آفر کی۔۔۔زینب بیٹھ گئی تو وہ اسی کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

حیدر نے اسے آج بھی خود سر وہ کیا تھا۔۔۔زینب سب کی مسکراتی نظریں باآسانی خود پر محسوس کر سکتی تھی۔۔۔اسے حیدر پر اب نئے سرے سے غصّہ آرہا تھا اسے کیا ضرورت تھی یہ دیکھاوا کرنے کی۔۔۔۔دیکھاوا؟ وہ اس لفظ پر رکی تھی۔۔۔۔وہ دیکھاوا کر رہا تھا نہیں وہ دیکھاوا نہیں کر رہا تھا وہ تو جب کوئی نہیں ہوتا تھا تب بھی یہی کرتا تھا۔۔۔جب حیدر کے دفع میں اس کے دل نے اس کے اعتراضات کو رد کیا تو اس نے سر جھٹک دیا۔۔مطلب وہ اس کے بارے میں کچھ اچھا نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

شام ہوئی تو ایک بار پھر محفل سجی۔۔۔وہ ایک بار دلہن بنی۔۔۔۔بے بی پنک کلر کی میکسی جس پر سلور رنگ سے کام ہوا تھا میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔۔۔یہ طے کرنا مشکل تھا کہ اس کا حسن کل اس شوخ رنگ میں زیادہ اٹھ رہا تھا یا آج اس ہلکے رنگ میں۔۔۔۔وہ اسٹیج پر بیٹھی تھی اور اس کے گرد لڑکیوں کا ہجوم لگا تھا جن میں رانیہ اور نور بھی شامل تھیں۔۔۔۔ایک بار پھر لوگوں سے وینیو بھرا پڑا تھا لیکن اس بار بم کسی اور پر گرنا تھا جو اس محفل میں موجود تھا اور خوش تھا اور آج یہ خوشی ہوا ہونی تھی۔

عاشی" عبّاس عالَم نے زینب کے پاس بیٹھی عائشہ کو آواز لگا اپنے پاس بلایا تھا۔"

جی بابا۔۔۔ آئی" عائشہ کہتے ساتھ اپنی گلابی رنگ کی فوراک جس پر گولڈن کام جگہ جگہ ہوا"
تھا سنبھالتی ہوئی اسٹیج سے اتر ان کے پاس پہنچ گئی۔

بیٹا آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے" وہ تمہید باندھ رہے تھے۔"

جی کہیے" اس نے تمام تر توجہ ان کی طرف ملبوز کی۔"

ہمارے تین بچوں کا تو ہم نے فرض ادا کر دیا اب ہم آپ کا فرض بھی ادا کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ آپ کا"
ایک پروپوسل آیا ہے اور ہمیں بہت پسند ہے اگر آپ اجازت دیں تو ہم بات آگے بڑھائیں" وہ اس سے
اس کی رضامندی مانگ رہے تھے۔

عائشہ انہیں منع نہیں کر سکتی تھی وہ احسان فراموش نہیں تھی لیکن اس لمحے اسے بے تحاشا رونا آیا تھا وہ
جو نہیں کرنا چاہتی تھی پتا نہیں کیوں لیکن اسے وہی کرنا پڑتا تھا۔

"جیسے آپ بہتر سمجھیں بابا"

آپ خوش تو ہیں" وہ اطمینان کرنا چاہتے تھے۔"

جی" اس نے مصنوئی مسکان لبوں پر سجائی۔"

ان سے ملو یہ ہیں علی احمد حیدر کے دوست پروپوسل ان ہی کی طرف سے آیا ہے۔۔۔ آپ دونوں"

بات کریں آئی ول جوائن یو لیٹر "عبّاس عالَم نے عائشہ کے پیچھے کھڑے علی سے اس کا تعارف کرایا اور

اپنے کسی کولیگ کے بلانے پر وہ ان سے ایکسکیوز کرتے چلے گئے۔

آپ" وہ حیرت زدہ سی اسے دیکھ رہی تھی جس نے بلیک رنگ کی ٹی۔شرٹ پر گریئش رنگ کا کوٹ"

پینٹ پہن رکھا تھا۔ آج ان دوستوں کی تھیم یہی تھی وہ سب اسی لباس میں ملبوز تھے۔

جی بلکل میں "اس نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا اور مسکرایا۔"

میں۔۔۔۔" وہ بولتے بولتے رکی تھی اور تیزی سے وینیو سے باہر کے لئے نکل گئی۔"

علی کو سمجھ نا آیا ہوا کیا۔۔ وہ پریشان سا اس کے پیچھے لپکا۔

عاشی" وہ سنسان سڑک دیکھ پکارا تھا۔"

عائشہ نام ہے میرا" وہ بر خلاف غصّے سے دھاڑی تھی۔"

ہوا کیا ہے" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔"

"کیا ہوا ہے!!!! میں نے آپ کو منع نہیں کیا تھا کہ مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی"

نہیں "ماتھے پر شکنے ابھریں تھیں۔۔۔۔ دل ہی دل میں وہ یہ سوچ مسکرایا تھا۔۔۔ اسے معلوم تھا کہ "

میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

"ہاں تو میں اب بتا رہی ہوں مجھے آپ سے یا کسی سے بھی شادی نہیں کرنی۔۔۔"

کیوں" وہ بیچ ہی میں بول پڑا۔"

میری مرضی" اس نے زور دیا تھا اپنے لفظوں پر۔"

اب آپ جا کر انکار کر دیں عبّاس بابا کو" وہ حکم دے رہی تھی۔"

علی نے گردن نفی میں ہلائی تو عائشہ نے اپنے غصّے کو ضبط کرتے پوچھا۔

"کیوں"

میری مرضی" وہ کہتے ساتھ مسکرایا تھا۔۔۔ کمینگی سے کم از کم عائشہ کو تو ایسا ہی لگا۔"

ہر وقت مذاق ہر وقت مذاق۔۔۔ آپ نے زندگی کو مذاق سمجھ رکھا ہے کوئی کھیل تماشا ہے یہ سب" آپ کے لئے۔۔۔ آپ کبھی سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔۔۔ آپ کے لئے سب کچھ بہت آسان ہے۔۔۔ جا کے کہہ دیا عائشہ سے شادی کرنی ہے مجھ سے پوچھا آپ نے میں کیا چاہتی ہوں۔۔۔ نہیں نہ لیکن میں بتا دیتی ہوں آپ کو میں آپ جیسے غیر سنجیدہ غیر ذمدار آدمی سے شادی نہیں کرنا چاہتی نہ میں کروں گی" وہ رو رہی تھی کیوں وہ نہیں جانتی تھی پر اس کے آنسو علی کو چپ کرا گئے تھے۔

اس کی کلائی اور بستر خون میں تر تھے۔۔۔اس کے اپنے خون سے تر۔۔۔وہ جب اس کو پکارتے اس کے کمرے تک آیا تو ایک شدید خوف کی لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔۔۔اس نے ایسا کیوں کیا تھا اسے سمجھنے میں بس کچھ وقت لگا تھا۔۔۔اور پھر جیسے وہ محبّت نامی جذبے سے اتنی نفرت کرنا چاہتا تھا کہ اس کی یہ نفرت محبّت کو جھلسا دے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔۔۔۔لیکن وہ ایسا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تھا۔۔۔۔

کائنات کی ہر شئے اپنے مدار میں گھومتی ہے اور جب کوئی شئے اپنے مدار سے نکل جائے تو صرف تباہیاں اس کا مقدر بنتی ہیں۔۔۔وہ محبت کرتے کرتے اس کے مدار سے نکل گئی تھی تو کیوں تباہی اس کا مقدر نہیں بنتی۔۔۔مانا کے محبّت کا غم روح کو وہ اذیت دیتا ہے جو کوئی اور جذبہ نہیں دیتا لیکن یہ اتنی بھی ناقابلِ برداشت نہیں کہ ہم خود کو نہ زمین کا چھوڑیں نہ آسمان کا۔

یہ ڈریسنگ روم تھا حاشر کو یہاں ایک بچا یہ کہہ کے لیا تھا کہ کوئی اسے بلا رہا ہے پر یہاں تو کوئی نہیں تھا۔وہ اس بچے سے پوچھنے کے لئے موڑا تھا پر وہ بچا پہلے ہی وہاں سے بھاگ گیا تھا۔

وہ جانے ہی لگا تھا کہ اپنے پیچھے چوڑیوں کی آواز سن وہ ہلکا سا مڑا۔

وہ سامنے بیٹھی تھی سفید رنگ کی چھوٹی کمیز میں زیب تن کئے جس پر گولڈن گوٹے کا کام ہوا تھا جو گھٹنوں تک آرہی تھی اور اس پر اس نے گھیر دار پلازو پہنا تھا۔۔۔ سفید رنگ کا ہی دوپٹہ اس کے شانوں پر سلیقے سے سیٹ تھا۔۔۔ ہاتھ میں گولڈن اور سفید رنگ کی چوڑیاں موجود تھیں۔۔۔ اس لڑکی کو دیکھ حاشر نے نکلنے کی۔۔۔ لیکن وہ پہلے ہی بول پڑی۔

"میں نے ہی بلایا تھا آپ کو"

جی "اسے چار ناچار رکنا پڑا۔"

مجھ سے شادی کریں گے۔۔۔ جواب سوچ سمجھ کر دیجے گا کیوں کہ یہ پستول آٹومٹک ہے اور نہ لفظ سنتے" ہی چل پڑتی ہے "اشہل نے پستول ٹیبل کے اوپر رکھ کے حاشر سے کہا۔

سوال انتہائی غیر متوقع تھا حاشر کی حیرت بجا تھی۔

آپ مجھے پرپوز کر رہیں ہیں وہ بھی دھمکی دے کے "وہ سنبھال چکا تھا ریلیکس سے انداز میں پوچھ رہا" تھا۔

یا اکزیکٹلی میں آپ کو دھمکی ہی دے رہی ہوں اور جہاں تک رہی پرپوز کرنے کی بات تو وہ میں کیوں" "کرنے لگی میں تو آپ کے ہی بھلے کی بات کر رہی ہوں

اور بھلا اس میں میرا کیا بھلا ہے "اس نے جاننا چاہا۔"

آپ کو کوئی اپنی لڑکی دینے سے رہا تو میں نے سوچا کیوں نہ یہ سوشل ورک میں ہی کرلوں" وہ مانو اس سے شادی نہیں کررہی تھی احسانِ عظیم کررہی تھی۔

"میں آپ سے شادی کیوں کروں گا؟"

مجھ سے شادی کی دو وجوہات ہیں آپ کے پاس اول تو یہ کہ آپ کو اپنی جان عزیز ہے اور دوسری یہ کہ میں ایک اچھی بیوی ثابت ہوں گی کیوں کہ مجھے اچھا پکانا آتا ہے اور اچھا صفایا کرنا آتا ہے" اس نے اپنی قابلیت کے جھنڈے گاڑھے۔

صفایا۔۔۔صفائی" حاشر نے تصیح کی۔"

جی وہی" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔"

زندگی میں پہلی بار میں ایک ایسی لڑکی دیکھ رہا ہوں جو گن پائنٹ پے پروپوسل قبول کروا رہی ہے" وہ اس کے انداز سے مرعوب لگ رہا تھا۔

پہلی اور آخری بار اور اگر آپ کا جواب مثبت نہ ہوا تو آپ دنیا بھی آخری بار ہی دیکھ رہے ہوں گے" وہ بتا رہی تھی وہ علی کی ہی بہن تھی۔

وہ تو میں ہاں کروں یا نہ دونوں صورتوں میں ہی آخری بار دیکھ رہا ہوں" وہ پھنس گیا تھا ہاں کرتا تو علی مار دیتا نہ کرتا تو یہ چڑیل مار دیتی۔

تو آپ بھائی سے کب بات کر رہے ہیں ہماری شادی کی" وہ ساری بات آج ہی فائنل کرنا چاہتی تھی۔"

میں کیوں بات کروں گا آپ خود ہی کریں"اس نے جان چھوڑانی چاہی۔"

میں بھائی سے اپنے ہی رشتے کی بات کرتی اچھی لگوں گی؟"اس نے ہاتھ سر پر مار اس کی عقل پر ماتم کیا۔"

مجھے اس طرح پروپوز کرتی آپ اچھی لگ رہی تھیں؟"اس نے سوال کے بدلے سوال کیا۔"

یہ تو آپ بتائیں گے" وہ ڈرامائی انداز میں دوپٹہ منہ میں دباتی شرمائی تھی۔"

حسین چڑیل" وہ بڑبڑایا۔۔۔ مسکرایا اور ڈریسنگ روم سے نکل گیا۔"

ونیو سے واپسی پے ایک عجیب خاموشی حائل تھی سارے راستے۔۔۔جہاں کل کا سفر ہنسی مذاق لطیفوں چھیڑ چھاڑ میں کٹا تھا زینب کا آج وہیں بکل خاموشی تھی۔۔۔حیدر کے چہرے پر بلا کی سنجید گی دیکھی تھی زینب نے۔۔۔لمحے لگے تھے زینب کو جاننے میں۔۔بات جو اب تک چھپی رہی تھی سب سے۔۔۔اب کسی سے نہ چھپی تھی۔۔۔وہ جوش اور خلوص کل تک تھا زینب کے لئے آج معدوم ہو گیا تھا۔۔۔ایک نیا امتحان تھا اس کے ضبط کا جو شروع ہونے کو تھا۔۔۔لیکن اب وہ اکیلی نہیں تھی حیدر ساتھ تھا اس کے ہر قدم پر۔

میری الجھنیں

ایک کے پیچھے ایک شاندار گاڑیاں عباس مینشن کے پورچ میں داخل ہوئیں اور اسی طرف سب ایک ایک کر ولیمے کی دلہن کو اکیلا چھوڑ اندر چلے گئے سوائے حیدر کے۔

حیدر اب بھی ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا اور پیچھے وہ بیٹھی اسے منصوبے اب سمجھنے لگی تھی۔۔۔ کیوں اس سے شادی کی تھی۔۔۔ کیوں وہ اسے یہاں لے کے آیا تھا۔

زینب نے کھسک کے دروازے کا ہینڈل تھاما لیکن اس سے پہلے وہ دروازہ کھول پاتی حیدر نے پہلے ہی کھول دیا اور اپنی ہتھیلی آگے بڑھائے وہ اس کی مدد کے لئے کھڑا تھا۔۔۔ زینب نے ایک نظر اسے دیکھا اس کے چہرے پر تھکا تھکا سا تاثر تھا اور پھر اس نے نظریں پھیر لیں۔۔۔ اپنی میکسی کا گھیر اوپر اٹھاتی وہ باہر آ نکلی۔۔۔ حیدر نے آہستگی سے اپنا ہاتھ پیچھے کیا اور پینٹ کی جیب میں ڈال دیا۔

وہ گر جانے کے ڈر سے چھوٹے چھوٹے قدم لے رہی تھی اور حیدر اس کے ساتھ قدم ملا کر چل رہا تھا۔

اپنے کمرے میں آتے ہی حیدر نے وارڈروب سے ٹراؤزر اور شرٹ نکالی اور باتھروم میں گھس گیا۔ اس کے واپس آنے تک زینب اپنی جیولری اتار چکی تھی اور اپنا سادہ سا کالے رنگ کا لباس ہاتھ میں لئے حیدر کے باہر آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ باہر آیا تو زینب چینج کرنے چلے گئی جب واپس آئی تو کمرے میں کہیں بھی نظر نہ آیا۔۔۔ اسے تھکن محسوس ہو رہی تھی اپنے دماغ میں اٹھتے سوالوں کو ایک طرف کرتی وہ بستر پر کمفورٹر تان کر سو گئی۔

رات کافی دیر وہ کمرے میں آیا تو زینب کو سوتا پایا۔۔۔ وہ چاہتا بھی یہی تھا اسی لئے کمرے سے چلا گیا تھا۔۔۔ اپنی سائیڈ سنبھلاتا وہ اسے آج پھر فرصت سے تک رہا تھا جو اس کی نیندیں اڑاتی مزے سے سو رہی تھی۔

کہاں محترمہ کو نیند نہیں آتی تھی اور کہاں اب یہ میرے بستر پر بے فکری سے سو رہی ہیں۔۔۔ وہ سوچتے ہوئے مبہم سا مسکرایا۔

میں تمہاری زندگی سے سارے رتجگے مٹا دوں گا۔۔۔ تمہیں اپنی پناہوں میں لیتے میں تمہارا اگلاف بن جاؤں گا تمہاری پاکیزگی پے کسی کے کہے گند جملوں کی گرد نہیں لگنے دوں گا۔۔۔ تمہیں میرے لباس بنایا گیا ہے میں اس پر داغ نہیں لگنے دوں گا۔۔۔ رات کی یہ تاریکی یہ خاموشی گواہ ہے حیدر عبّاس اپنے وعدوں سے پھرنے والا نہیں میں تم سے کیا ہر وعدہ نبھاؤں گا" وہ تصور میں اس سے مخاطب

تھا۔۔۔اس کی آنکھیں نیند سے خالی تھی جیسے نیند چرا لی ہو کسی حسین خواب کی تعبیر نے۔۔۔۔جیسے وہ ان لمحوں کو کھونا نہ چاہتا ہو جو لمحے اس کے ساتھ تھے۔۔۔جن لمحوں میں وہ اس کے ساتھ تھی۔۔۔وہ اس کے علاوہ فل وقت کچھ اور نہیں سوچنا چاہتا تھا اسی لئے وہ وہی کر رہا تھا جو اس کی چاہت تھی۔۔اسے سوچ رہا تھا۔۔۔اور انہی لمحوں کے دامن میں اس کی محبّت نے ایک دریچہ عبور کر لیا تھا اور زینب کی محبّت پانے کے لئے ابھی بہت سے دریچے عبور کرنے باقی تھے۔

اس بات کو کھولے آج دو دن ہو گئے تھے اور ان دونوں دنوں میں عبّاس مینشن میں وہی خاموشی چھائی تھی جس کا آغاز ولیمے کی واپسی کے روز ہوا تھا۔

ان دو دنوں میں اگر زینب سے کسی نے بات کی تھی تو وہ احد سعید عبّاس تھا جس سے زینب کی بہت اچھی دوستی ہو چکی تھی۔

ابھی بھی وہ اس کا ہاتھ پکڑے اسے اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے جا رہا تھا کیوں کہ اسے اپنے ٹوائس اپنی اسکول بکس ویڈیو گیمز اور اسی طرح کی کئی چیزیں زینب کو دکھانی تھیں۔

وہ پر جوش انداز میں اس کے ساتھ چلتے اپنے نئے ویڈیو گیم کی خاصیت اور تفصیلات اسے بتا رہا تھا جسے زینب پوری توجہ سے سن رہی تھی۔

کیچ می زینی" وہ کہتے ہی دائیں طرف بھاگا تھا۔"

احد" اس نے تقریباً احد کے پیچھے لپکتے ہوئے آواز لگائی تھی لیکن اسے دیر ہو گئی تھی وہ منظر سے غائب" ہو چکا تھا۔

زینب پریشان سی کھڑی تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کون سی جانب راہ لے کیوں کہ یہاں دو راستے نکلتے تھے ایک دائیں اور ایک بائیں۔۔۔ تھوڑی دیر اور سوچتے رہنے کے بعد اس نے دائیں جانب اپنے قدم بڑھائے۔۔۔ یہاں ایک صف میں کمروں کی قطار موجود تھی جن کے درمیان اچھا خاصا فاصلہ حائل تھا۔

زینب ایک کے بعد ایک کمرے کے آگے سے گزر رہی تھی اور بہت آہستہ سے اسے پکار رہی تھی لیکن احد کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔

پھر ایک آواز نے زینب کے قدم جکڑ لئے تھے۔

تمہاری عقل کیا گھاس چرنے گئی تھی جو تم نے اس لڑکی سے شادی کر لی جانتے ہو کتنا نقصان ہوا ہے" ہمیں بزنس میں کتنے لوگ ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں کہ ہمیں پتا ہی نہیں تھا جس لڑکی کو ہم خوشی خوشی بیاہ کر گھر لائے تھے اس کا خون کیسا ہے تم نے شادی کرنی تھی کر لی اب اسے چھوڑ دو" وہ غصّے سے بھرے

اسٹڈی میں حیدر سے مخاطب تھے ان کے غصّے کا گراف کہاں تک پہنچا ہوا تھا زینب ان کی آواز میں پیدا ہونے والے ارتعاش سے بخوبی اندازہ لگا سکتی تھی۔

جو اگلی آواز زینب کی سماعتوں سے ٹکرائی وہ حیدر کی تھی عبّاس صاحب کے برعکس اس کا لہجہ اور انداز دونوں ہی پر اطمینان تھے۔

عشق عقل کو مات دے دیتا ہیں اس میں خسارہ اور نفع نہیں دیکھا جاتا۔۔۔میرا ساتھ اس کا رشتہ میری" سانسوں کے ساتھ بندھا ہے جس دن یہ سانسیں ٹوٹ گیں یہ رشتہ بھی ٹوٹ جائے گا اب آپ میری "موت کی دعا کریں

وہ جو گردن جھکائے انگلیوں کو مسلتی دروازے سے کان لگائے کھڑی تھی اس نے کرنٹ کھا کے بند دروازے کو دیکھا۔۔۔وہ سامنے نہیں تھا پر آواز تو اسی کی تھی لیکن وہ کیا اور کیوں بول رہا تھا زینب کی سمجھ سے باہر تھا۔۔۔اسے لگا حیدر عبّاس پاگل ہو گیا ہے پہلے نکاح کیا پھر اپنے گھر لے آیا اور اب یہ نیا قصہ شروع کر کے بیٹھ گیا ہے۔۔۔

حیدر بکواس مت کرو مجھ سے" وہ تڑپے تھے لیکن انہوں نے درشتگی سے کہتے حیدر کو جھاڑا تھا۔"

بکواس نہیں ہے سچ ہے" اس کے لہجے میں عجیب سا کچھ تھا جو بار بار زینب کو ٹھٹکا رہا تھا اور عبّاس عالَم کو" بھی۔۔۔ وہ چپ سے اسے دیکھے گئے جو گرینش ڈنر سوٹ میں ملبوز دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے کھڑا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

عبّاس عالَم کی آج ایک ڈیل ڈن ہونی تھی جو ان کے لئے بہت معنٰی رکھتی تھی لیکن اینڈ ٹائم پر مطلوبہ کمپنی کے اونر نے ڈیل کرنے سے انکار کر دیا وجہ پوچھنے پر انہوں نے بہت ہی چھبتے ہوئے لہجے میں عبّاس عالَم سے انکی بہو کا ذکر جن لفظوں میں کیا عبّاس عالَم اپنا غصّہ کنٹرول نہ کر سکے اور آفس میں کتنے ہی امپلوئس سے ان کی منہ ماری ہو گئی۔۔۔ وہ وقت سے پہلے گھر پہنچ گئے اور حیدر کو کال کر سائٹ سے فوری گھر آنے کا کہا اور اب وہ ان کے سامنے ہر سوال کا جواب لئے کھڑا تھا۔

ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں سب کچھ آپ کی اجازت سے ہی ہوا ہے" عبّاس عالَم کی گھوریوں سے ڈسٹرب" ہوتے اس نے بینا سوچے کہا تھا۔

تم نے جھوٹ بول کے اجازت لی تھی" انہوں نے یاد کرایا تھا۔"

جھوٹ نہ بولتا تو آپ کر دیتے اس سے میری شادی" وہ اپنے جھوٹ بولنے کی وجہ بتا رہا تھا۔"

ہرگز نہیں" ان کا انداز قطعی تھا۔"

اسی لئے بولا" اس نے جتاتی نظر باپ پر ڈالی۔"

تم نے کرلی شادی ہم نے کر دی تمہارا شوق پورا ہو گیا اب اسے چھوڑ دو" وہ منانے لگے تھے اسے لفظوں سے یہی لگتا لیکن آواز میں اس کی کوئی رمق شامل نہیں تھی کیوں کہ وہ اسے شہہ نہیں دینا چاہتے تھے۔

"شوق پورا کرنے کے لئے نہیں کی اس سے شادی عشق پورا کرنے کے لئے کی ہے"

زینب اب اس کے عجیب قسم کے اعترافات سے جھنجلا رہی تھی یا تو وہ پاگل تھا یا اپنے باپ کو بنا رہا تھا۔

محبوباؤں کے لیے بھی مرد اتنے پاگل نہیں ہوتے جتنے تم بیوی کے لئے ہو رہے ہو۔۔۔۔زندگی میں" پہلی بار میں ایسا مرد دیکھ رہا ہوں" وہ اپنی حیرت زیادہ دیر چھپا نہیں سکے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہم گھنٹوں یونیورسٹی کے باہر کھڑے ہو کر گرل فرینڈ کا تو انتظار کر سکتے ہیں پر" بیوی کا نہیں بیوی دیر سے آئے تو ہم اسے جھڑکنے لگتے ہیں جب کہ گرل فرینڈ کے دیر سے آنے پر ہمیں کتنا بھی گراں کیوں نہ گزرے ہم اسے ناراض کرنے کا رسک نہیں لے سکتے بلکہ اسے خوش کرنے کے لیے دنیا بھر کے تحائف پیش کئے جاتے ہیں پر بیوی کے لیے شوہروں کی جیب ہمیشہ ہی خالی ہوتی ہے۔۔۔۔بیوی کو ہمارا لباس بنایا گیا ہے ہماری روح کا حصہ بنایا گیا ہے لیکن اسے ہم صرف پیر کی جوتی سمجھتے ہیں خیر یہ ایک الگ بحث ہے حیدر بغیر حق کے کوئی کام نہیں کرتا پر عشق ہو گیا تھا اس کی ذات سے بغیر کسی حق کہ تو اپنا بنا لیا اب سے قیامت تک وہ صرف حیدر عباس کی ہے صرف میری آپ کہہ رہے

تھے کہ میں اس کے لیے پاگل ہوں آپ غلط کہہ رہے تھے میں اس کے لیے بری طرح پاگل

"ہوں۔۔۔۔ آئی لؤ ہر میڈلی۔۔۔ سکلی۔۔۔ کریزلی

I love her madly sickly crazily

اندر جہاں عبّاس عالَم ششدہ ہو گئے تھے تو باہر زینب کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔۔ بلکہ اس کی تو دنیا ہی گھومنے لگی تھی جب سے یہ شخص اس کی زندگی میں آیا تھا۔۔۔۔ اس نے گھومتے ہوئے سر کے ساتھ اپنے کمرے کی راہ اختیار کی۔

وہ جب سے کمرے میں آئی تھی حیدر کے کہے جملے میں الجھی تھی۔۔۔ وہ کیا کر رہا تھا اور کیوں زینب کے لئے سمجھنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔

شوق پورا کرنے کے لئے نہیں کی اس سے شادی عشق پورا کرنے کے لئے کی ہے

عشق "اس کی آواز سماعت سے باہر تھی۔"

ایسا کیسے ہو سکتا ہے" دماغ نے دلیل چاہی۔"

وہ جھوٹ بول رہا ہے" دلیل دی گئی۔"

پر وہ کیوں جھوٹ بول رہا ہے" وہ سوچنے لگی۔"

وہ۔۔۔وہ ناٹک کر رہا ہے سب ڈرامہ ہے تا کہ۔۔۔ تا کہ وہ اپنی جھوٹی محبّت کے جال میں مجھے پھنسا" سکے اور جب میں یقین کرلوں کہ وہ سچ کہہ رہا ہے تو وہ مجھے ایک جھٹکے سے زمین پر پٹخ مجھے میری اوقات بتائے۔۔۔ہاں وہ یہی کرے گا۔۔وہ یہی کر سکتا ہے اور یہی کر رہا ہے"زینب نے پورا پزّل

حل کر لیا تھا۔۔۔ ہر بات سمجھ میں آگئی تھی اسے جب ہی دروازہ کھولتے حیدر آیا تھا اور بیڈ پر بیٹھی زینب کو دیکھا تھا جو لون کے سمپل گرین سوٹ میں ملبوز تھی لیکن چہرے پر گلابیاں بکھریں تھیں۔

حیدر نے اس پر سے نظر تو ہٹالی تھی پر وہ کیوں لال پیلی ہو رہی تھی وہ سوچنے لگا اور ساتھ ہی اس نے کوٹ اتار صوفے پر ڈالا کف موڑے اور صوفے پے بیٹھ وہ اپنے جوتے اتارنے لگا۔

تمہیں کیا لگتا ہے مجھے نہیں پتا کہ تم نے مجھ سے اس طرح سے شادی کیوں کی ہے؟" زینب حیدر کے سر" پر کھڑی اس سے سوال کر رہی تھی۔

موزے اتارتے حیدر کا ہاتھ رکا اس نے سیدھا ہوتے اپنے سامنے کھڑی اپنی بیوی کو دیکھا جو آج واقعی "بیوی" لگ رہی تھی شوہر کے گھر آتے ہی شروع ہو گئی تھی۔

اچھا۔۔۔ کیوں کی ہے؟" وہ ریلیکس سا ایک ہاتھ صوفے پر پھیلائے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور اس سے" کا شکر ادا کیا۔ پوچھنے لگا اور ساتھ ہی زینب کی چپی ٹوٹنے پر اللہ

تا کہ تم مجھے۔۔۔۔ تکلیف پوھنچا سکو" زینب نے اٹکتے ہوئے بات بدلی تھی اب یہ تو نہیں کہہ سکتی" تھی کہ تمہارے سنہرے اقوال سن لئے تھے آخر کو یہ ایک غیر اخلاقی حرکت تھی اور وہ ابھی اس پر کچھ واضح بھی نہیں کرنا چاہتی تھی کیوں کہ اب تک حیدر نے اس سے اس قسم کا کوئی اظہار نہیں کیا تھا۔

اوہ گریٹ۔۔۔ تم تو کافی زہین ہو" حیدر نے تالی بجا کے زینب کو سراہا۔۔ مقصد صرف اسے تنگ کرنا تھا

مسٹر حیدر عباس یہ مت بھولنا کہ صرف میں ہی اس رشتے سے بندھی ہوں تم بھی ٹھیک اسی طرح اس" رشتے سے بندھے ہو جسے کے میں۔۔۔ اسی لیے کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے یہ سوچ لینا کے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں اور یہ کہ یہ مت سوچنا کہ زینب سے شادی کر کے تم نے کوئی مار کا حل کر لیا ہے تم نے اپنے سر پر بلا خود بیٹھائی ہے" زینب نے دل کشی سے مسکراتے ہوئے اپنے ہاتھ سینے پے باندھ لئے اور کہا۔

وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔۔۔ چند سیکنڈ اسے دیکھتا رہا پھر دو قدم اس کی طرف بڑھائے اور زینب کے کان کے پاس جھکتے ہوئے کہا۔

"سر پر نہیں دل کے تخت پر بٹھائی ہے"

زینب نے اس کی اس حرکت پر بے اختیار پیچھے کی طرف دو قدم لئے۔۔ ایک پل کے لئے اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات آئے اور پھر ان کی جگہ غصّے نے لے لی۔

"تم مجھ سے ایسے بات نہیں کر سکتے "

کیسے بات نہیں کر سکتا" حیدر جان بوجھ کے انجان بن رہا تھا۔ "

ایسے ہی جیسے تم کر رہے ہو" زینب نے چبا چبا کر کہا۔"

کیسے کر رہا ہو" حیدر کی اداکاری عروج پر تھی۔"

تم اتنے نہ سمجھ بھی نہیں ہو جتنا بننے کی کوشش کر رہے ہو تم مجھ سے فلرٹ نہیں کر سکتے۔۔۔ فلرٹی" آدمی" زینب نے غصے سے کہا اور لقب بھی دے دیا۔

فلرٹ کون کر رہا ہے میں تو اظہارِ محبّت کر رہا ہوں" وہ صافگوئی سے بولا۔"

اپنی سو کالڈ محبت تم اپنے تک ہی رکھو اور اگر تمہیں ایسا لگتا ہے کہ تمہاری اس جھوٹی محبت کے اظہار سن" میں نابیناؤں کی طرح ایمان لے آؤں گی اور تمہارے آگے بچھی چلی جاؤں گی تو ایسا بلکل بھی نہیں ہے وہ دن کبھی نہیں آئے گا جب میرا دل تم جیسے کے لئے دھکڑنے لگے" وہ اعتماد سے بولی۔

وہ دن ضرور آئے گا" وہ اسکی آنکھوں میں گہرائی تک دیکھتا۔۔۔۔بے یقینی کی حد تھا یقین سے بولتا" زینب کے اندر سنسنی دوڑا گیا تھا۔

زینب اس کی بات سے زیادہ اس کے انداز سے اور انداز سے زیادہ اس کی آنکھوں میں موجود آتش سے خوفزدہ ہو گئی اور سیکنڈ ضائع کئے بغیر واک آوٹ کر گئی۔

کمرے سے آ تو گئی تھی پر اب وہ اکیلے ڈائننگ ہال میں جانے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔۔۔۔وہ کوریڈور میں کھڑی انگلیوں مروڑتی سوچ رہی تھی جائے یا نہیں جائے۔۔۔اس نے سوچ لیا تھا اسے

واپس کمرے میں ہی جانا تھا وہ موڑی سامنے وہ کھڑا تھا دروازہ کھولے ترو تازہ سا۔۔۔ وہ شاید باہر ہی نکل رہا تھا اسے اپنے ساتھ لئے ڈائننگ ہال میں لے آیا۔۔۔ عبّاس عالَم نے ایک اچٹتی نگاہ ان پر ڈالی۔۔۔ فائزہ بیگم نے کرسی پر ناگواری سے پہلو بدلہ۔۔۔ سعید عبّاس نے بھی باپ کی طرح ان پر ایک نظر ڈالی لیکن یہ نظر نرم تاثر لئے تھی۔۔۔ ثانیہ بھابی اسے دیکھ مدھم سی مسکرائیں تھیں وہ اتنے دنوں میں ایسی کئی مسکراہٹوں کا تبالہ کر چکی تھیں لیکن زینب کو مخاطب ایک دفع بھی نہیں کیا تھا۔ یہاں اگر زینب کو دیکھ کے سچی خوشی کسی کے چہرے پر آئی تھی تو وہ احد تھا۔

کھانا کھانے کے بعد سب معمول کی طرح اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے۔۔۔ زینب نے روز کی طرح کپڑے چینج کئے اور بیڈ پر جا بیٹھی کچھ دیر سوچنے کا شغل فرمایا اور پھر وہ سونے کے لئے لیٹ گئی۔۔۔ کچھ دیر بعد کسی آہٹ پر اس کی آنکھ کھولی تو سامنے اسی کا چہرہ پایا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

تم۔۔۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ جھٹکے سے کمفورٹر خود سے ہٹاتی کھڑی ہو گئی تھی۔"

سونے کی کوشش" وہ معصومیت سے بولا۔"

لیکن تم یہاں کیوں سو رہے ہو؟" وہ پریشان لگ رہی تھی۔"

کیوں کہ زندگی کے ستائیس سال میں یہیں سویا ہوں سو اس لئے آج بھی یہیں سوؤں گا" اس نے کونی" بیڈ کی سطح پر جمائے ہاتھ کی مدد سے سر کو اوپر کیا تھا۔

زینب اب اس بات پر تو کچھ نہیں کہہ سکتی تھی کیوں کہ یہاں وہ صحیح تھا جگہ اس کی تھی زینب کی نہیں اس نے چپ چاپ بیڈ سے اپنا تکیہ اٹھایا اور کارپیٹ پر لیٹ گئی۔

وہ اسے پہلے گھورتا رہا اور پھر ایک مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

اسنے بیڈ سائیڈ سے اپنا موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔

السلام علیکم کون" دوسری طرف جو کوئی بھی تھا اب اس کا تعارف چاہ رہا تھا۔"

کال پر چونکہ سپیکر پر ڈالی گئی تھی اسی لئے یہ آواز زینب کی سماعتوں سے بھی ٹکرائی تھی۔۔۔وہ سیکنڈ ضائع ہونے سے پہلے آواز پہچان گئی تھی۔

میں حیدر عبّاس بات کر رہا ہوں رانیہ "اس نے زینب کو سنانے کے لئے رانیہ کا نام لیا۔"

آپ۔۔۔"حیرت اور ناگواری اس کے لہجے سے عیاں تھی۔"

جی میں۔۔۔"اس کا جملہ سنے بغیر ہی وہ پریشانی سے بولی تھی۔"

"زینب ٹھیک تو ہے"

جی الحمد اللہ آپ کی دوست بلکل ٹھیک ہیں دراصل میں نے آپ کو کچھ بتانے کے لیے کال کی تھی"""

حیدر زینب کو دیکھتے ہوئے بول رہا تھا جو ابھی تک دوسری طرف کروٹ کئے لیٹی تھی۔۔۔۔

سو نہیں رہی اس کا تو پکا پتا ہے لیکن اٹھ کے کیوں نہیں آرہی؟"اس نے سوچا اور لب کاٹنے لگا۔"

جی کہیں" وہ لٹھ مار انداز میں بولی۔"

مجھے یہ بتانا تھا کہ احمر نے میری مد۔۔۔"اور اس سے آگے حیدر کچھ بولتا زینب تن فن کرتی اس کے" پاس آئی اور موبائل اس کے ہاتھ سے چھین کال ڈسکنیکٹ کر موبائل بیڈ پر اچھال دیا۔

تمہاری اس حرکت کا مقصد جان سکتی ہوں میں؟"وہ چیخی تھی۔"

یہاں آکے سو جاؤ"اس نے بیڈ کی دوسری سائیڈ کی طرف اشارہ کیا اور پیروں پر کمفورٹر کو برابر کرنے" لگا۔

زینب اپنا کیا سوال یکسر بھول گئی تھی۔

یہ تمہارا بیڈ ہے تو تم ہی سو یہاں" وہ کہتے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔"

ہاں تو تم بھی میری ہو" وہ بغیر کسی تحمل کے بولا۔"

وہ رکی پلٹ کر اسے دیکھا ماتھے پر شکنوں کا جال تھا۔

پہلے باپ سے اول فول بک رہا تھا پھر مجھ سے پہلی دفع بکواس کی اور اب یہ پھر شروع ہو گیا ہے کہیں یہ""" اس نے اپنی سوچوں پر بریک لگاتے ان کو الفاظ کی صورت حیدر کے آگے پیش کیا۔

تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نشہ واشا تو نہیں کر کے آئے"اس نے متلاشی نظروں سے دیکھتے اس سے" پوچھا۔

اس کی بات سن اس کے چہرے پر ایک جاندار مسکراہٹ ابھری۔

کر کے آنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو تمہیں دیکھ کے خود ہی چڑھ جاتا ہے" اس نے کہتے ساتھ آنکھ "

دبائی۔

کوئی سو۔۔۔ نہیں۔۔۔ بلکہ انگنت گھٹیا لوگ مارے ہوں گے تب جاکے تم پیدا ہوئے ہوگے "وہ"

حقارت سے بولی تھی۔

اگر تم چاہتی ہو میں مزید گھٹیا پن کا مظاہرہ نہ کروں تو یہاں آکے سو جاؤ" اب کے وہ سنجیدہ ہوا تھا۔ "

کیا مطلب "وہ تیکھی نظروں سے اسے گھورتی پوچھ رہی تھی۔ "

مطلب یہ کے تم نے میری بات سے انکار کیا تو میں رانیہ کو سب بتادوں گا" وہ پھر دھمکیوں پے آگیا تھا۔ "

زینب کو اس کے رانیہ کو کال کرنے کی وجہ اب سمجھ آئی تھی۔

اس نے کارپیٹ سے اپنا تکیہ اٹھایا۔۔۔ بیڈ پر پٹخا اور حیدر کے مخالف سمت کروٹ کر کے لیٹ گئی۔

تم مر کیوں نہیں جاتے" وہ زیادہ دیر اپنی نفرت اس سے چھپا نہ سکی بینا پلٹے بولی۔ "

بیوہ پھر بھی میری ہی کہلاؤ گی" وہ اس کی بات کا اثر لئے بغیر بولا زینب کو ستانے کے سارے حربے اس "

کے پاس موجود تھے۔

زینب کلس کر رہ گئی مرنے کے بعد بھی اسے "اسکی بیوہ ہونے" کا اطمینان تھا۔

زینب نے اس کی کہی باتوں کو زور سے آنکھیں مینچیں بڑی دقت سے ہضم کیا اور ایک لمبی سانس اندر کو کھینچ خود کو پر سکوں کرنا چاہا۔

صبح سے ہی عبّاس مینشن میں ہر گہما گہمی اور شور برپا تھا کل تک پائی جانے والی خاموشی کا کوئی نام و نشان باقی نہ تھا وجہ کچھ ہی دیر میں زینب کے سمجھ میں آگئی تھی عبّاس مینشن میں کسی مہمان کی آمد کی تیاریاں ہو رہیں تھیں مگر وہ مہمان تھا کون زینب نہیں جانتی تھی ثانیہ بھابی ملازم کو ھدایت دیتی کمرہ سیٹ کروا رہیں تھیں اور پھر جب حیدر معمول سے ہٹ کے شام کی چائے کے لئے اس کو لئے لان میں آیا تو گھر کے سب لوگ اس وقت یہیں موجود تھے زینب کو دیکھ حیدر کے پیرنٹس کی مسکراہٹ معدوم ہوئی تھی۔

زینب سے ان کے تاثرات چھپے نہیں رہے تھے۔

حیدر نے اپنی فیملی کے بیچ میں بیٹھے مہمان سے زینب کا تعارف کرایا وہ کوئی اور نہیں تھی۔۔۔عائشہ اصغر تھی جسے زینب دیکھتے ہی پہچان گئی تھی۔۔۔زینب کو اچانک ہی یاد آیا تھا یہی وہ لڑکی تھی جو اسے ولیمے والے دن مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھی لیکن تب زینب اسے پہچان نہیں پائی تھی۔

زینب خوشدلی سے عائشہ سے ملی۔ حیدر اسے لئے وہیں سب کے ساتھ بیٹھ گیا تھا اور زینب خود کو ان سب کے دوران بہت مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔

لان میں ان سب کے ساتھ وقت گزرنے پر زینب کو اتنا تو پتا چل گیا تھا کہ عائشہ کی شادی ہو رہی ہے اور عبّاس پینشن اس کی مستقل رہائش گاہ نہیں تھی لیکن چونکہ عبّاس عالَم اسے اپنے گھر سے رخصت کرنا چاہتے تھے اسی لئے اسے یہاں لے آئے تھے۔

جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے شادی کی تیاریوں میں روانی آتی جا رہی تھی گھر کے ہر فرد سے لے کے ملازموں تک سب ہی مصروف تھے اگر کسی کو فراغت حاصل تھی تو وہ زینب تھی کیوں کہ اسے شادی کی کسی بھی تیاری میں حصہ نہیں دیا گیا تھا اور جب زینب نے اخلاقیات کا مظاہرہ کرتے خود کسی کام کا پوچھا تو فائزہ بیگم نے سرد لہجے میں یہ کہہ کے انکار کر دیا کہ "تمہیں خود کو اس سب میں تھکانے کی ضرورت نہیں ہے"

مختصر یہ کہ وہ اسے ہر چیز سے دور رکھ رہے تھے البتہ زینب نے اس کا کوئی خاص اثر نہیں لیا تھا کیوں کہ حیدر کے گھر والوں کے لہجے سرد تھے پر جملے تلخ نہ تھے۔

زینب کی یہاں دو ہی لوگوں سے بات چیت کا سلسلہ بندھا تھا ایک تو احد سے اور ایک عائشہ سے۔۔۔۔عائشہ نے کبھی بھی اس کو کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ زینب نے اسے اپنے بارے میں کچھ بتایا تھا۔۔۔

زینب جو تھوڑا بہت اس شادی سے جوڑی تھی وہ صرف عائشہ کی وجہ سے۔۔۔ وہ جب بھی شوپنگ کر کے آتی اسے بلا کے اپنے سارے ڈریس اسے دکھاتی اور ساتھ ساتھ اس کی رائے بھی لیتی رہتی۔۔۔

عائشہ نے بیڈ پر مہرون رنگ کا جوڑا پھیلایا ہوا تھا جس پر گولڈن رنگ سے امبروئڈری ہوئی تھی وہ یہ زینب کے لئے لے کر آئی تھی۔

"کیسا لگا؟"

بہت پیارا" وہ مسکرائی۔"

یہ میں آپ کے لئے لائی ہوں" اس نے معطل کیا۔"

لیکن میں یہ نہیں لے سکتی" زینب نے نرمی سے انکار کیا۔"

پہلی بات تحفے کو انکار نہیں کرتے دوسری بات اگر آپ یہ سوچ رہیں ہیں کہ آپ کو کوئی اس ڈریس میں دیکھ مجھ سے ناراض ہو گا کہ میں نے آپ کو کیوں دیا تو ایسا نہیں ہو گا کیوں کہ میں نے یہ کہہ کے یہ ڈریس لیا ہے کہ میں اپنی دوست کے لئے لے رہی ہوں اور تیسری بات آپ پے یہ رنگ اچھا لگے گا بلکہ بہت اچھا لگے گا کیوں کہ رنگ حیدر بھائی نے پسند کیا ہے اور ویسے بھی کل کی بات کے لئے آپ کو ان کے لئے اتنا تو کرنا ہی چاہیے" وہ نون اسٹاپ بول رہی تھی۔

کون سی کل کی بات" زینب نے اچھنبتے سے پوچھا۔"

عائشہ نے دانتوں تلے زبان دبائی وہ غلطی سے اسے کل کا حوالہ دے گئی تھی۔

نہیں کوئی بات نہیں" وہ ٹال رہی تھی۔"

میں یہ ڈریس اسی صورت قبول کروں گی اگر تم مجھے پوری بات پوری ایمانداری سے بتاؤ گی" وہ جاننا چاہتی تھی حیدر نے ایسا کیا کر دیا تھا اس کے لئے کہ اسے اس کی پسند کا رنگ پہنا چاہیے۔

عائشہ نے کپڑے ایک سائیڈ پر کرتے بیڈ پر جگہ بنائی اور اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

وہ۔۔۔ کل حیدر کی تینوں پھوپو آئیں تھیں عبّاس بابا کی سسٹرز۔۔۔"وہ بات کو طویل کر رہی تھی۔"

زینب نے اسے گھورا۔

وہ کہہ رہیں تھیں کہ اگر زینب اس شادی میں شریک ہوئی تو ہم اس میں شریک نہیں ہوں گے (کیوں" کہ ہم دنیا والوں کے تلخ جملے نہیں سن سکتے)" عائشہ ایک ہی سانس میں کہہ گئی تھی اور بے ایمانی کرتی آخر فقرہ زینب سے چھپا گئی تھی۔

پھر" اس کا انداز لاپرواہ تھا۔"

"پھر حیدر بھائی نے کہا کہ آپ شریک ہو جائیں ہم نہیں ہوں گے"

ہم۔۔۔ ہم تمہیں تو نہیں روک رہے" یہ عالیہ پھوپو تھیں۔"

جہاں آپ کی عزت نہ ہو پھوپو وہاں آپ کے شوہر جائیں آپ کو کیسا لگے گا؟" حیدر کے اس سوال" پر پھوپو سٹپٹائیں۔

اچھا نہیں لگے گا نہ۔۔۔۔ تو جہاں میری بیوی کی عزت نہیں وہاں میں شرکت نہیں کروں گا" وہ حتمی" انداز میں کہتا جانے کے لئے کرسی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

وہ جاتے جاتے پلٹا تھا۔

ایک بات اور اگر میرے اس عمل کا بدلہ کسی نے زینب کو تکلیف پونچھا کر لیا تو اچھا نہیں ہو" گا۔۔۔۔ آپ کو تلخ جملوں کی بارش کرنی ہے۔۔۔۔ گالیاں دینی ہیں۔۔۔۔ کوسنا ہے۔۔۔ غرض کسی بھی صورت اپنا غصّہ نکلنا ہے تو مجھ پر نکالیں کیوں کہ اس سے شادی کرنے والا میں تھا۔۔۔ اسے آپ کی بہو بنانے والا بھی میں تھا۔۔۔" وہ ایک پل کو رکا۔

اور جن کو لگتا ہے کہ ان کے چاند سے حیدر کو اس لڑکی نے اپنی اداؤں سے پھنسا لیا ہے صرف حیدر کی" دولت کے لئے تو میں بتاتا چلوں وہ لڑکی مجھ پر اور میری دولت پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی آپ سب چاہیں تو اس کی تصدیق ڈیڈ سے یا میرے کسی بھی دوست سے کر سکتے ہیں" اس نے پھوپو کی بات کمرے کی چوکھٹ پر قدم رکھتے ہی سن لی تھی جو وہ اس کی ماں سے کہہ رہیں تھیں۔ اس نے جواب دینا ضروری سمجھا۔

میں نے اسے دھمکا کر شادی کی تھی" اس نے راز فاش کر دیا۔"

انکی تینوں پھوپھیاں حیرت میں ڈوبی تھیں البتہ یہ بم عبّاس عالَم اور انکی زوجہ پر پہلے ہی گر چکا تھا ان لے تاثرات نارمل تھے یا شاید وہ نارمل کئے ہوئے تھے۔۔۔۔اس کے بعد وہاں بیٹھا ہر شخص اسے کیا کہہ سکتا تھا۔۔۔سب خاموش ہو گئے تھے جیسے کہنے کے لئے کچھ بچا ہی نہ ہو۔

زینب کو کسی نے تکلیف دی تو میں برداشت نہیں کروں گا یہ بات ذہن نشین کر لیں آپ سب" وہ کہہ" کے رکا نہیں تھا۔

زینب نے ساری بات بڑے غور سے سنی تھی اور جیسے اسے احساس ہوا تھا کوئی اسے کیوں جھڑک نہیں رہا تھا۔

کیا ہوا" عائشہ اس کے آگے چٹکی بجاتے اسے ہوش میں لائی۔"

کچھ نہیں" اس نے سر جھٹکا۔۔۔حیدر کا رویہ اس کے الفاظ دن بادن زینب کے ذہن کے تاروں کو" مزید الجھا رہے تھے۔۔۔اور اگر صورتحال یہی رہتی ہے تو ممکن تھا کہ اسپارک ہو جائے۔

عائشہ بیڈ پر بکھرا سامان سمیٹنے لگی تھی تھوڑی دیر پہلے موجود جوش کا نام و نشان نہیں تھا بلکہ آپ کے وہ پریشان لگ رہی تھی۔

زینب کئی دنوں سے نوٹ کر رہی تھی عائشہ پہلے خوشی خوشی اسے سب چیزیں دکھاتی اور پھر کچھ ہی دیر میں وہ اداس ہو جاتی۔۔۔زینب نے ہمت کر کے آج پوچھ ہی لیا۔

"کیا تم پریشان ہو؟"

آپ کو کیسے پتا" وہ حیران ہوئی۔"

تمہاری شکل بتا رہی ہے۔۔۔اب بتاؤ کیوں پریشان ہو" زینب نے اسے اپنے پاس بیٹھا کے نرمی سے"

پوچھا۔

پتا نہیں" وہ بیڈ شیٹ پر انگلی پھیرتی کھوئی سی بولی۔"

زینب کچھ دیر اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کرتی رہی اور پھر اس نے اندازہ لگایا۔

"علی پسند نہیں ہے تمہیں"

نہیں!!!۔۔۔" زینب کی بات سن بیڈ پر چلتی اس کی انگلی رکی اور وہ ایک دم ہی بول پڑی۔"

میرا مطلب ہے پتا نہیں" عائشہ نے بات سنبھالنی چاہی۔"

مطلب پسند ہے" زینب نے اسکی بات سے یہی اخذ کیا۔"

پتا نہیں۔۔۔میں کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی" زینب کو وہ کنفیوز لگ رہی تھی۔"

لیکن اب کرنا چاہتی ہو علی سے" زینب واضح جواب چاہتی تھی ایک بار پھر پوچھنے لگی۔"

پتا نہیں۔۔۔وہ مجھ سے بہت آپوزیٹ ہیں مطلب میں ذرا سنجیدہ مزاج کی ہوں اور وہ کبھی سیریس نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ کچھ جانتے ہیں میرے بارے میں ایسے تو۔۔۔"زینب کو دینے کے لئے اس کے پاس کوئی قبلِ قبول وجہ نہ تھی۔

زینب!!!!" عائشہ کی بات میں خلل حیدر کی آواز نے ڈالا تھا جو اس کو مسلسل آوازیں دئے جا رہا تھا۔"

میں ابھی آئی تھوڑی دیر میں "زینب نے دانت بینچے مسکراتے ہوئے عائشہ سے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔۔۔وہ کچھ ہی فاصلے پر اسی طرف چلا آ رہا تھا زینب کو دیکھ کر اس نے آواز لگانے کے لئے اپنا کھولا ہوا منہ بند کیا تھا۔

کیا ہے "زینب سخت چڑی ہوئی لگ رہی تھی اس سے۔"

یار ایک کام تھا تم سے "اس کا انداز فرانک تھا۔"

یار وار نہیں ہوں میں تمہاری" وہ چبا چبا کر بولی۔"

یار نا بولوں تو زینو بول لوں" وہ چہرے پر جہاں بھر کی معصومیت سجائے پوچھ رہا تھا۔"

نہ یار نہ ہی کچھ اور اول تو تمہیں مجھے پکارنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر پکار ہی رہے ہو تو میرے نام" سے پکارو" وہ اپنے کمرے کی طرف جاتی چلتے چلتے ہی اسے ھدایت دے رہی تھی۔

پہچان سے نہ بلاؤں" وہ ریلیکس سا اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا سنجید گی سے پوچھنے لگا۔"

زینب کے چلتے قدم رو کے۔۔۔۔۔ماتھے پر چند نہ سمجھی کی لکیریں ابھریں۔

پہچان؟"اس کا انداز سوالیہ تھا۔"

جانِ حیدر"وہ دل جلانے والی مسکراہٹ لبوں پر سجائے کھڑا تھا۔۔۔زینب کا دل کیا اس کا سر دیوار پر" دے مارے لیکن ضبط کر گئی۔

اپنے یہ تھرڈ کلاس رومانوی جملے تم کسی اور پر آزمانا میرے اوپر ان کا کوئی اثر نہیں ہونے والا"وہ خود کو" لاپرواہ ظاہر کرتی کمرے کے اندر چلے گئی۔

سامنے صوفے پر علی بیٹھا تھا اس کا حلیہ فارمل تھا شاید وہ آفس سے آرہا تھا۔

زینب کو اندر آتے دیکھتے اس نے کھڑے ہو کے سلام کیا تھا۔۔۔زینب کو سمجھ نہیں آیا وہ آیا کیوں تھا۔۔اس نے بے رخی سے جواب دیا اور بیڈ کی پائینتی پے بیٹھ گئی البتہ حیدر فریش ہونے باتھروم چلا گیا تھا۔

آپ ناراض ہیں مجھ سے"وہ زینب کی بے رخی دیکھ پوچھ بیٹھا۔"

ہاں جو تمہارے دوست نے کیا میرے ساتھ اس کے بات مجھے تم سے بہت عزت سے بات کرنی چاہیے" نہ"اس نے طنز کیا۔۔۔۔وہ حیدر کا غصّہ اس پر نکال رہی تھی۔

کیا کیا ہے حیدر نے"وہ فکر مند ہوا۔"

اوہ کم اون اب تم یہ نہ کہنا کہ تمہیں علم ہی نہیں تمہارا بیسٹ فرینڈ کیا کرتا پھر رہا ہے" زینب نے اس کی" فکر کو محض ڈرامہ سمجھا تھا۔

مجھے واقعی نہیں پتا۔۔۔ آپ بتادیں" وہ سعادت مندی سے بولا۔"

تمہارے دوست نے زبردستی مجھ سے شادی کی ہے" اس نے حیدر کا راز فاش کیا۔"

علی کو اب پوری بات سمجھ آئی تھی۔۔۔ ورنہ زینب کہاں حیدر سے شادی کرنے والی تھی۔۔۔ لیکن زینب کیوں اس سے شادی پر راضی ہو گئی علی نے وجہ پوچھنا مناسب نہ سمجھی۔

حیدر کے اس عمل کے حوالے سے میں کچھ نہیں جانتا بھابی پر اتنا جانتا ہوں وہ دل کی بات دل میں رکھنا" جانتا ہے اور وقت آنے پر دل والوں تک پہنچانا بھی جانتا ہے" وہ تحمل سے گویا ہوا۔

تم نہیں جانتے پر میں اچھے سے جانتی ہوں تمہارے دوست نے صرف مجھ سے شادی اس لئے کی ہے" تاکہ وہ مجھے دس لوگوں کے سامنے ذلیل کر سکے اور اس طرح اس کی انا کو تسکین مل جائے گی" وہ اپنا سارا لاوا لگتا تھا اسکی کے سامنے نکالنے والی تھی۔

کے ہاتھ میں ہے میں اور وہ کیا کسی کو ذلیل کریں گے" وہ عام سے انداز میں بھابی عزت اور ذلت تو اللہ" بولا تھا لیکن زینب کا چہرہ تاریک ہوا تھا تو کیا خدا نے اسے ذلیل کیا تھا۔

مطلب میں ہی غلط ہوں اسی لئے یہ ساری روسوائی میرے حصے میں آئی ہے" وہ کانپتی ہوئی آواز میں خود کلام تھی لیکن اس کی بات کو علی نے سن لیا تھا اور وہ پریشان ہو گیا تھا وہ اس کی بات کو غلط پیرائے میں لے رہی تھی۔

بات صحیح اور غلط کی تو ہے ہی نہیں۔۔۔ بہت سی چیزیں ایسی ہوں گی جو آپ کے نقطہ نظر میں صحیح ہوں" گیں لیکن میرے نقطہ نظر میں غلط ہوں گیں۔۔۔۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں اور اگر آپ کو لگتا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ صرف ہمدردی اور ترس کی وجہ سے ہیں تو آپ کا نقطہ نظر یہاں میرے لیے غلط ہے کیوں کے ہم یہاں اس لیے ہیں کیوں کہ ہم آپ کی انفرادی حیثیت کو اس معاشرے میں قبول کرتے ہیں۔۔۔ ہمیں حق اور باطل میں فرق کرنا سیکھنا ہے بھابی بات حق اور سچ کی کہنی ہے۔۔۔ سچ کو حق کے بغیر بول کے کسی کے منہ پر جوتا نہیں مارنا۔۔۔۔ حق اور باطل میں فرق کرنے والے عمرؓ ہوتے ہیں اور جو کوشش کرتے ہیں وہ ان کے پیروکار ہوتے ہیں۔۔۔۔ آپ کو کیا لگتا ہے کیا یہ معاشرہ آپ کے سچ سے واقف نہیں تھا۔۔۔ یہ اس سچ سے تب بھی واقف تھا جب آپ نہیں تھیں" وہ لمحے بھر کو روکا۔۔۔ زینب کو دیکھا۔۔۔ وہ سر جھکائے اسکی بات سن رہی تھی۔۔۔۔ پر یہ سر علی کو جھکا اچھا نہیں لگا۔

وہ پھر سے گویا ہوا۔

ہمارے معاشرے نے خود کو خدا ھی سمجھ لیا ہے کون جنت میں جائے گا کون دوزخ میں جائے گا کس کو"
کی بنائی گئی حدود کو عبور کی ذات سے ہے جب کوئی اللہ کتنی سزا دینی ہے۔۔۔ سزا اور جزا کا تعلق تو اللہ
ہی منتخب کرتا ہے نہ کے معاشرے میں بسنے والے لوگ۔۔۔ ہمارا معاشرہ کرتا ہے تو سزا بھی اللہ
اندھی تقلید پر چل رہا اور جب وہ گناہگروں کو سزا نہ دے سکے تو اس کا بدلا اس سے جوڑی ذات سے لیتا
ہے۔۔۔۔ آپ کل بھی حق پر تھیں آپ آج بھی حق پر ہیں۔۔۔ ہم جو کچھ بھی ہیں اپنی مرضی سے تو
نہیں ہیں تو پھر کس چیز کی شرم کس چیز کا دکھ ہم سینے سے لگائے بیٹھے رہیں۔۔۔۔ جب میں نے کوئی گناہ
نہیں کیا تو میں اپنے لئے کسی کے منہ سے بکواس سننے کا روادار نہیں ہوں" وہ اس پر نظریں جمائے تھا اور
وہ اب بھی ویسے ہی بیٹھی تھی۔۔۔ وہ سانس لینے کے لے روکا اور پھر بولنے لگا۔

زندگی ہمیں بہت کچھ دیتی ہے بھابی اور بہت کچھ لیتی بھی ہے آپ کو اگر زندگی نے اب تک صرف دکھ"
اور غم ہی دیئے ہیں تو کوئی بات نہیں اب آپ کی باری ہے آپ اس سے وہ سب خوشیاں لے لیں جس پر
"آپ کا حق ہے

یہ میرے اختیار میں نہیں" وہ ساری گفتگو میں پہلی بار بولی تھی۔"

نے ہمارے اختیار میں نہیں رکھا اور ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں صرف کچھ چیزیں ہیں جنہیں اللہ"
نے ہمارے اختیار میں رکھا ہے ان میں سے ایک خوش رہنا بھی ہے خوشیاں ہر کسی کے در پر دستک اللہ

دیتی ہیں اب یہ آپ پر منحصر کرتا ہے کہ آپ اس کو مایوس کر کے لوٹا دیں یا ان کو اپنے گالے کا ہار بنالیں

"اپنے غموں کو یہ بتادیں کہ وہ آپ کی مسکراہٹ سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں

زینب نے نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔۔وہ بڑبڑائی ضرور پر اس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔۔۔اس نے کیا کر دیا تھا۔۔۔وہ خود کو ملامت کرنے لگی۔

عائشہ پریشان ہے "اس نے موضوع بدلا۔"

لڑکیاں پریشان کب نہیں ہوتیں" وہ ہنسا۔"

زینب نے اسے ایک آئی۔ برو اچکا کر سخت تاثرات لئے دیکھا تو اس نے اپنا بیان ایک دم ہی بدل دیا۔

"یعنی کے لڑکیاں چھوٹی چھوٹی بات پر پریشان ہو جاتی ہیں نہ اس لئے"

اس نے تم سے انکار کر دیا اس شادی کے لئے پھر بھی تم پیچھے نہیں ہٹے۔۔ کیوں؟" وہ اس سے سوال" کرنے لگی۔

یہ فیصلہ ہم دونوں کے لئے بہترین ثابت ہو گا۔۔۔ مجھے وہ ابھی پسند نہیں کرتی لیکن ہم نے کون سا ایک" دو دن ایک دوسرے کے ساتھ رہنا ہے بڑھاپے تک کا ساتھ ہے جب تک مجھے وہ پسند کرنے لگی گی" اس جملے میں موجود یقین زینب کو اچھا بھی لگا اور عجیب بھی وہ پہلے سے ہی اتنا شیور تھا۔

عائشہ جو زینب کا موبائل جو وہ اس کے کمرے میں بھول آئی تھی اور اس پر رانیہ کی کال آرہی تھی اسے لیے زینب کو دینے چل پڑی لیکن دروازے کی جھری سے علی کی شکل دیکھ وہیں رک گئی اور سب سن لیا۔۔۔وہ اس کی اتنی کی گئی سیریس باتیں اگر اپنی کانوں سے سن اور اپنی آنکھوں سے اسے بولتا دیکھ نہ لیتی تو کبھی۔۔۔ کبھی بھی۔۔۔ کسی بھی قیمت پر یقین نہیں کرتی۔۔۔۔

اور وہاں سے پلٹنے پر عائشہ نے اعتراف کیا تھا وہ باتیں اچھی کر سکتا تھا اگر کرنا چاہتا۔۔۔۔اسے زینب کو حوصلہ دینا بھی اچھا لگا وہ الگ تھا ان میں شامل نہیں تھا جو زینب کے خلاف تھے۔

مجھے کیا ہوا 11 (زینب)

عائشہ رخصت ہو کر علی کے گھر کی ہو گئی چونکہ عائشہ نے زور دیا تھا کہ حیدر بھی اس کی شادی میں شامل ہو۔۔۔ عبّاس عالَم یہ سوچ کے خاموش ہو گئے تھے کہ اسکی غیر موجودگی لوگوں میں چہمگیوں کی وجہ بنے گی اور شادی کے ان چند دنوں میں زینب وہی "بہو" بن گئی تھی ان سب کے لئے جسے وہ بہت چاؤ سے بیاہ کے لائے تھے مقصد دنیا کو یہ دکھانا تھا کہ انہوں نے اس یتیم اور بے سہارا لڑکی کو سہارا دیا۔۔۔۔مان دیا۔۔۔

عائشہ اس وقت بے چارگی۔۔۔۔بے بسی اور غصّے کے زیرِ اثر اپنے (علی کے کمرے) میں بیڈ پر بیٹھی تھی اس کا دل کر رہا تھا یہاں سے بھاگ جائے کیوں کہ علی سے ایسے پیش آ رہا تھا جیسے وہ اس کی نہیں پڑوسیوں کی بیوی ہو۔۔۔۔عائشہ اپنے کہے پر پچھتا رہی تھی وہ ضرور اسکی اس دن کی باتیں دل پر لے گیا تھا اور اب اس سے صرف ضرورت کے طور پر بات کر رہا تھا۔

ڈور نوب کی آواز پر اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔۔۔وہ پستائی تری پیس سوٹ میں ملبوز تھکا تھکا لگ رہا تھا ظاہر تھا شادی کے تیسرے ہی دن آفس چلے جانے سے تھکن ہی ہونی تھی اسے لگا وہ اس کی وجہ سے چلا گیا تھا کیوں کہ وہ اسے دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔۔۔عائشہ کو اس پر غصّہ آ رہا تھا اگر یہی سب کرنا تھا تو شادی کیوں کی تھی۔۔۔۔

وہ ناراض ہو گئے ہیں شاید میں نے بھی تو بہت سنا دیا تھا۔۔۔وہ اس کا دفاع خود ہی کرنے لگی تھی۔

علی کپڑے چینج کر کے آ چکا تھا اور اب ڈھیلے ڈھالے نائٹ ڈریس میں ملبوز وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑا اپنے گیلے بال سیٹ کر رہا تھا۔

عائشہ اسے دیکھتی اس کی طرف بڑھی۔۔۔وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا اپنے کام میں مصروف تھا۔

آپ ناراض ہیں؟" اپنی پوری ہمّت مجتمع کرتے اس نے پوچھا تھا۔"

علی کا برش کرتا ہاتھ روکا۔۔۔اس نے گردن موڑ کے اسے دیکھا جو سر جھکائے کھڑی تھی۔

نہیں تو" اس نے رکھائی سے کہتے برش ڈریسنگ پر رکھا اور موبائل اٹھاتے وہ جانے ہی لگا تھا جب وہ" ایک بار پھر بولی۔

آپ ناراض ہیں مجھ سے" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔"

عائشہ کی بھیگی آواز سن وہ پورا کا پورا اس کی طرف گھوم گیا تھا۔۔۔اس کا سر مزید جھک گیا تھا شاید وہ آنسو پینے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

وہ چلتا ہوا اس کے قریب آکھڑا ہوا۔

تم رو رہی ہو" اس نے بڑی نرمی سے استفار کیا تھا۔"

آپ ناراض ہیں؟" عائشہ نے نظریں اٹھاتے علی کو دیکھتے پوچھا۔۔۔اس کی آنکھیں مترم تھیں۔۔۔پانی" سے بھری ہوئیں۔۔۔علی کو لگا وہ ڈوب جائے گا۔۔۔اس نے ڈوبنے کے ڈر سے ہاتھ پیر چلائے۔

نہیں میں نہیں ناراض۔۔۔۔پلیز چپ ہو جاؤ" وہ جلدی جلدی بولتا اس کے گالوں پر بہتے آنسو پوچھ رہا" تھا۔

ایم۔۔۔سوری" اس نے ہچکیوں کے بیچ کہا۔"

تم رونا تو بند کرو" وہ اس کے آنسو صاف کرتا ہلکان ہو رہا تھا۔"

آپ پہلے معاف کریں" وہ بضد تھی۔"

اچھا ٹھیک ہے معاف کیا" اس نے جیسے ہتیار ڈالے تھے۔"

نہیں آپ اصلی والا معاف کریں" وہ سوں سوں کرتی بولی تو علی نے بمشکل اپنی ہنسی دباتے پوچھا۔"

"اب یہ اصلی والا معاف کرنا کیا ہوتا ہے؟"

دل سے معاف کرنا اصلی والا ہوتا ہے" وہ اس کے علم میں اضافہ کر رہی تھی۔"

اچھا" اس نے سمجھتے ہوئے سر کو ہلکی سے جنبش دی۔"

دل سے معاف کیا" اس نے دل پر ہاتھ رکھ عائشہ کو یقین دلایا تھا۔"

"اب اپنی غلطی بھی بتادو جس کے لئے معافی مانگ رہی ہو؟"

آپ ایسے اچھے نہیں لگتے" وہ اس کا سوال گول کر گئی۔"

کیسے" وہ چونکا۔"

ایسے چپ چپ سے۔۔۔ آپ پہلے ہی اچھے تھے ہنستے ہنساتے" وہ بات گول تو کر رہی تھی پر اپنی غلطی" بھی تسلیم کر رہی تھی۔

اوہ خدایا" وہ کہتے ساتھ بیڈ پر گر گیا تھا۔

کیا ہوا" عائشہ اس کے انداز سے پریشان ہو گئی۔"

اچھا ہوا تمہیں احساس تو ہوا۔۔۔میرا جبڑا اور زبان دکھ گئے تھے بند ہوئے" وہ اپنی جوُلائن سہلاتا"

مظلومیت سے بول رہا تھا۔

آپ بھی نہ مجھے ڈرا دیا" اس نے ہنستے ہوئے علی کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔"

ہائے آپ کا یہ آپ بھی نہ کہنا" وہ ٹھنڈی آہ بھرتے بولا تو عائشہ کے لبوں پر شرمیلی مسکان آ گئی۔"

زینب عائشہ اور علی کی شادی سے فارغ ہوئی تو رانیہ کی دھڑا دھڑ کالز آنا شروع ہو گئیں تھیں کیوں کہ مہینہ اپنے اختتام پر تھا اور رانیہ کی رخصتی کو دو تین ہفتے ہی رہ گئے تھے اسی لئے رانیہ نے ابھی سے ہی زینب کو کال کرنا شروع کر دیا تھا وہ اسے قائل کرنے کی کوششوں میں ابھی سے لگ گئی تھی۔

زینب سوچ رہی تھی ایک مشکل حل نہیں ہوتی دوسری سر پر آ جاتی ہے۔۔۔پتا نہیں نیلم بیگم اسے وہاں دیکھ نا جانے کون سا کوھرام برپا کرتیں۔۔۔۔لیکن پھر زینب کو یاد آیا ولیمے والے روز انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا ہو سکتا ہے اب بھی کچھ نہ کہیں۔۔۔۔لیکن زینب چاہ کر بھی رسک لینا نہیں چاہتی تھی

اسی لئے رانیہ کی کالز کو اٹینڈ نہیں کر رہی تھی پر جب رانیہ نے کالز کرنا بند نہیں کیں تو اس نے تنگ آ کے اپنا موبائل ہی بند کر دیا کم از کم اگر اب وہ ناراض ہوتی تو کوئی بھی بہانہ بنا سکتی تھی۔

کام کا پریشر تھا یا پھر شادی کی تھکاوٹ وہ اس سب میں اس کی زینب سے کم کم ہی بات ہو پائی تھی لیکن زینب کی ہر حرکت پر اس کی نظر تھی۔

وہ ابھی بھی آفس میں بیٹھا فائل پر جھکا تھا لیپ ٹاپ کی سکرین سے آتی روشنی اس کے چہرے کو کچھ اور روشن کر رہی تھی۔۔۔اس نے لیپ ٹاپ کے کی پیڈ پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اس کا فون بج اٹھا۔

کال رانیہ کی تھی اس نے پہلی ہی بیل پر کال پک کر موبائل کان سے لگایا تھا۔

زینب سے بات کرا دیں" وہ سلام دعا کے بعد ہچکچاتے ہوئے کہنے لگی۔"

میں آفس میں ہوں آپ اس کے نمبر پر کال کر لیں" وہ رسانیت سے بولا تو رانیہ نے فوراً سے پہلے اسے" اپنا مسلہ بتایا۔

"زینی کا نمبر بند جا رہا ہے"

بند کیا ہے تو بند جا رہا ہے" وہ بڑبڑایا تھا پر رانیہ سن چکی تھی۔"

"کیا مطلب"

مطلب کے وہ آپ کی رخصتی میں نہیں آنا چاہتی اسی لئے فون بند کر کے رکھا ہے" وہ صاف گو ہوا۔"

کیا!! پر کیوں" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔"

"یہ تو وہی بہتر بتا سکتیں ہیں"

آپ لے آیئے گا اسے" اس کے لہجے میں دبی دبی سی التیجا تھی۔"

آپ نے مجھ سے کہہ دیا ہے اب آپ بے فکر ہو جائیں میں لے آؤں گا" وہ اپنے مخصوص مظبوط لہجے" میں کہتا اسے یقین دلا گیا تھا۔

تھنک یو" وہ خوشی سے پھولتی بول گئی۔"

کام ہو جانے کے بعد کہیے گا" وہ رسان سے کہتا فون بند کر گیا۔"

دن بیت گئے اور رانیہ کی رخصتی کا دن آگیا۔۔۔ حیدر نے اس متعلق زینب سے اب تک کوئی بات نہیں کی تھی۔

گھر میں سب احمر کی شادی میں جانے کی تیاریوں میں مشغول تھے اور وہ اداس سی اپنے بازوؤں کے گرد ہاتھ باندھے بیٹھی تھے۔

حیدر آج آفس سے جلدی گھر آگیا تھا اور آتے ساتھ سیدھے اپنے کمرے میں گیا تھا وہ اسکی موجودگی سے بے خبر خود میں الجھی تھی۔۔۔۔حیدر نے بینا آواز پیدا کئے دروازہ بند کیا اور ٹھیک اسی طرح اس نے اپنا بریف کیس صوفے پی رکھا اور خود بھی وہیں بیٹھ گیا کچھ وقت اسے دیکھتے گزار دیا۔

زینب" وہ زور سے اسے پکارتا اسکی محویت توڑ گیا۔"

زینب چونکی حیدر سامنے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا زینب نے جلدی سے پاس پڑا دوپٹہ سینے پر برابر کیا اور سیدھے ہو کے بیٹھ گئی۔۔۔۔اسی طرح بیٹھے وہ اب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

"تیار ہو جاؤ۔۔۔۔"

مجھے نہیں جانا کسی کی شادی میں" زینب اس کی اتنی ہی بات بولنے پر بول اٹھی تھی۔"

میں لے کے بھی نہیں جا رہا کسی کی شادی میں۔۔۔ریڈی ہو جاؤ ایک آفیشل ڈنر پر جانا ہے" اس نے" تردید کی تو زینب کو سبکی کا احساس ہوا۔

میں کہیں نہیں جا رہی" وہ اپنی جلد بازی پر جھنجلاتی سلیپر پیروں میں ڈال جانے لگی تھی کہ حیدر دیوار کی" طرح اس کے سامنے کھڑے ہو گیا۔

تم چل رہی ہو یا میں" اس نے جملہ ادھورا چھوڑا۔"

کیا میں۔۔۔ کیا میں ہاں۔۔۔۔ کیا میں میں لگا رکھی ہے تم نے۔۔۔ پہلے دن سے اب تک تم مجھے "بلیک میل کرتے آرا ہے ہو" زینب تو ہتھے سے ہی اکھڑ گئی تھی۔۔۔ پہلے ہی اس کا موڈ ٹھیک نہیں تھا اور وہ حیدر کی ان روز روز کی بلا کمیلنگ سے تنگ آگئی تھی۔

اوبو یسلی میں کر رہا ہوں۔۔۔ اب تم چل رہی ہو یا میں اس پر عمل کروں" وہ ڈھٹائی سے کہتا اسے زچ کرنے پر تلا تھا جو وہ پہلے ہی کم نہ تھی۔

حیدر!!!" وہ چیخ پڑی تھی۔"

اتنی محبّت سے نہ پکارو کہیں میں فوت ہی نہ ہو جاؤں" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا وہ اسے ایسے بلاتی" اچھی لگی تھی۔

روکا کس نے ہے" وہ سرد مہری سے کہتی آگے بڑھ گئی۔۔۔ حیدر نے اسے بازو سے پکڑ روک لیا تھا" جس میں وہ مچلنے لگی تھی۔۔۔ زینب نے دیکھا تھا اسکی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی اور اس کی جگہ سخت سنجیگدی نے لے لی تھی۔

مجھے مجبور مت کرو" اس کا لہجہ بھی اس کے تاثرات کی طرح ہی سخت تھا۔"

ورنہ کیا کر لو گے" اس کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔"

وہ جس کا تم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہو گا" پتا نہیں کیا تھا اس کے لہجے میں اس نے جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا۔

"جب تک میں واپس آؤں مجھے تیار نظر آؤ تم" وہ نارمل ہوتا اسے حکم دے گیا تھا اور زینب کا خون کھول اٹھا تھا اس کا بس چلتا تو حیدر کا گلہ ہی دبا دیتی۔

اسے نیلا پلا چھوڑ وہ لاونج میں صوفے پر گرا پیر سامنے رکھی سینٹر ٹیبل پر پھیلا دئے۔۔۔ سر صوفے کی پشت پر ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔

پتا نہیں کتنی دیر گزری تھی جب سعید عبّاس کی آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"تھکے ہوئے لگ رہے ہو"

اس نے نیم وا آنکھوں سے اپنے سامنے بیٹھے اپنے بھائی کو دیکھا جو فکر مند لگ رہے تھے۔

ہمم "اس نے ہنکارا ابھرا۔"

"حیدر کب کب اور کس کس کے سامنے تم اس کی ڈھال بن کر کھڑے رہو گے" وہ آج آفس میں ہوئے واقعے سے واقف تھے۔

اب کے وہ سیدھا ہو کے بیٹھا تھا۔

جب تک وہ اپنی ڈھال خود نہیں بن جاتی۔۔۔ جب تک وہ، وہ زینب نہیں بن جاتی جس کے پاس میری" ہر غلط بات کا منہ توڑ جواب ہوتا تھا۔۔۔ میں نہیں چاہتا وہ کل کو پھر کسی کے سامنے کھڑی اپنی ذات کو سوالیہ نشان سمجھے۔۔۔ کسی کو بھی یہ اجازت دے کہ وہ اسکی ذات کے پرخچے اڑانے لگے" اسے احساس ہوا وہ زیادہ کہہ گیا تھا اسی لئے چپ ہو گیا۔

فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا" صاف ظاہر تھا سعید عبّاس کو اس وقت صرف اپنے بھائی کی پرواہ" تھی۔

"مجھے بس اس کی فکر ہے"

سعید عبّاس اب کے زینب کے ذکر پر کچھ جیلس ہو گئے تھے وہ اس کے لئے دبلے ہوئے جا رہے تھے اور جناب کو زینب کے آگے کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔

ایسا کیا ہے اس میں کہ تمہاری ہر سوچ اس سے ہی جا ملتی ہے" سعید عبّاس پوچھ بغیر رہ نہیں سکے۔"

کیا ہے اس میں۔۔۔" وہ سوال دوہراتے مسکرایا۔"

"اسے مجھ سے بنایا گیا ہے میرا آدھا حصّہ ہے اس میں"

سعید عبّاس اس کی بات میں موجود یقین دیکھ ٹھٹکے تھے اور سر جھٹک کے مسکرا دئے۔

اور اسے پتا ہے کتنے لوگوں سے ہتاپائی کر رہے ہو تم اس کے لئے "ثانیہ بھابی ساری بات سن چکی تھیں" لاونج میں صوفے پر بیٹھتے متلاشی نظروں سے اسے دیکھتی پوچھ رہی تھیں۔

وہ بے خبر ہی ٹھیک ہے "اس نے بات ختم کرنی چاہی۔"

اور تمہارے ساتھ۔۔۔ تمہارے ساتھ ٹھیک ہے "ثانیہ بھابی بات ختم کرنے پر رضامند نہیں تھیں" ایک نیا سوال اس کے آگے پیش کر دیا۔

کہاں بھابی بات کرنا تو پسند نہیں کرتی پر میں بھی آپ کا دیور ہوں کھری کھوٹی ہی سہی شوق سے سن لیتا ہوں" وہ شوخی سے بولا تو ثانیہ بھابی کو لگا وہ شاید بتانا نہیں چاہ رہا تھا اور وہ خامہ خاں پرسنل ہو رہی تھی حالانکہ حیدر نے سچ بولا تھا۔

انہوں نے بات کو ہنس کے ٹالنا بہتر سمجھا۔

چلیں تیار ہو جائیں اب "ثانیہ بھابی سعید عبّاس سے کہتی اپنے کمرے میں چلی گئیں تھیں۔۔۔ اور ان" کے ساتھ ہی سعید عبّاس بھی اٹھ گئے تھے۔

زینب اس کے جاتے ہی اس کے پیچھے لپکی تھی اور وہ سب سن بیٹھی تھی جو اسے نہیں سنا چاہیے تھا۔۔۔

پتا نہیں حیدر کی باتوں کا اثر تھا یا کچھ اور زینب نے کمرے میں آ کے وارڈروب سے مہروں وہی سوٹ نکالا جو حیدر کے پسند کا تھا اور زیب تن کر لیا شاید وہ اپنے اس عمل سے حیدر کا احسان چکا رہی تھی یا پھر اپنے دل کا بوجھ کچھ کم کر رہی تھی بر حال جو بھی تھا اب وہ یہ کر رہی تھی۔

حیدر نے کافی کا مگ ٹیبل پر رکھا اور اپنے کمرے کا رخ کیا۔۔۔ دروازہ کھول اس کی نظر سامنے کھڑی زینب پر پڑی تھی جس کی پشت اس کی طرف تھی۔۔۔ وہ ایئر نگ کان میں ڈال رہی تھی اور اس کی موجودگی سے یکسر بے نیاز تھی۔۔۔ حیدر منجمد ہوا تھا اسکا حسن دیکھ کر نہیں۔۔۔ وہ رنگ دیکھ کر ہوا تھا جو اس کے پسند کا تھا جو اسکی سفید رنگت کو دہکا رہا تھا۔

وہ اسی کیفیت میں اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔۔۔ وہ اب تک اپنے کام میں مصروف تھی۔۔۔ حیدر نے آئینے میں دیکھتے اپنے اور اس کے عکس کو باری باری دیکھا تھا۔۔۔ اس خوبصورت آئینے کے فریم میں ان دونوں کا عکس ایک دوسرے کو مکمل کر رہا تھا۔۔۔ بلکل چاند اور ستاروں کی طرح ایک دوسرے کے داغوں کے ساتھ جب وہ ایک جگہ ملتے تو ماحول کو سحر زادہ بناتے تھے اور اب بھی بنا رہے تھے۔۔۔

حیدر کی نظر آئینے سے ہوتی ہوئی اسکی کمر پر بکھرے سیاہ بالوں پر جا ٹھری۔۔۔ وہ اس سے بس ایک قدم کے فاصلے پر تھی۔۔۔ حیدر کے دل نے ان ریشمی بالوں کو چھونے کی خواہش کی تھی وہ اس پر عمل بھی کر دیتا اگر زینب اس کی محویت دیکھ اپنے بالوں کو ڈھیلے جوڑے میں لپیٹ نہ لیتی۔

حیدر کو نجانے کیا سوجھی اس نے آگے بڑھ کر زینب کے جوڑے میں مقید بالوں کو کھول دیا۔۔۔بال آبشار کی مانند زینب کے شانوں پر لہرا گئے۔

زینب نے وقت ضائع کئے بغیر انہیں پھر لپیٹ لیا۔۔۔حیدر نے بھی اپنے کئے پر دوبارہ عمل کر دیا۔۔۔زینب کے بال پھر کمر پر جھول گئے۔

زینب نے ایک لمبی سانس اندر کو کھینچ بالوں کو پھر جوڑے کی شکل دی۔۔۔حیدر نے ہٹ دھرمی سے اپنا عمل دوہرا دیا۔

تمہارے ساتھ مسلہ کیا ہے "زینب کا ضبط جواب دے گیا تھا۔۔۔حیدر کے تیسری بار بال کھولنے پر وہ" غصّے سے دھاڑی تھی۔

تم روح میں اتر رہی ہو" وہ دل کی آواز پر دل سے مسکرایا۔"

میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے جو تمہیں ہنسی آرہی ہے تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے"حیدر کا مسکرانا اس کے" غصّے کو ہوا دے گیا تھا۔

اپنی جاگیر" وہ اسے نظروں کے حصار میں لیتا استحاق سے لبریز لہجے میں بولا۔"

وہم ہے تمہارا" استحاق کو مسترد کیا گیا۔"

سوچ ہے تمہاری" حیدر نے اسی کے انداز میں کہا تھا۔"

دیکھو۔۔۔۔۔۔" وہ انگلی اٹھاتی اسے باز رکھنے ہی والی تھی کہ وہ بیچ میں ہی بول پڑا۔۔"

قسم سے" وہ آنکھوں میں شوخی لیئے پوچھ رہا تھا اور یہاں پہلی بار زینب کا دل زور سے "

دھڑکا۔۔۔اس نے فوراً سے پیشتر ڈریسنگ سے کیچر اٹھایا اور اس کی ڈسٹرب کر دینے والی نظروں سے

دور ہو گئی۔۔۔۔

تم تو کہہ رہے تھے آفیشل ڈنر ہے" کار وینیو کے باہر روکی تو زینب نے حیرت سے پوچھا۔"

ہاں آفیشل ہی تو ہے۔۔۔۔تم میری آفیشل بیوی ہو تو تمہارے ساتھ ڈنر بھی تو آفیشل ہی ہوا نہ" وہ"

سیٹ بیلٹ ہٹاتا بڑے آرام سے بول رہا تھا۔

تم انتہائی گھٹیا، خود غرض اور۔۔۔۔۔۔" ابھی زینب نے اس کی شان میں قصیدے پڑھنے ہی شروع"

کئے تھے کہ حیدر نے اسے ٹوک دیا۔

باقی کی خوبیاں تم اندر چل کے آرام سے بتانا میں پوری توجہ سے سنو گا" وہ اپنی جگہ چھوڑ اسکی سائیڈ کا"

دروازہ کھولے کھڑا تھا اور جب وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تو حیدر کو بولنا پڑا۔

"اترو"

میں کہیں نہیں جا رہی تم خود جاؤ" وہ چہرہ دوسری طرف کئے اپنے لفظوں پر زور دیتی بولی تھی۔"

تمہارا وزن اتنا نہیں ہے کہ میں اٹھا نہ سکوں" وہ اپنے اگلے عمل سے اسے پہلے ہی باخبر کر رہا تھا۔"

زینب نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا اور اسی کے انداز میں کہا۔

"اور میرے ہاتھ اتنے کمزور نہیں ہیں کہ میں چلا نہ سکوں"

حیدر کھڑا کچھ دیر اسے گھورتا رہا اور پھر اس نے جھک کے زینب کی سیٹ بیل کھولنی چاہی تو وہ مذمت کرنے لگی حیدر نے اپنے مضبوط ہاتھ میں اس کی نازک سی دونوں کلائیاں دبوچ لیں۔۔۔سیٹ بیل کھولی اور اسے باہر کی طرف کھینچا وہ بمشکل اپنا توازن برقرار رکھ سکی تھی۔

حیدر نے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور زینب کی ایک کلائی چھوڑ دی تاہم زینب کی ایک کلائی اب بھی اس کی گرفت میں تھی۔۔۔۔وہ اسے تیز تیز قدم لیتا اپنے پیچھے گھسیٹ رہا تھا۔۔۔زینب پہلے تو چار ناچار اس کے ساتھ گھسیٹی چلی گئی لیکن پھر زینب نے اپنی پوری قوت لگاتے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔۔۔کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ کے زمین پر بکھر گئیں۔۔۔حیدر نے پلٹ کر اسے دیکھا۔۔۔۔

مجھے نہیں جانا اندر" وہ غصے سے بولی تھی۔"

وہ کچھ وقت کے توقف کے بعد نرم لہجے میں بولا تھا۔

جب تک ہم اپنی عزت اپنی قدر خود نہیں کریں گے کوئی دوسرا بھی نہیں کرے گا اپنی عزت اپنی قدر" کرنا سیکھو خود کو خود کی نظروں میں معتبر بناؤ" وہ اسے سمجھانے کی غرض سے بولا تھا۔

زینب نے کبھی نہیں سوچا تھا اس کو یہ نصیحت بھی سنی تھی جس پر کچھ عرصے پہلے وہ جی جان سے عمل پیرا تھی آج نہیں تھی وجہ شاید حالات تھے۔۔۔۔شاید وقت۔۔۔

میں نہیں جاؤں گی" اس کا احتجاج کمزور ہوا تھا۔"

یہ لڑکی کبھی جو بینا دھمکی کے سن لے" حیدر نے سوچتے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔"

ٹھیک ہے تم یہاں رکو میں ذرا رانیہ کو احمر سے محتات کر آؤں۔۔۔ جیسے ہی برات واپسی ہوتی ہے ہم" "بھی تب ہی نکل جائیں گے

زینب اسکی بات میں چھپی دھمکی اچھے سے سن

چکی تھی اور ایک بار پھر اس کا میٹر چڑھ گیا تھا۔

کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں تمہارا منہ نوچ لوں تمہارا گلا دبا دوں اور تمہارا سر پھاڑ دوں" وہ سیخ پا" ہوتی مٹھیاں زور سے بینچے شاید خود کو یہ سب کرنے سے روک رہی تھی۔

بندا حاضر ہے" حیدر نے ایک ادا سے سر کو خم کر کے کہا۔"

زینب پیر پٹخ کے رہ گئی۔

حیدر نے اس کا ہاتھ اپنے بازو کے گرد لپیٹا اور" اب ٹھیک ہے" کہتا اندر کو چل دیا۔

وینیو کو پھولوں اور برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔۔۔ہال کھچا کھچ مہمانوں سے بھرا تھا۔۔۔حیدر نے احمر کو دیکھا تو سیدھا اس کے پاس جا پونچھا۔۔۔زینب اتنی ہی دیر رانیہ کے پاس بیٹھی رہی جب تک حیدر اسے لئے وہاں بیٹھا رہا۔

اس کے بعد وہ پورا وقت یونہی اسے خود سے لگائے رہا تھا۔۔یونہی لوگوں سے ملا اور بڑے فخریہ انداز میں وہ زینب کا تعارف یہ کہتا سب سے کرا رہا تھا"میٹ مائی وائف زینب حیدر عبّاس"اور اس تعارف پر زینب ہر بار چونکتی۔۔۔۔اسے دیکھتی پر وہاں طنز کی کوئی رمق موجود نہیں تھی البتہ اسے لگا وہ اسے یوں سب سے ملواتا معتبر کر رہا تھا۔۔۔۔آج زینب کو خبر ہی نہیں ہوئی اس نے کتنی ہی ناگوار نظریں خود پر پڑتیں محسوس ہی نہیں کیں اور اس بے خبری کے عالَم میں وہ حیدر کو تکتی رہی تھی۔۔۔۔

وہ ریاضی کے سوالوں کی طرح ہر اسٹیپ کے بعد مشکل ہوتا جا رہا تھا لیکن زینب کو یاد نہیں پڑتا تھا ریاضی کبھی اس کے لئے مشکل بھی رہی تھی وہ تو اس کے ہر سوال کو بڑے شوق سے اور جلدی حل کیا کر لیتی تھی تو پھر یہ کون سا مضمون زندگی اسے پڑھا رہی تھی جس کے ہر مرحلے پر وہ ناکام ہو رہی تھی۔۔۔۔کاش!!کوئی اسے بتا دیتا کہ وہ"عشق"کے مضمون میں اس شخص سے ہار رہی تھی جسے اس نے ہر مقام پر ہرایا تھا۔۔۔۔ہر مضمون میں پیچھے چھوڑا تھا۔۔۔۔

ولیمے میں شرکت کے لئے وہ بغیر کسی دھمکی کے تیار ہو گئی تھی۔۔۔۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس بار حیدر کو جیتنے دے یہ احساس ہونے دے کہ وہ مجبور ہے حالانکہ وہ ایسا کئی بار کر چکی تھی۔

ولیمے کی شاندار تقریب کے بعد علی نے کرسیاں ہٹا کر چاندنی بچھائی۔۔۔چاندنی کے گرد گاؤں تکیے رکھے وہ مشاعرے کے پروگرام کی تیاری کر رہا تھا۔۔۔گھر کے بڑوں کو چونکہ پہلے ہی یہاں سے رخصت کر دیا گیا تھا اسی لئے اس وقت یہاں نوجوان نسل ہی موجود تھی۔۔۔

یہ سب لڑکے ایک طرف جب کہ لڑکیاں دوسری طرف بیٹھیں تھیں۔۔۔وہ سب آمنے سامنے بیٹھے مشاعرہ شروع کرنے کے لئے تیار تھے۔

کیوں کے مشاعرے کا آئیڈیا علی کا تھا اسی لئے آغاز بھی علی نے ہی کیا تھا۔

سنا ہے لوگ مجھے آنکھ بھر کر دیکھتے ہیں

علی نے لفظ "اسے "کو مجھے سے بدلا اور عائشہ پر چوٹ کی جواب ہر وقت اسے ہی دیکھتی رہتی تھی۔۔۔وہ اس کے سامنے رائل بلیو فروک میں ملبوز تھی اور علی نے اسی رنگ کا ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا۔عائشہ کے سنہرے بال جو کندھوں پر گرے تھے اس نے چہرے کو ہلکا سا میک اپ کا ٹچ دیا تھا وہ پیاری سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی علی کو۔

سو آپ کی سماعتوں کا علاج کسی اچھے ہسپتال سے کرا کے دیکھتے ہیں

عائشہ نے ادھار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

عائشہ کا فقرہ سن لڑکوں نے دبی دبی سی ہوٹنگ کی تھی۔

علی نے اپنی غزل جاری کرتے آگے کا شعر پڑھا۔

سنا ہے بولوں تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں

علی نے اب کے اس کی کی گئی تعریف "آپ باتیں اچھی کرتے ہیں" پر اسے چھیڑا تھا۔

یہ بات ہے تو ان زہریلے پھولوں کو آپ پر نچھاور کر کے دیکھتے ہیں

عائشہ نے ہاتھ میں پہنے گجرے سے پھول توڑ اس کے منہ پر مارے۔

سنا ہے دن کو مجھے تتلیاں ستاتیں ہیں

عائشہ کو یاد آیا تھا وہ کل اس سے عبّاس بابا کے گھر جانے کی ضد کر رہی تھی۔

سنا ہے رات کو مچھر ڈس کے دیکھتے ہیں

عائشہ کا دل کیا تھا اس کی بوٹی نوچ لے یہ محفل میں بیٹھا کچھ بھی بولے جا رہا تھا۔

سنا ہے رات مجھے چاند تکتا رہتا ہے

علی نے ایک بار پھر عائشہ کے اسے دیکھنے پر چوٹ کی تھی۔

سنا ہے چڑیلیں آسمان سے اتر کے دیکھتی ہیں

عائشہ نے اس کی کزن "رامین" کو چڑیل کہا جو کل شام علی کو لیونگ روم میں سوتا دیکھ اس کے دیدار میں لگ گئی تھی جو عائشہ کو سلگا گیا تھا۔

سنا ہے آئینہ تمثال ہے جبین میری

علی نے آئینے کو عائشہ سے تشبیہ دی۔

جو ایسے کالے دل ہوں ان سے آنکھ بچا کر رہتے ہیں

عائشہ نے ہاتھ جھاڑ سارا حساب برابر کیا تھا۔۔۔ سبھی نے اپنی روکی ہوئی ہنسی کو بحال کرتے قہقے لگائے تھے۔

اگر احمد فراز یہ سن لیتے تو صدمے سے ایک بار پھر دنیا سے چل بستے" یہ تبصرہ حاشر نے کیا تھا۔"

تم لوگ مشاعرہ کر رہے ہو یا اس کا جنازہ نکال رہے ہو" یہ احمر تھا جو بمشکل اپنی ہنسی روک رہا تھا۔"

سب کی ہنسی بند ہوئی تو ایک ایک کر سب نے شعر پڑھا۔۔۔۔ اب باری زینب کی تھی۔۔۔ سب خاموش سے اسے دیکھ رہے تھے۔۔۔ وہ کھوئی ہوئی لگنے لگی تھی ایک دم سے

مجھے اپنے ضبط پے ناز تھا، سر بزم رات یہ کیا ہوا

میری آنکھ کیسے چھلک گئی، مجھے۔۔۔۔۔۔

اس کی نظر حیدر پر پڑھی تو جیسے وہ سب بھول گئی۔ وہ اپنی تمام تر توجہ اس پر ملبوز کیئے بیٹھا تھا۔

آگے "وہ سنا چاہتا تھا اسے۔"

میں بھول گئی "اس نے بہانہ بنایا۔"

حیدر نے انہی گہری نظروں سے زینب کو دیکھتے گھمبیر لہجے میں غزل کا آغاز کیا۔

سفر تنہا نہیں کرتے

سنو ایسا نہیں کرتے

اس کا انداز ایسا تھا وہ نا چاہتے ہوئے بھی اسے دیکھنے لگی۔

جسے شفاف رکھنا ہو

اسے میلا نہیں کرتے

وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا وہ اچھے سے سمجھ رہی تھی۔

تیری آنکھیں اجازت دیں

تو ہم کیا نہیں کرتے

وہ اور کیا کرنے کی خواہش رکھتا تھا اس کے لئے اتنا سب کرنے کے بعد بھی وہ الجھی

بہت اجڑے ہوئے گھر کو

بہت سوچا نہیں کرتے

اب کے وہ حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی وہ اس کی سوچوں تک رسائی رکھتا تھا وہ جانتا تھا وہ کس اجڑے ہوئے گھر کو سوچتی تھی۔

سفر جس کا مقدر ہو

اسے روکا نہیں کرتے

وہ کس کو روک رہی تھی شاید خود کو

جو مل کے خود سے کھو جائے

اسے روسوا نہیں کرتے

اس نے تو حیدر کو روسوا نہیں کیا تو پھر وہ ایسے کیوں کہہ رہا تھا۔

یہ اونچے پیڑ کیسے ہیں

کہیں سایہ نہیں کرتے

وہ اب اس سے گلا کرنے لگا تھا۔۔۔ہاں وہ یہی کر رہا تھا۔

کبھی ہنسنے سے ڈرتے ہیں

کبھی رویا نہیں کرتے

زینب کو پتا نہیں کیوں اس وقت رونے کی شدید خواہش ہوئی تھی وہ اسے اتنے سے دنوں میں جان گیا تھا۔

تیری آنکھوں کو پڑھتے ہیں

تجھے دیکھا نہیں کرتے

وہ جیسے بتا رہا تھا وہ اسکی آنکھیں پڑھتا رہا تھا

کیوں "وہ جانتے ہوئے بھی انجان بنا چاہتی تھی۔"

چلو تم راز ہو اپنا

تمہیں افشا نہیں کرتے

زینب نے بے اختیار سانس لی وہ اور کچھ نہیں بولنے والا تھا۔

سحر سے پوچھ لو محسن

ہم سویا نہیں کرتے

حیدر نے اسے اپنی حالت سے روشناس کرایا تھا۔

(محسن نقوی)

اس کے لبوں نے حرکت چھوڑ دی تھی۔۔۔ آنکھوں نے نہیں۔۔۔وہ اب بھی اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا ماحول پر سکوت طاری ہو گیا تھا۔۔۔۔سب اپنی جگہ خاموش بیٹھے انہیں دیکھ رہے تھے۔۔۔جو بارات والے دن کی طرح آج پھر ایک دوسرے میں کھو گئے تھے۔

آج اتوار تھا اور حیدر گھر میں ہی موجود تھا۔وہ صوفے پے بیٹھا تھا ٹیبل پر فائلوں کا ڈھیر لگا تھا اور انہی کے بیچ لیپ ٹاپ بھی رکھا تھا اسے اسی طرح کام کرتے دو گھنٹے ہو گئے تھے اور اس کا کام تھا کہ ختم ہو کے نہیں دے رہا تھا۔

بیڈ پر اپنے چہرے کے آگے کتاب لئے بیٹھی زینب اسکی موجودگی کی وجہ سے شدید کوفت کا شکار تھی جو گاہے بگاہے کچھ پل رک کے اسکی طرف دیکھتا اور پھر کام میں لگ جاتا حیدر کے اس عمل کا سلسلہ دو گھنٹے سے جاری تھا اور اب زینب کی برداشت جواب دینے لگی تھی پر یہاں بیٹھ کے اسے برداشت کرنے کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتی تھی باہر وہ جا نہیں سکتی تھی کیوں کہ سب کا راویہ پھر سے پہلے جیسا ہو گیا تھا اسے اس وقت عائشہ کی شدید یاد آئی وہ ہوتی تو وہ اس کے پاس ہی چلی جاتی۔

دروازے کو نوک کر کے اجازت ملنے پر وہ سیدھا زینب کے پاس آیا تھا۔زینب کتاب سائیڈ میں رکھ سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔

حیدر احد کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا جو اسے دیکھے بغیر ہی زینب کی طرف بڑھ گیا تھا۔

زینی" وہ بہت دھیمی آواز میں اس سے مخاطب تھا۔"

جی۔۔۔۔ بیٹھو" زینب نے پوچھتے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ اپنے سامنے بیٹھا لیا۔"

زینی آپ چلیں میرے ساتھ میں آپ کو آج اپنے ہاتھوں کے بنے پین کیک بنا کر کھلاتا ہوں" احد کی اتنی سادگی سے کہی گئی بات پر زینب کو شدید جھٹکا لگا اتنے سے بچے کو پین کیک بنانے آتے تھے۔

آپ کو پین کیک بنانے آتے" وہ حیرت سے پوچھنے لگی جس پر احد نے سر کو اوپر نیچے کر ہاں میں جواب دیا۔"

آپ پہلے بنا چکے ہو؟" اس نے ایک اور سوال کر ڈالا۔"

نہیں" اس نے گردن نفی میں ہلاتے کہا۔"

تو پھر آپ کو بنانے تو نہ آئے نہ" اسے جیسے تسلی ہوئی۔"

نہیں مجھے بنانے آتے ہیں ہم سنڈے والے دن پین کیک مل کر بناتے ہیں" اس نے وضاحت کی۔"

ہم؟" اس نے سوالیہ انداز اپناتے ابرو اچکائی۔"

میں اور چاچو۔۔۔۔ چاچو بناتے ہیں میں ان کی ہیلپ کرتا ہوں" اس نے بات واضح کی تو زینب کی بے ساختہ ہی حیدر پر پڑی جو آنکھیں سکیڑے ان کی باتیں سننے کی کوشش کر رہا تھا۔"

زینب سر جھٹک کر احد کی طرف متوجہ ہوئی۔

ٹھیک ہے تو پھر آج ہم دونوں مل کر بناتے ہیں آپ وہی کرو گے جو آپ چاچو کے ساتھ کرتے ہو میری" ہیلپ اور میں بناؤں گی۔۔۔اوکے "اس نے دایاں ہاتھ احد کے آگے پھیلا کے اسکی رضامندی چاہی۔۔۔۔احد نے حامی بھرتے اس کا ہاتھ پکڑا اور وہ اسی طرح ہاتھ پکڑے کمرے سے چلے گئے۔۔۔

حیدر کے سمجھ تو نہیں آئی کے احد کو کیا ہوا تھا جو آج وہ سیدھا زینب کے پاس جا پہنچا اور اتنی رازداری میں ایسی کون سی بات زینب سے کر رہا تھا۔۔اس نے بعد میں اس موضوع پر سوچنے کا ارادہ کرتے ایک نئی فائل اٹھاتے کام کو ایک بار پھر شروع کیا۔

کچن کاؤنٹر پر میدہ، چینی، نمک، کوکو پاؤڈر، مکھن، انڈہ اور کچھ اور چیزیں نکال کر احد نے سجا دیں تھیں۔۔۔زینب نے اسے روکا نہیں کیوں کہ وہ حیدر کے ساتھ بھی حیدر کی یہی مدد کرتا تھا۔۔۔احد فریج کھولے کھڑا تھا نجانے کون سی چیز تھی جس کی کمی تھی حالانکہ زینب کے حساب سے پین کیک کی ریسیپی میں ڈالنے والے سارے لوازمات وہ نکال کے رکھ چکا تھا۔

کوئی پرابلم ہے کیا" اس نے احد کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کے پوچھا جو فریج بند کرتا اب اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

ہنّی نہیں ہے" وہ بہت اداسی سے بولا تھا۔"

لیکن پین کیک میں ہنی تو نہیں ڈلتا" اس نے اپنی طرف سے بات ٹھیک کہی تھی۔"

لیکن چاچو ہنی کے بغیر کبھی پین کیک نہیں کھائیں گے" اس نے کہا تو زینب کے پوری بات سمجھ میں آ گئی وہ اسی لئے کمرے میں اس سے اتنی آہستہ آواز میں بات کر رہا تھا تاکہ حیدر سن نہ سکے وہ پین کیک بنا ہی حیدر کے لئے رہا تھا اسی لئے شہد کا نہ ہونا اسے اداس کر گیا تھا۔

صغرا بی۔۔۔ شہد کیا ختم ہو گیا ہے" زینب نے ملازمہ کو کچن میں آتے دیکھا تو پوچھ لیا۔"

جی بی بی جی وہ تو ختم ہو گیا تھا۔۔۔ حیدر صاحب ہی لاتے ہیں آپ ان سے کہیں وہ لا دیں گے" وہ پلو سے اپنا ماتھے پے آیا پسینہ صاف کرتیں بولیں تھیں ساتھ مشورہ بھی دے رہیں تھیں۔

وہ لے ہی نہ آئیں سارا کا سارا آفس تو وہ گھر لے آئے ہیں آفس میں صرف جھک مرنے جاتے ہیں لگتا ہے" زینب نے اپنے اندر بھری ناگواری کو ظاہر کر ہی دیا تھا۔

کون کیا نہیں لائے گا" وہ اسکی بات سن چکا تھا مسکراتا ہوا کچن کے اندر آتا پوچھنے لگا۔"

صغرا بی عجلت میں کچن سے چلی گئیں تھیں کیوں کہ گھر والے جہاں ساتھ ہوتے وہاں ملازموں کو کھڑے رہنے کی اجازت نہیں تھی۔

احد کا اترا چہرہ حیدر کو دیکھ الارمنگ ہوا تھا وہ تو شکر تھا صغرا بی سے جب شہد کا پوچھنے وہ کاؤنٹر کے آگے آئی تھی تو احد بھی اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔۔۔ وہ احد کا سرپرائس خراب نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لئے حیدر اس سے پہلے آگے آتا اور کاؤنٹر پر سجا سامان دیکھ سب جان جاتا وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

کچھ نہیں۔۔۔ تم جاؤ یہاں سے" وہ اسے جلد از جلد کچن سے بھگا دینا چاہتی تھی۔"

تمہارے انداز بدلے بدلے لگ رہے ہیں خیر تو ہے" وہ کہاں اس کی سننے والا تھا اپنے ہونٹوں پر مسکان" سجائے پوچھ رہا تھا۔

میرے انداز۔۔۔" وہ چیلینج کرتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ایسے کہہ رہی تھی کہ حیدر کو لے کے اس" کے انداز کبھی بدل ہی نہیں سکتے۔

وہ لے ہی نہ "آئیں" سارا کا سارا آفس تو وہ گھر لے "آئے ہیں" آفس میں صرف جھک مرنے "جاتے ہیں"" وہ کچھ دیر پہلے کہی اس کی بات کو دوہراتے کچھ لفظوں کو بہت زیادہ کوٹ کر کے بولا تھا جیسے کہ آئیں، آئے ہیں اور جاتے ہیں۔

وہ میں نے صغرا بی اور احد کی وجہ سے تمہاری عزت رکھنے کے لئے کہا تھا پر میں بھی نہ بھول گئی تھی" تمہیں تو عزت راس ہی نہیں ہے" وہ مصنوئی مسکان اپنے عنابی ہونٹوں پر سجائے لفظوں کو خوب چبا کے بہت ہلکی آواز میں بولی تھی کہیں احد سن ہی نا لے۔

مجھے اچھا لگا تمہیں میری عزت کا خیال ہے اور اگر تمہیں میرا گھر پر کام کرنا برا لگتا ہے تو میں نہیں کروں گا آئندہ" اب کے اس کے لبوں پر مسکان نہیں تھی۔۔وہ سنجیدہ تھا مگر اسکی گہرے آنکھیں مسکرا رہیں تھیں۔

زینب نے اسکی بات سن کوفت سے آنکھیں مٹکائیں۔

مجھے تمہارا اس وقت یہاں ہونا سخت زہر لگ رہا ہے اسی لئے تم یہاں سے چلے جاؤ اور جب تک میں کمرے میں نہ آوں تم باہر مت آنا" وہ غصّے میں آنے لگی تھی۔

پہلی دفع میری بیوی نے بیوی کی طرح حق جماتے کوئی حکم دیا ہے مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے" وہ حیدر ہی کیا جو اسے تپانا بھول جائے۔

تم تھکتے نہیں ہو ایسی باتیں کرتے" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں پتا نہیں کیوں اس سے پوچھ بیٹھی۔"

محبّت کرتے کون تھکتا ہے" وہی دل موہ لینے والی مسکراہٹ۔۔۔آنکھوں میں عجیب بے نام جذبے" زینب ٹھٹکی تھی۔

میری ہی غلطی ہے کس پھتر سے سر پیٹ رہیں ہوں" وہ خود کو کموز کر گئی تھی ہاتھ سے اپنا ماتھا مسلتے وہ" بہت افسوس سے بولی تھی۔

اب ایسا بھی کچھ نہیں ہے جا رہا ہوں" وہ شاید برا مان گیا تھا۔"

وہ اگر برا مان بھی گیا تھا تو زینب نے شکر کیا کم از کم وہ چلا تو گیا تھا۔

تم اداس کیوں ہو رہے ہو ہنی ہی تو ہے کوئی بھی لے آئے گا ایسا کرو تم ڈرائیور سے منگا لو تمہیں تو پتا ہی" ہو گا تمہارے چاچو کس برانڈ کا ہنی کھاتے ہیں" اس نے احد کے پاس پنجوں کے بل بیٹھ کہا تو وہ یک دم ہی خوش ہو گیا تھا۔

ٹھیک ہے آپ یہ ریڈی کریں تب تک میں ہنی لے کے آتا ہوں" وہ کہتا کچن سے چلا گیا تھا۔"

اس کے جاتے ہی زینب نے عادتاً دوپٹہ کمر کر ترچھا کر کے بندھا اور کام پر لگ گئی۔

اس نے تیزی سے ہاتھ چلاتے ایک باؤل میں سارے لوازمات مقدار کے مطابق ڈالے۔۔۔ لیکن ایک چیز کی کمی تھی یہاں بیکنگ پاؤڈر نہیں تھا احد شاید بھول گیا تھا نکلنا اس نے ایک ایک کر سارے کیبنٹ چھان لئے لیکن اسے کہیں بیکنگ پاؤڈر نہیں ملا البتہ ایک کیبنٹ ایسا تھا جو کھولنے کا نام نہیں لے رہا تھا کچھ سوچتے ہوئے اس نے فریج بھی چیک کر لیا اسے وہ وہاں بھی نہیں ملا۔

اب اگر کوئی جگہ بچی تھی تو وہ کیبنٹ تھا جو تھوڑی اونچائی پر تھا اور کھل نہیں رہا تھا اس نے اریوں کے بل اونچا ہوتے چھری سے اسے کھولنے کی کوشش کی وہ ابھی اسی کوشش میں تھی کہ اسے ایک زور کا دھکا لگا اس کا ہاتھ ایک دم ہی جھٹکے سے نیچے آیا تھا اور اس کے ماتھے پر چھری سے کٹ لگ گیا تھا۔۔۔زینب کے منہ سے ہلکی سی "سی" کی آواز نکلی تھی۔

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فائزہ بیگم جو اسے دھکا دے آگے بڑھیں تھیں اپنے کام میں مطمئن سی مصروف تھیں ان کی پشت اس کی طرف تھی البتہ دروازے پر کھڑی صغرا بی سب ملاحظہ فرما چکیں تھیں منہ پر ہاتھ رکھے شاک کے عالم میں زینب کو دیکھ رہیں تھیں جس کے کٹ سے خون بہنے لگا تھا۔زینب اسے صاف کرنے کی غرض سے سنک کی طرف بڑھنے ہی لگی تھی جب فائزہ بیگم پلٹیں اور ان کی نظر زینب کے تازہ تازہ زخم پر جا ٹھری زینب نے دیکھا تھا وہ گھبرائیں تھیں مطلب انہوں نے کچھ بھی دانستہ طور پر نہیں کیا تھا۔

زینب آگے بڑھ گئی اور فائزہ بیگم جلد ہی کچن سے نکل گئیں کچھ ہی دیر میں اس کا خون رک گیا تھا صغرا بی نے اسے بینڈج لا کر دی تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔۔۔وہ اتنی سی چوٹ پر بینڈیج لگا کر فائزہ بیگم کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

زینب نے کام جاری کرتے پین کیک بنا لئے تھے اور ان کے بنتے ہی احد بھی آ گیا تھا۔۔۔احد نے پین کیک پر ہنی ڈالتے اسکی تھوڑی گارنشینگ بھی کر دی تھی اور پھر ان کیکز کو فریج میں رکھ دیا تھا کیوں کہ احد نے اسے بتایا تھا کہ حیدر اور وہ دونوں ٹھنڈا کر کے انہیں کھاتے ہیں۔

پندھرا بیس منٹ ان دونوں نے لاونج میں بیٹھے رہنے کے بعد واپس چکن میں آ کر پین کیک کو ٹرولی میں رکھا ساتھ دو تین ناشتے کی پلیٹس اور چمچے بھی رکھے۔۔۔ٹرولی کا ایک نظر جائزہ لے کر زینب احد کے ساتھ اسے دھکیلتی اپنے کمرے کی جانب قدم بڑھنے لگی۔

وہ اب تک فائل پر سر جھکائے بیٹھا تھا جب زینب دروازہ وا کرتی اندر داخل ہوئی۔۔۔اس نے ڈور نوب کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھا تھا اور زینب پر ایک نظر ڈال وہ پھر سے اپنے کام میں لگ گیا تھا۔

زینب ٹیبل کے پاس آ کے کھڑی ہوئی تو حیدر کی نظریں میکانکی انداز پر اس پر پڑی وہ عام سے انداز میں اب ٹیبل پر بکھری فائلیں سمیٹ رہی تھی۔۔۔حیدر کو حیرت کا دوسرا جھٹکا لگا تھا۔۔۔وہ اسے بینا پلکیں جھپکائے دیکھتا گیا۔۔۔زینب نے تھوڑا جھجکتے ہوئے آہستگی سے حیدر کے ہاتھ میں تھمی فائل لی اور اسے بند کرتے فائلون کے ڈھیر پر ہی سجا دی۔۔۔حیدر حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا

تھا۔۔۔زینب اور یہ راویہ وہ بھی حیدر کے ساتھ بات کچھ ہضم نہیں ہو رہی تھی حیدر سے۔۔۔لیکن اچانک ہی حیدر کی نظر اس کے ماتھے پر لگی چوٹ پر جا پہنچی۔۔۔

وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوتا ٹھیک اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔۔۔زینب کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ حیدر نے ہاتھ بڑھاتے انگوٹھے سے اس کے زخم کو چھوا۔۔۔

یہ کیسے لگی"اس کی حیرت نے فکر کی جگہ لے لی تھی۔"

آجاؤ"زینب نے نرمی سے اس کے ہاتھ کو جھٹک کس سے کہا تھا حیدر کو کچھ اندازہ نہیں تھا۔"

احد ٹرولی لیتے اندر آیا تو حیدر کو سمجھ آیا وہ کس سے مخاطب تھی۔

سرپرائس"احد کے انداز میں کافی جوش تھا۔"

زبردست۔۔۔ویسے کس بات کا سرپرائس ہے یہ"حیدر نے پین کیک کی شکل دیکھتے انہیں سرھایا اور" سرپرائس دینے کی وجہ بھی دریافت کرنی چاہی۔

ہمیشہ آپ مجھے بنا کے کھلاتے ہیں میں نے سوچا آج میں آپ کو کھلاؤں زینی کے ہاتھوں کا بنا"احد نے" ٹرولی کو ٹیبل کے پاس لے جا کر روکا اور حیدر کو جواب دیا۔

زینی نے بنایا ہے تو میں ضرور کھاؤں گا"وہ ایک سیکنڈ ضائع کئے بغیر پٹھری سے اترا تھا۔"

ٹیبل پر چیزیں سیٹ کرتی زینب نے اسے خطرناک گھوری سے نوازا۔

حیدر پے اس گھوری کا ایسا اثر ہوا تھا کہ وہ ایک اور بار اس سے نہ مخاطب ہوا نہ ہی اسے تنگ کرنے کی کوشش کی۔ حیدر نے احد کے ساتھ پین کیک کھاتے اس سے خوب ساری باتیں کیں اور وہ بس ان چچا بھتیجا کو دیکھ کر رہ گئی۔

صغرا بی احد کو بلانے حیدر کے کمرے میں آئیں جسے ثانیہ بھابی بلا رہی تھیں۔۔۔ احد ان کے کہنے پر جلدی سے باہر چلا گیا تھا جبکہ حیدر نے صغرا بی سے ٹرولی لے جانے کا کہا۔

اب یہاں صرف یہ دونوں ہی تھے۔ موبائل رنگ ہوتے زینب نے اپنے موبائل کو دیکھا دور سے ہی اس نے "رانیہ کالنگ" کے الفاظ سکرین پر چمکتے دیکھے۔۔۔ وہ مسکراتی ہوئی کال اٹھانے کے لئے آگے بڑھی۔۔۔ کچھ دیر رانیہ سے بات کی اور پھر واپس کتاب لے کے بیٹھ گئی۔

ابھی وہ اپنا چھوڑا گیا پیرا کتاب میں ڈھونڈھ رہی تھی جب حیدر نے آہستگی سے اس کے ہاتھ سے کتاب لی اور بند کر کے وہیں بیڈ پر رکھ دی۔۔۔۔ زینب نے دیکھا تھا اس کے ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس تھا۔۔۔ چہرے پر نرم سی سنجیدگی۔۔۔

حیدر نے قریب ہوتے اس کے زخم کا معائنہ کیا اور کوئی ٹیوب لگاتے اس کی بینڈیج کی۔۔۔ اس سارے عرصے میں زینب نہ اسے روک پائی اور نہ کچھ کہہ پائی۔۔۔ اسے یاد نہیں پڑ رہا تھا کہ والیو اللہ کہ علاوہ

کبھی اس کی چھوٹی چھوٹی چوٹوں پر کسی نے بینڈ تج کی ہو۔۔۔اور یاد بھی کیسے آتا کیوں کہ کوئی تھا ہی نہیں

صرف والیو اللہ تھے اور اب۔۔۔اب وہ تھا۔

کیسے لگی یہ زینب "زینب کے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کو وہ اپنی مٹھی میں تھامے اپنی گرے آنکھوں "

میں شفیق سا تاثر لئے پوچھ رہا تھا۔

تمہیں میری چوٹوں کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے "اس نے مدھم آواز میں کہتے اپنی انگلی حیدر "

سے آزاد کرالی تھی۔

مجھے ہے "اس کا لہجہ قطعی تھا۔ "

اور تم سے یہ کس نے کہہ دیا "وہ مصنوئی غصے سے بولی۔ "

دل نے "وہ آنکھوں میں والہانہ جذبات لئے بولا تو زینب نے آنکھیں چرائیں۔۔۔ہاں پہلی بار چرائیں "

تھیں۔۔۔

تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے بہتر ہے مجھ سے دور رہو "اس نے کتاب اٹھائی اور منہ کے آگے کرتے "

کہا۔۔۔وہ چاہتی تھی اس کی بتاؤں کا اثر نہ ہو پر وہ ہو رہا تھا اس پر۔

ہو سکتا ہے تم سے دور رہنا بہتر ہو مگر تمہارے قریب رہنا بہترین ہے میرے لئے "اس کا لہجہ وہی طرح "

نرم سا۔۔۔جس میں اس جذبے کی شمولیت تھی جسے زینب بارہاں ماننے سے انکاری تھی۔

وہ اب کے کام کرنے صوفے پے نہیں جا بیٹھا تھا بلکہ اب کے وہ کمرے سے ہی چلا گیا تھا۔

کل آپ مجھے کہہ رہیں تھیں میں مڈل کلاس لوگوں کی طرح جذباتی ہو رہا ہوں آج آپ مڈل کلاس " ساسوں کی طرح اس سے ایسا بیہوہ کر رہیں ہیں امی کچھ تو خیال کریں" حیدر کچن میں پانی پینے گیا تو وہاں کھڑی صغرا بی کی باتیں سن لیں جو اس کی ماں کے متعلق کوئی بڑا سا سین اپنی بیٹی کو بتا رہیں تھیں۔۔۔ ان کی باتیں سن حیدر ماں کے پاس آیا تھا جو اپنے کمرے میں اس وقت اکیلی تھیں۔

شکر کرو میں نے قتل نہیں کیا اس کا" فائزہ بیگم نے الماری کا دروازہ بند کر کے نفرت سے بھرے لہجے " میں کہا۔

آپ اپنا دیا ہوا سبق آج خود بھول رہیں ہیں آپ نے کہا تھا اپنی عزت اپنے ہاتھ ہوتی ہے آپ کیوں اپنی " عزت میری نظروں میں کم کرنا چاہتی ہیں" حیدر نے بے چارگی سے کہا۔

تمہیں اس میں اور مجھ میں سے کسی ایک کو چننا ہو گا" انہوں نے اٹل انداز میں کہتے جیسے اپنا فیصلہ سنایا" تھا۔

انسان کے جسم کے دو اہم اعزا ہیں دل اور دماغ دونوں میں سے کوئی ایک بھی کام کرنا بند کر دے تو " موت ہوتی ہے آپ میرا دماغ ہیں تو وہ میرا دل ہے دونوں میں سے ایک بھی مجھ سے علیحدہ ہو گیا تو نتیجہ

موت ہو گی۔۔۔میں نہ آپ سے دور رہ سکتا ہوں نہ ہی اس سے ہاں اگر آپ چاہیں تو میں اسے آپ سے دور کر دیتا ہوں" وہ ان پر پوری بات واضح کرتے بیچ کا راستہ نکال رہا تھا۔

تم اسے چھوڑ دو یہ سب وقتی ہے سب ختم ہو جائے گا تمھیں صرف ایسا لگتا ہے تم اس کے بغیر نہیں رہ سکتے کچھ دونوں کی ہوتی ہے یہ محبت اور پھر دھندلا جاتی ہے تم اس کے پیچھے خود کو برباد نہ کرو" وہ اسے تین سالہ حیدر سمجھ بہلانے لگیں تھیں جو ان کے بھلاوے میں آجایا کرتا تھا لیکن اب وہ تین سال کا نہیں تھا اور نہ ہی انکی ایسی باتوں میں آنے والا تھا۔

ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ محبت دھندلا جاتی ہے پر امی یہ کبھی ختم نہیں ہوتی صرف ایک ہاتھ پھیرنے کی دیر ہوتی ہے اور پھر دھند چھٹنے لگتی ہے "جو محبّت میں قدم آگے بڑھانے کے بعد پیچھے لے وہ حیدر عبّاس ہی کہاں۔

ہم سکوں سے رہیں گے پہلے کی طرح" وہ اسے اب بھی بھلا رہیں تھیں شاید وہ مان جائے۔۔۔آخر وہ انکی ہر بات جو مانتا تھا۔

جنت میں بے سکونی ہو گی کیا امی "کافی توقف کے بعد حیدر نے ایک غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے انتہائی غیر متوقع سوال کیا تھا۔

فائزہ بیگم نے اپنے بیٹے کو غور سے دیکھا۔۔۔وہ اس سوال کا مقصد سمجھنے سے قاصر تھیں۔

نہیں جنت میں بے سوکنی نہیں ہو گی" وہ اسے جانچتی نظروں سے دیکھتی بولیں تھیں۔"

اللہ نے آپ کے پیروں کے نیچے میری جنت رکھی ہے تو اس کے ساتھ میں میرے دل کا سکون امی" رکھا ہے آپ چاہتی ہیں میں اپنے دل کا سکون اجاڑ کر اپنی جنت کے ساتھ سکون سے رہوں۔۔۔ پھر میرے لئے تو جنت میں بھی بے سکونی ہی ہے" وہ آخری فقرہ کہتے تلخی سے مسکرایا تھا اور فائزہ بیگم کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

ٹھیک اسی وقت دروازے کو نوک کر صغرا بھی اندر داخل ہوئیں تھیں۔ فائزہ بیگم نے خود کو نارمل کر ان سے آنے کی وجہ پوچھی تھی۔

حیدر صاحب سے کوئی ملنے آیا ہے میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھا دیا ہے" صغرا نے بتایا تو اگلا" سوال حیدر کی طرف سے آیا تھا۔

"کون آیا ہے"

"جی وہ اپنا نام عاطف ظفر بتا رہے ہیں"

"آپ جائیں میں آرہا ہوں"

صغرا بی حکم سنتے ہی چلی گئیں تھیں اور حیدر ان کے جاتے ہی اپنی ماں کی طرف بڑھا تھا جو کسی سوچ میں غرق تھیں۔ ان کے کندھے کے گرد اپنا بازو پھیلاتے حیدر نے انہیں خود سے قریب کیا تھا۔

میں جانتا ہوں امی آپ سے زیادہ کوئی مجھے چاہ ہی نہیں سکتا آپ سے زیادہ میری فکر، مجھ سے محبّت کوئی" کر ہی نہیں سکتا۔۔۔ جتنی خالص آپ کی محبّت ہے میرے لئے کسی کی نہیں ہے نہ ہی کبھی ہو سکتی ہے۔۔۔ آپ کو انسیکیورٹی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔ حیدر آج بھی آپ کا بیٹا ہے اور آئندہ بھی آپ کا بیٹا رہے گا۔۔۔ کوئی مجھے آپ سے نہیں چھین سکتا" وہ انہیں خود سے لگائے کہہ رہا تھا اور فائزہ بیگم اپنی ممتا کے آنسو روکنے کی کوشش کر رہیں تھیں۔

میں بس آپ سے چاہتا ہوں کہ آپ میرے لئے ہی سہی اپنے دل میں اسے تھوڑی سی جگہ دے دیں""

اس نے کہتے ہی محبّت و عقیدت سے ان کے ماتھے پر بوسہ لیا تھا۔۔ فائزہ بیگم اب اپنے آنسو روک نہ سکیں۔

تم ماں کو ایموشنل بلیک میل کر رہے ہو" وہ رونے کے بیچ میں بولی تھیں۔"

ماں میں اسے چاہنے لگا ہوں اور میں چاہتا ہوں آپ میری چاہت کا احترام کریں بس اور کچھ نہیں" وہ" ان کے آنسو چنتے اب کے کسی چھوٹے بچے کی طرح بولا تھا۔

میں کوشش کروں گی تمہارے لئے" وہ ماں تھیں بیٹے کے اس طرح کے اظہارِ محبّت پر کیوں نہ ان کا" دل پگھلتا۔

آپ کو پتا ہے نہ میں آپ سے بہت محبّت کرتا ہوں" حیدر نے انہیں دوبارہ خود سے لگائے کہا۔"

چلو جا کر اپنے مہمان سے ملو مجھے زیادہ مکھن نہ لگاؤ" انہوں نے حیدر کو پرے دھکیلتے کہا تھا۔۔۔وہ" مسکراہوا ایک بار پھر ان کا ماتھ چومتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

۔حیدر ڈرائنگ روم میں آیا تو سامنے صوفے پر بیٹھا شخص ایک پل کے لئے پہچان میں ہی نہ آیا۔۔اسکے حلیہ رف تھا۔۔ماتھے پر بال بکھرے تھے۔۔۔آنکھیں لال تھیں۔۔۔چہرہ اور کپڑے دونوں شکنوں سے بھرے تھے۔۔۔وہ صوفے پر بیٹھا مضطرب سا اپنی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو جوڑے ہوئے اپنا دیاں انگوٹھا بار بار ہلا رہا تھا ٹھیک اسی طرح اسکا دیاں پیر مسلسل زمین پر پڑ رہا تھا۔

السلام علیکم" حیدر با آواز بلند کہتے عین اس کے سامنے والے صوفے پر جا بیٹھا۔"

عاطف نے خالی خالی نظروں اسے دیکھا تھا۔۔وہ کسی گہری سوچ میں گم لگ رہا تھا۔

کیسے آنا ہوا عاطف" جب کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی عاطف کچھ نہ بولا تو حیدر کو ایک بار پھر اسے" مخاطب کرنا پڑا۔

میری۔۔۔بہن۔۔۔سے۔۔۔شادی۔۔۔کرلو۔۔حیدر" عاطف نے نظریں جھکائے یہ لفظ" کیسے ادا کیئے تھے وہی جانتا تھا۔

حیدر کے چہرے پر ایک کے بعد ایک رنگ آ کے گزرا تھا۔۔۔ حیرت کا۔۔۔ ناگواری کا۔۔۔ اور پھر غصّے کا۔۔۔

وہ اٹھا تھا اور جانے ہی لگا تھا جب عاطف نے ایک بار پھر کہا۔

"وہ محبّت کرتی ہے حیدر تم سے۔۔۔ وہ مر جائے گی۔۔۔ میری بہن کو بچا لو۔۔۔ وہ تمہارے لئے خود کو ختم کرنے پر تلی ہے" اب کے ضبط کرنے کے باوجود اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

"جو وہ مجھ سے کرتی ہے اسے محبّت نہیں کہا جا سکتا" حیدر نے عاطف کی پوزیشن سمجھتے بہت نرمی سے جواب دیا تھا۔

"ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن مجھے اتنا پتا ہے اسے صرف تم بچا سکتے ہو" وہ امید بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"تمھیں کیا لگتا ہے جو عورت ابھی کسی اور کا میری زندگی میں ہونا برداشت نہیں کر رہی وہ میری زندگی میں شامل ہونے کے بعد شراکت برداشت کر لے گی" وہ نا چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا تھا۔

"وہ بچ جائے گی" وہ اپنی ہی بولا تھا۔

"جو تم چاہتے ہو میں نہیں کر سکتا" وہ دوٹوک بولا۔

چاہے وہ مر ہی کیوں نہ جائے" عاطف کو غصّہ آیا تھا۔۔۔ کیا ان دونوں بہن بھائی کے لئے کسی کی محبت نہیں لکھی تھی۔۔۔۔ کیوں ان کے نصیب میں ٹھکرائے جانا لکھا تھا۔

"تم اسے سمجھاؤ وہ کوئی بیوقوفی نہ کرے"

عاطف اٹھتا اسکے سامنے کھڑا تھا۔۔۔۔ آنکھوں میں اب کے بیچارگی نہیں تھی۔۔۔ بلکہ غصّے کے تاثرات رقم تھے۔

تم اس زینب لاوارث اور بے نام۔۔۔۔ "باقی کے الفاظ عاطف کے منہ سے ادا ہی نہ ہوئے تھے اس کا" جبڑا حیدر کے مضبوط ہاتھ کا نشانہ بنا تھا۔۔۔ عاطف کے قدم نقاہت کے باعث لڑکھڑائے تھے اور وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا خود کو گرنے سے بچانے کے لئے اس کا ہاتھ لاشعوری طور پر سینٹر ٹیبل پر پڑا تھا۔۔۔ کانچ کی میز اسکے وزن کی تاب نہ لاتے دھماکے کی آواز کے ساتھ پل میں کرچی کرچی ہو گئی تھی۔۔۔۔ حیدر نے فطری عمل کرتے کرتے ہوئے عاطف کا کولر پکڑتے اپنی طرف گھنیسٹا تھا اور اسے ان ٹوٹے شیشوں پر گرنے سے بچایا تھا۔

نہ وہ لاوارث ہے نہ ہی بے نام۔۔۔۔ زینب حیدر عبّاس ہے وہ" اس نے غصّے سے بے قابو ہوتے کہتے" ساتھ اس کو دوسری طرف کرتے ایک بار پھر اس کے منہ پر اپنے ہاتھ کا مکا بناتے پوری قوت سے مارا تھا۔

عاطف اب کے قالین پر جا گرا تھا۔

میز کے وزنی شیشے کے ٹوٹنے کی پیدا ہوئی دھماکہ خیز آواز تقریباً نیچے ہر کمرے میں گئی تھی۔۔۔اور اب سب یہاں کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔۔۔غصّے سے بھرے حیدر کو روکنا مشکل ترین تھا عورتوں کے لئے کیوں کہ نہ گھر میں عبّاس صاحب موجود تھے نہ ہی سعید عبّاس۔۔۔

آئندہ اپنے منہ سے زینب کے لئے ایک بھی فضول بات کرنے سے پہلے سوچ لینا زینب حیدر عبّاس کی" بیوی ہے اور اگر تم نے زینب کو دکھ پہنچانے کی کوشش کی تو دور کی بات اگر ایسا سوچا بھی تو تم اپنی موت کو دعوت خود دو گے زینب کے دل پہ ضرب لگانے والے ایک ہی شخص کو میں ہزار بار موت کی نیند سلا سکتا ہوں اور تم یقین کرو ہزارویں بار بھی نہ میرے ہاتھوں میں کپکپاہٹ آئے گی اور نہ ہی دل میں رحم"

اس کا انداز لہجہ اور الفاظ شعلے برسا رہا تھا۔

ڈرائنگ روم کے دروازے کی چوکھٹ پر ثانیہ بھابی کے پیچھے کھڑی زینب جتنا حیدر کے الفاظ پر منجمد ہوئی تھی اس سے کہیں زیادہ عاطف کے منہ سے نکلتے خون سے ہوئی تھی۔

حیدر کا اشتعال کم نہیں ہوا تھا وہ تیوری چڑھائے عاطف کے اوپر جھکا تھا تب ہی اسے اپنے بازو پر وہ لمس محسوس ہوا تھا جسے وہ سانسیں روکنے کے بعد بھی پہچان سکتا تھا۔۔۔حیدر نے اس لمحے آنکھیں موندیں تھیں۔۔۔اور واقعی سانسیں خود باخود ہی تھم گئی تھی۔

حیدر نے پلٹ کر اسکی آنکھوں میں گہرائی تک دیکھا تھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ حیدر نے ان آنکھوں میں حیرت اور ایک اور احساس دیکھا تھا۔۔۔ اور اپنے اس احساس سے وہ حیدر کو حیران کر گئی تھی۔۔۔ وہ بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔۔۔ کچھ دیر پہلے کا غصّہ لمحہ ضائع کئے بغیر ہوا ہو گیا تھا۔

تم پاگل ہو گئے ہو۔۔۔ اس سے پہلے میں تمہارا منہ توڑ دوں دفع ہو جاؤ اپنے کمرے میں "سعید عبّاس" گھر میں انٹر ہی ہوئے تھے کہ ملازم سے خبر ملنے پر سیدھے اسی طرف آئے تھے۔۔۔ عاطف کے منہ سے خون نکلتا دیکھ وہ حیدر پر آج پہلی بار سختی سے چلائے تھے۔

ان کی روعب دار غصّے سے بھری آواز سن حیدر کو کوئی اثر نہیں ہوا تھا وہ زینب کے تاثرات دیکھنے میں محو تھا البتہ زینب سہمی تھی جتنے غصّے سے وہ گویا ہوئے تھے وہ اسے ضرور ایک آت ہاتھ تو لگا ہی دیتے۔۔۔ اسی ڈر سے وہ اسے عجلت میں بازو سے کھینچتی ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

۔زینب نے کمرے میں آتے اس کا ہاتھ چھوڑا تھا اور آج صبح جو اس نے کتاب پڑھنے کے لئے نکالی تھی پھر اٹھا لی تھی۔۔۔ یہ سچ تھا کہ وہ صبح سے ہی اس کتاب کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ پائی تھی۔۔۔ حیدر کی سوچوں کے فرار سے اس نے اس کتاب کا سہارا لینا چاہا تھا پر دماغ ساتھ ہی نہیں دے رہا تھا۔

حیدر اس کو بغور دیکھنے کے بعد باتھروم میں گھس گیا تھا۔۔۔کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ہینڈ ٹاول تھا جس سے وہ اپنے گیلے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔۔۔اس کی نظر زینب پے جا ٹھری تھی جس کی کتاب اب الٹی ہوئی بیڈ پر رکھی تھی اور وہ فرصت سے اپنے ناخونوں کے گرد خال کو خرچنے میں لگی تھی۔۔۔یہ دوسری بار تھا جب حیدر نے اسے ایسے کرتے دیکھا تھا۔۔۔شاید وہ شدید پریشانی کے عالَم میں یہ کیا کرتی تھی۔

حیدر نے ٹاول ڈریسنگ پر رکھا اور بیڈ پر اس کے قریب آ بیٹھا۔۔۔زینب کے عمل میں کوئی فرق نہیں آیا۔۔۔تو حیدر نے اسے روکنے کے لئے آہستگی سے زینب کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

تم پریشان ہو؟" وہ پوچھنے لگا۔"

ہمم" اس سے زیادہ وہ نہ بولی۔۔۔آنکھیں اب اپنے اور حیدر کے ہاتھوں پر مرکوز تھیں۔۔۔اسکی" نظر حیدر کے ہاتھ کی پشت پر اس کے زخم پر پڑی جو عاطف کو بچاتے وقت شیشے کی تیز دھار سے اسکے ہاتھ پر کٹ چھوڑ گیا تھا۔۔۔زینب کے ذہن میں نجانے کیا چل رہا تھا وہ اس کے ہاتھ کو پلٹتی بہت نرمی سے اپنے انگوٹھے سے اس کے زخم کو سہلا رہی تھی۔

حیدر جامد ہوا تھا۔۔۔

وہ اپنے میں نہیں تھی جبھی یہ سب کر رہی تھی۔۔۔حیدر نے اس کے اس عمل کی خود کو وجہ دی تھی۔

میری وجہ سے پریشان ہو" حیدر سمجھ رہا تھا اس نے زینب کو پریشان کر دیا ہے۔"

نہیں۔۔۔ تمہارے لئے پریشان ہوں" وہ پتا نہیں کہاں تھی جو یہ بول گئی تھی اور حیدر کی رہی سہی" سانسوں کو بھی روک گئی تھی۔

تم پریشان ہو؟" وہ پوچھنے لگا۔"

ہمم" اس سے زیادہ وہ کچھ نہ بولی۔۔۔ آنکھیں اب اپنے اور حیدر کے ہاتھوں پر مرکوز تھیں۔۔۔ اسکی" نظر حیدر کے ہاتھ کی پشت پر اس کے زخم پر پڑی جو عاطف کو بچاتے وقت شیشے کی تیز دھار سے اسکے ہاتھ پر کٹ چھوڑ گیا تھا۔۔۔ زینب کے ذہن میں نجانے کیا چل رہا تھا وہ اس کے ہاتھ کو پلٹتی بہت نرمی سے اپنے انگوٹھے سے اس کے زخم کو سہلا رہی تھی۔

حیدر جامد ہوا تھا۔۔۔

وہ اپنے میں نہیں تھی جبھی یہ سب کر رہی تھی۔۔۔ حیدر نے اس کے اس عمل کی خود کو وجہ دی تھی۔

میری وجہ سے پریشان ہو" حیدر سمجھ رہا تھا اس نے زینب کو پریشان کر دیا ہے۔"

نہیں۔۔۔ تمہارے لئے پریشان ہوں" وہ پتا نہیں کہاں تھی جو یہ بول گئی تھی اور حیدر کی رہی سہی" سانسوں کو بھی روک گئی تھی۔

میں ٹھیک ہوں" حیدر نے ہوش سنبھالتے اسے تسلی دیتے اس کا ہاتھ نرمی سے دبایا تھا۔"

زینب کے ہوش حیدر کے ہاتھ کا لمس محسوس کرتے اسے ہوش کی دنیا میں لے آیا تھا۔۔۔اس نے چونک کے سر اٹھایا۔۔ نظر اپنے اور حیدر کے ہاتھ پے پڑی تو اس نے کرنٹ کھا کے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچے اور بیڈ سے پھرتی سے اٹھتی جانے لگی۔۔۔حیدر نے اس کا بازو پکڑ جانے سے روکا تو وہ پورے اشتعال سے اسے دھکا دیتی بولی تھی۔

"دور رہو مجھ سے"

حیدر اس حملے کے لئے تیار نہیں تھا توازن برقرار کرتے وہ دو قدم پیچھے چلا گیا اور زینب کو ہکا بکا سا دیکھنے لگا ابھی کچھ دیر پہلے وہ کیا اعتراف کر گئی تھی اور اب اتنے غصّے سے کیا کہہ رہی تھی۔

جو آج تم نے نیچے تماشا کیا ہے تمھیں لگتا ہے تمہاری ان چھچھوری حرکتوں سے میں تمہاری تھرڈ کلاس" محبّت پر ایمان لے آؤں گی تو ایسا بلکل نہیں ہے۔۔۔دوسروں کے ساتھ میری وجہ سے لڑنے مرنے کے ڈرامے تم نہ کرو تو بہت بہتر ہو گا کیوں کہ اس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہونے والا" اثر تو اسے ہو رہا تھا اور بہت ہو رہا تھا۔

حیدر کو جہاں "چھچھوری حرکتوں" کا لفظ اپنے جذبوں کے لئے گراں گزرا تھا تو دوسری طرف "مجھ پے کوئی اثر نہیں ہونے والا" والی بات پر ہنسی بھی بہت آئی تھی۔۔۔اس پر کتنا اثر ہو گیا تھا وہ خود ابھی کچھ دیر پہلے دیکھ چکا تھا۔

میں لڑوں گا بھی اور ضرورت پڑی تو مر بھی جاؤں گا" وہ اس کے غصّے کا خیال کرتے سنجیدگی سے بولا" تھا۔

ہاں تو مر جاؤ" وہ غصّے سے لال پیلی ہوتی بولی اور حیدر کو اداس کر باتھروم میں گھس گئی تھی۔"

اپنے غصّے کو دو تین پانی کے چھینٹے چہرے پر مار کے۔۔۔ اور چند گہری گہری سانسیں لے کے اس نے خود کو نارمل کیا اور اپنا چہرہ خشک کرتی وہ باہر نکلی تھی کہ حیدر کے ہاتھ میں اپنا موبائل دیکھ اسے پھر غصّہ چڑھا تھا۔

میرے موبائل کو ہاتھ مت لگانا آئندہ" زینب نے اس کے کان پے بات کرتے اپنے موبائل کو چھینتے" تحکم سے کہا تھا۔

آئندہ نہ ابھی تو دے دو" حیدر نے اسے مزید سلگانا چاہا اور ساتھ اپنا ہاتھ بھی آگے بڑھا دیا۔"

تم۔۔۔" کہتے ساتھ ہی زینب کی نظر اپنے موبائل کی روشن اسکرین پر پڑی جس پے رانی کا نام لکھا تھا" اور اوپر کال ڈیوریشن نوٹ ہو رہی تھی۔۔۔ وہ ابھی تک دوسری طرف سے لائن پر تھی۔۔۔ مطلب اس نے سب سن لیا ہو گا۔

تمھیں تو میں بات میں دیکھ لوں گی" اس نے ماؤس پیس کے آگے ہاتھ رکھتے حیدر سے دبی آواز میں مگر" غصّے سے بھرپور لہجے میں بولا تھا۔

شوق سے" حیدر مسکرایا اور آنکھ دباتے کہا۔"

زینب مٹھیاں بینچے۔۔۔ ہونٹوں کو سختی سے پیوست کرتی پیر پٹختی اس کے سامنے سے ہی ہٹ گئی اور موبائل کان سے لگائے ٹیرس پر پہنچ گئی۔

السلام علیکم کیسی ہو رانی" اس نے ایک لمبی سانس اندر کو کھینچ نارمل ہوتے رانی سے بتاؤں کا سلسلہ جوڑا" تھا۔

سب ٹھیک تو ہے" رانیہ کی پریشان طبیعت زینب اور حیدر کی باتیں سن جاگ گئی تھی بغیر سلام کا جواب" دئے وہ شروع ہو چکی تھی۔

ہاں سب ٹھیک ہے۔۔۔ تم بتاؤ کیسی ہو گھر میں سب کیسے ہیں" زینب نے اتنی سنجیدگی اور خراہت لہجے" میں بات بدلی کے رانیہ کی ہمّت ہی نہیں ہوئی اور کچھ پوچھنے کی۔

میں بلکل ٹھیک ہوں۔۔۔ گھر میں بھی سب ٹھیک ہیں اور تمہارے لئے ایک تازہ ترین خبر بھی ہے" میرے پاس" رانیہ نے پرجوش ہوتے ساری بات کہی تھی۔ وہ اس کا بگڑا ہوا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اچھا۔۔۔" وہ اس کے انداز پر ہلکا سا مسکرائی۔"

وہ کیا؟" وہ ہوا سے جھولتی اپنی لٹ کو پیچھے کرتے پوچھنے لگا۔"

آج نور کا نکاح ہے "رانیہ نے زینب کے سر پے مانو بم پھوڑا تھا۔"

کیا۔۔۔۔۔ "زینب کا کیا کافی لمبا ہو گا تھا۔۔۔اس کی حیرت بجا تھی۔"

ہاں سچ کہہ رہی ہوں "رانیہ فوراً بولی۔"

نور نے مجھے بتایا بھی نہیں اور تم۔۔۔ تم بھی اب بتا رہی ہو۔۔۔۔ اور یوں اچانک یہ سب کچھ تم دونوں" نے مجھے پہلے بتایا کیوں نہیں "زینب نان اسٹاپ شروع ہو گئی تھی۔

آرے۔۔۔۔۔ "رانیہ نے چیختے ہوئے کہا تو اس کی بات کو بریک لگا۔"

میری بھی سن لو بھئی۔۔۔۔ نور کو تو نجانے کس نے کاٹ لیا ہے عجیب ہی ہو گئی ہے۔۔۔۔ اور جہاں تک" رہا تمھیں بتانے والی بات کا تو مجھ پر بھی یہ انکشاف کل ہی ہوا تھا۔۔۔ دراصل سب بہت جلدی ہوا کل ہی رشتے والے گئے تھے اور کل ہی بات بھی فکس ہو گئی تو نور کی دادی نے مزید دیر کرنا مناسب نہیں سمجھا" رانیہ نے اب کے تفصیل سے جواب دیا جسے زینب نے پوری توجہ سے سنا اور اس کے ماتھے پر چند بل واضح نمایاں ہونے لگے۔

ایسے کیسے لوگ تھے کہ دادی نے اتنی جلدی مچائی ہے کم از کم ایک ہفتہ تو جان پڑتال کر لیتے پتا نہیں" لوگ ٹھیک بھی ہیں کہ نہیں۔۔۔ اوپر سے نور کا تم الگ مسلہ بتا رہی ہو۔۔۔ ویسے ہیں کون لوگ تم کچھ

جانتی ہو کس سے ہو رہی ہے شادی "زینب نے اپنی رائے دیتے آخر میں اس سے یوں ہی سرسری سا پوچھ لیا تھا۔

انس بھائی "رانیہ نے اب کے سہی میں اسے صحیح خبر دی تھی۔"

کیا۔۔۔سچ میں "وہ یک دم ہی خوش ہوتی اب کے چیختے ہوئے بولی تھی۔"

زینب کیا کان پھاڑو گی۔۔۔ہاں بھئی سچ میں "رانیہ نے اپنا کان سہلاتے ہنستے ہوئے اسے یقین دلایا تھا۔"

ٹھیک ہے پھر تم نور کی فکر مت کرو میں دیکھ لوں گی اسے "وہ اعتماد سے بولی۔"

ٹھیک ہے۔۔۔لیکن آج تم جلدی پہنچ جانا نور کے گھر نکاح آج ہی ہے دیر نہ کر دے نہ ہم سب وقت سے پہلے اکٹھا ہو رہے ہیں کیوں کہ نکاح گھر میں ہی بڑی سادگی سے ہو رہا ہے لیکن پھر بھی کام ہوں گے تو دادی کی کچھ ہیلپ ہو جائے گی اور ہم مزے بھی کر لیں "رانیہ اسے جلدی جلدی ھدایت دے رہی تھی۔

دوسری طرف زینب کچھ سوچ پریشان ہوئی تھی۔۔۔مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

فیملی گیدرنگ ہو گی؟ "وہ جانے یہ سوال کیوں کر رہی تھی۔"

ظاہر ہے نکاح جیسی تقریب فیملی گیدرنگ میں ہی ہو گی زینی "رانیہ نے مصنوئی غصّے سے اس سے کہا۔"

اچھا ٹھیک ہے میں آجاؤں گی ۔۔۔ اللہ حافظ "اس نے اپنے لہجے کو بہتر کر کہا تھا پر وہ اب بھی پریشان " تھی۔

حافظ ۔۔۔ خیال رکھنا اپنا" رانیہ نے کال منطقہ کی۔ اللہ "

اس نے منہ سے نکلتے خون کو اپنی آستیں سے رگڑ کر صاف کیا تو وہ اس پر نشان چھوڑ گیا۔ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا وہ اس پر موجود تاثرات کو مٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے اپنے اندر ہمت مجتمع کرتے دروازے کی نوڈ گھومائی ۔۔۔ دروازہ کھولتا چلا گیا ۔۔۔ سامنے ہی وہ بستر پر بے حال سی پڑی تھی ۔۔۔ اس کی ہمّت کچھ کم ہوئی وہ قدم قدم چلاتا بیڈ پر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

کیوں خود کو اور مجھ کو اذیت دے رہی ہو لائبہ ۔۔۔ تم جانتی ہو میں تمھیں ایسے نہیں دے سکتا "اس" کا لہجہ ٹوٹا بکھرا تھا۔

تم گئے تھے نہ کیا ہوا" اس کا لہجہ پر امید تھا۔ "

قسمت سے مت لڑو قسمت کو تمہارا اس کا ہونا منظور نہیں" وہ بڑے بھائی کی طرح اسے ہمیشہ کی طرح " پھر سمجھا رہا تھا۔

جو میرا ہے وہ میرا ہی رہے گا" اس نے ضد کی تھی۔"

وہ تمہارا ہوتا تو آج تمہارے ساتھ ہوتا" وہ نا چاہتے ہوئے بھی تلخ ہوتا اس کے کمرے سے ہی چلا گیا تھا۔"

وہ میرا ہی ہے اور۔۔۔۔ اور اگر وہ۔۔۔۔ میرا۔۔۔۔ نہیں تو۔۔۔۔ کسی کا نہیں۔۔۔۔"وہ مشتعل"
ہوتے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اس کے عزائم خطرناک حد تک ڈرا دینے والے لگ رہے تھے۔

محبّت لوگ ہوش میں رہ کر بھی کرتے ہیں اور حواس کھو کر بھی۔۔۔۔ جو اس میں بدحواس ہو جائیں وہ لوگوں کا سکون برباد کرتے ہیں اور جو ہوش کی دنیا میں رہ کر اس محبّت پر قائم رہیں وہ صرف اپنا سکون برباد کرتے۔۔۔ وہ ظرف والے ہوتے ہیں۔۔۔۔ کمال والے۔۔۔۔

وہ الجھن زدہ چہرہ لئے ٹیرس سے پلٹی۔۔۔ ٹیرس کے گلاس ڈور کی سلائڈ وا کی تو پہلی نظر سامنے ڈریسنگ کے آگے کھڑے کف لنکس لگاتے حیدر پر پڑی جو نیک سیک سا تیار کہیں جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔۔۔ وہ کچھ اور الجھی اور دو قدم تیزی سے اس کی طرف لئے اور پھر ابھی کچھ دیر پہلے اپنی ہی کہی بتاؤں نے اسے آگے نہیں بڑھنے دیا۔۔۔ وہ وہیں رک گئی۔۔۔۔ ماتھے پر چند پریشانی کی لکیریں آئیں۔۔۔ اب وہ کیا کرے یہ سوچتے اس نے اپنے ہاتھوں کو مسلنا شروع کر دیا تھا۔

حیدر نے بلیک تھری پیس سوٹ کی سیلوس پے کف لنکس لگانے کے بعد اس کی موجودگی نوٹ کرتے آئینے میں اپنے پیچھے کھڑی زینب کو دیکھا جو متزبب سی کھڑی جانے کیا کہنا چاہ رہی تھی یا شاید کچھ کہنے سے خود کو روک رہی تھی۔۔۔

کچھ کہنا ہے تو کہہ دو" حیدر نے جھک کے ڈریسنگ سے پرفیوم کی بوتل اٹھاتے خود پر اسپرے کرتے اس" سے سوال کیا تھا۔

نہیں۔۔۔۔" وہ ایک دم بولی۔۔۔۔"

وہ بس مجھے نور کی طرف جانا ہے آج" خود کو کموز کر کے زینب نے کہا۔"

خیریت؟" حیدر نے اب ہیئر برش اٹھاتے بالوں پر ایک بار پھر برش پھیرا اور ساتھ سوال بھی کر ڈالا۔"

وہ اپنی حیرت چھپا رہا تھا کیوں کہ اب تک زینب اگر کہیں باہر نکلی تھی تو اس کی وجہ حیدر تھا کہ وہ اسے ہر جگہ اپنے ساتھ گھسیٹ لیتا تھا اور زینب اس سارے عرصے میں اپنی کسی دوست کے گھر بھی نہیں گئی تھی نہ ہی ایسی کوئی فرماہش زینب نے کی تھی اسی لئے حیدر کی حیرت لازم تھی۔

نور کا نکاح ہے آج" اس نے وہی بتایا جو سچ تھا اور وہ ابھی جھوٹ بولنا بھی نہیں چاہتی تھی۔"

یوں اچانک" حیدر نے ایک بار پھر اسے آئینے سے دیکھا اس کے ماتھے پر نا سمجھی کے بل موجود تھے۔"

ہمم۔۔۔۔" زینب نے ہاں میں سر ہلاتے جواب دیا۔"

"تم کہیں جا رہے ہو؟" وہ جانے کیوں پوچھ رہی تھی۔

حیدر نے ایک نظر اسے دیکھا۔۔۔ ڈریسنگ سے اپنی ہینڈ واچ اٹھاتا وہ قدم قدم چلتا اس کے سامنے کھڑا ہو گیا جو کب سے اس کے سوال کی منتظر اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایک ارجینٹ میٹنگ آگئی ہے وہیں جا رہا ہوں" حیدر کا جواب سن اس کا چہرہ کچھ اور اتر گیا تھا۔

"کتنی دیر لگ جائے گی" وہ ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہی تھی ساتھ اس کی طرف دیکھنے سے گریز بھی کر رہی تھی۔۔۔

وہ یہ فقرہ سن مبہم سا مسکرایا۔

"جلدی۔۔۔ تیار رہنا تم ساتھ چلیں گے" وہ جیسے اسکی ساری ہی باتیں سمجھنے لگا تھا زینب نے پلکوں کی باڑ اٹھا اپنی کالی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی سے حیدر کو دیکھا وہ کیسے اس کی اَن کہی باتیں سمجھ لیتا تھا وہ شاید کبھی نہیں جان سکتی تھی۔

ہاں وہ حیدر کے ساتھ جانا چاہتی تھی وہ ان سوالوں سے بچنا چاہتی تھی جو وہاں موجود بہت سے لوگ حیدر کی غیر موجودگی کی وجہ سے اس سے کرتے۔۔۔ یا شاید بات کچھ اور تھی جسے وہ تسلیم نہیں کر رہی تھی۔۔۔ اِسے اُس کے ساتھ ہونے کی عادت ہو گئی تھی اور اب وہ اکیلے جاتی گھبرا رہی تھی۔

اسے جیسے ہی احساس ہوا وہ اسے دیکھ رہا ہے اس نے اپنے تاثرات چھپائے جسے وہ پہلے ہی ملاحضہ فرما چکا تھا اور صرف اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

وہ سفید چکن کے سادھے سے سوٹ میں ملبوز تھی کامیز کے دامن پر سکن کلر کی چوڑی سی بیل لگی تھی۔۔۔ سفید ہی رنگ کا کھڑا اسٹرائوزر اور کندھے پر سفید ہی رنگ کا دوپٹہ جس کے کناروں پر گولڈن رنگ کی ہی گوٹے کی تکون شیپ کی بیل لگی تھی۔

آج اس نے اپنی طبیعت کے برخلاف ہیل پہن رکھی تھی اور وہ کب سے اسی ہیل میں موجود کمرے کے چکر کاٹ رہی تھی اتنی دیر ہوگئی تھی اور حیدر اب تک نہیں آیا تھا رانیہ کی مسلسل کالز آرہی تھیں اور اس نے صرف ایک کال اٹینڈ کی تھی اس کے بعد سے وہ ہر دفع فون کے بجنے پر اس کی اسکرین کو دیکھتی کہ حیدر کا ہوگا پر ہر دفع وہ مایوس ہو جاتی۔

ایک دم کمرے کا دروازہ کھولا تو زینب نے بے اختیار پیچھے مڑ کے دیکھا۔۔۔ حیدر کے بڑھتے قدم وہیں رک گئے۔۔۔ وہ بے خود ہوئے اسے دیکھنے لگا جس نے بالوں کی فرنچ بریڈ بنا رکھی تھی اور چند کرل ہوتی لاٹین اس کے ہیئر سٹائل کو خوبصورت بنا رہیں تھیں۔۔۔ ہونٹوں کو لال لپسٹک سے سجایا تھا۔۔۔ گلے

میں سونے کی باریک چین اور کانوں میں سونے کی ہی بلیاں پہنے وہ کتنی پیاری لگ رہی تھی یہ کوئی حیدر سے پوچھتا۔

کہاں تھے تم اتنی دیر لگادی ہے" وہ اس کی طرف بڑھتی غصّے سے بولی تو اس کی ناک لال ہو گئی جو غصّے میں ہمیشہ ہی لال ہو جایا کرتی تھی۔

زینب اندازہ لگا ہی نہیں سکتی تھی کہ اس کا شکوہ کرنا حیدر کو کتنا اچھا لگا تھا۔

زینب کے ہاتھ میں موجود موبائل ایک بار پھر بجا۔

اب جاؤ جلدی سے چینج کر کے آؤ" زینب نے کال رسیو کرنے سے پہلے عجلت میں بیڈ کی طرف اشارہ" کرتے کہا۔

بیڈ پر حیدر کا وائٹ رنگ کا ڈنر سوٹ رکھا تھا اس کے ساتھ ہی کلف لنکس کا باکس۔۔۔اسکی نئی واچ۔۔۔اور بیڈ کے پاس اس کے جوتے رکھے تھے۔۔۔حیدر کو حیران ہونے کی جیسے عادت ہی ہو گئی تھی۔

وہ مسکراتا ہوا اسے دیکھنے لگا جو فون پر بات کر رہی تھی۔۔۔خود پر اس کی نظریں محسوس کرتی وہ بات کرتے کرتے ہی اسے گھورتے ہوئے باتھروم کا راستہ دیکھانے لگی۔

پتا نہیں وہ یہ سب دانستہ طور پر کر رہی تھی یا غیر دانستہ طور پر۔۔۔حیدر کے لئے اتنا کافی تھا وہ یہ سب اس کے لئے کر رہی تھی۔۔۔

گاڑی فیصل ہاؤس کے وسیع پورچ میں قطار میں لگی گاڑیوں کے پیچھے رکی۔حیدر اپنی طرف کا دروازہ کھلتا زینب کی طرف کا دروازہ کھولتے ہمیشہ کی طرح ہاتھ آگے بڑھائے منتظر سا کھڑا ہو گیا۔

زینب عجیب تگ و دو میں تھی کہ اس کی مشکل پیچھے سے آتے احمر نے آسان کر دی جو حیدر سے مصافحہ کرتا کہہ رہا تھا۔

"آگئے تم"

زینب موقع پا کر گاڑی سے اتر حیدر کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

بھابی آپ نے دیر کر دی رانیہ کا غصّہ آسمان پر چڑھا ہوا ہے" احمر نے اسے دیکھتے کہا تھا۔"

زینب رسماً مسکرا دی ورنہ اس پر تو غصّہ اب تک تھا۔

اس طرف آجائیں" احمر انہیں راستہ دکھاتا آگے آگے چل رہا تھا اور وہ دونوں اس کے پیچھے اس کی تائد" میں چل رہے تھے جیسے دو الگ الگ سلطنت کے دو الگ الگ حکمران اپنی پورے غرور و وقار اور اپنے پورے تمدن اور تمکنت کے ساتھ چل رہے ہوں۔۔۔جیسے دو الگ الگ موسم ایک ساتھ ہی

اپنی دلکشی اور شادابی کے ساتھ قدرت کو رنگین بناتے ہوں۔۔۔ جیسے سورج کی شعائیں اور بارش کی بوندیں ایک ساتھ برسی ہوں۔۔۔

جیسے جیسے یہ لوگ اندر کی طرف بڑھ رہے تھے شور بڑھتا جا رہا تھا۔

مین ہال میں داخل ہوتے وہ ایک جگہ روکے تو سب سے پہلے رانیہ اس کے سر پر کھڑی ہوئی تھی نجانے وہ اتنے لوگوں میں کہاں سے بر آمد ہوئی تھی۔

کہاں تھی تم اتنی دیر لگا دی اور تم میرا فون بھی نہیں اٹھا رہی تھیں" وہ سفید رنگ کا گوٹے کا گرارا پہنے چہرے پر غصّہ لئے اس سے پوچھ رہی۔

ہاں بس۔۔۔ نور کہاں ہے" زینب نے بات بدلی۔"

وہ اوپر ہیں آئیں میں لے چلتی ہوں" رانیہ سے پہلے ہی عائشہ نے کہا تھا جسے زینب نے دیکھا ہی نہیں تھا" اس نے بھی سفید ہی رنگ کا انتخاب کیا تھا تبدیلی تھی تو بس لباس میں وہ انار کلی فورک پہنی تھی اور بالوں کو اس نے ادھ کھولا چھوڑ رکھا تھا۔

زینب سر اثبات میں ہلا اس کے پیچھے چل دی تو پہلے تو رانیہ کا منہ زینب کے نظر انداز کرنے پر کھل گیا اور پھر پلٹ کر جن خوفناک اور ہولناک نظروں سے حیدر اور احمر کو دیکھا ایسا لگتا تھا کہ سارا کا سارا قصور انہی کا تھا۔

اگلے ہی پل اس نے "ہنہ" کیا اور پیر پٹختی کچن میں چلی آئی جہاں اشہل پہلے سے موجود تھی۔

رانیہ اسکے برابر کھڑی کچن کاؤنٹر پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے اپنا غصّہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

کیا ہوا سب خیریت ہے "اشہل نے اسے لال پیلا ہوتا دیکھ کہا۔"

یہ سب کچھ اس کا کیا دھرا ہے تمھیں پتا ہے وہ آج بھی اس کا فون چیک کر رہا تھا ضرور اس پر شک کرتا" ہے اور ابھی بھی جان بوجھ کر اسے یہاں دیر سے لے کے آیا ہے جانتا ہے نہ وہ ہم سے مل کے خوش ہو جاتی ہے اور سب چھوڑو مجھے اب تک یہ بات کسی طور ہضم نہیں ہو رہی کہ زینب۔۔۔۔زینب والیو اللہ نے اس شخص سے شادی کر کیسے لی ایسا صرف ایک صورت ہو سکتا تھا اگر وہ اسے دھمکاتا "رانیہ بولی تو بولتی چلی گئی اور پھر ایک دم ہی اس نے اپنی باتوں پر بریک لگایا تھا۔

کیسی مجبوری "اشہل نے ابلتے ہوئے پانی میں پتی ڈالتے تشویش سے پوچھا۔"

مجھے لگتا ہے اس نے میرے حوالے سے کچھ کہا ہو "وہ ہچکچاتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔"

اشہل احمد ان لوگوں میں سے تھی جن کے لئے اشارہ کافی ہوتا تھا اس نے کھڑے کھڑے ہی ساری گھتی حل کر لی تھی۔

تمھیں نہیں لگتا ہمیں اس سے بدلہ لینا چاہیے "وہ بہت اطمینان سے سٹوک کی انچ ہلکی کرتی اس سے بڑا" مخلصانہ مشورہ لے رہی تھی۔

کیسا بدلہ "رانیہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کو تھیں۔"

قتل واتل نہیں کرنا بس چہرہ لال کرنا ہے "اس کے اطمینان میں اب بھی کوئی کمی نہیں آئی تھی۔"

تم انہیں تھپڑ مرنے والی ہو "رانیہ کی پھٹی آنکھیں مزید پھیل گئیں تھیں۔۔۔اس نے قیاس کیا تو اشحل" ٹی پاٹ میں چائے انڈلتی ہلکا سا مسکرائی۔

بتاؤ" وہ کچھ نہ بولی تو رانیہ نے ڈرتے ہوئے ایک بار پھر پوچھا۔"

اشحل کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے اس نے ایک باؤل میں گاجر کا حلوہ نکالا اور ایک پیالی میں الگ سے حلوہ نکال لیا۔۔اس نے جلدی جلدی ہی ٹرولی پے ساری چیزیں رکھیں۔۔۔رانیہ اس کے تیزی سے چلتے ہاتھوں کو نہیں بلکہ چہرے کو دیکھ رہی تھی جہاں شیطانی مسکان کا بسیرا تھا۔

لیٹس سی "اشحل آنکھ دباتے کہتی ٹرولی کو دھکلتی کچن سے باہر چلی گئی اور رانیہ بس اس کی پشت دیکھتی" رہ گئی۔

وہ ہلکے لیمن کلر کے ہلکے ہی کامدار شلوار سوٹ میں ملبوز سر پر لیمن ہی کلر کا دوپٹہ سلیقے سے سیٹ کئے آئینے کے آگے اپنی کاجل سے بھری آنکھوں سے آئینے میں اپنے عکس کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

دروازے کے کھولنے کی آواز نے بھی اسکی محویت میں خلل نہیں ڈالا تھا۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو" زینب نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو مسکراتے ہوئے دیکھتے کہا تھا۔

"کیا یہ سب سچ ہے یا بس میرا خواب ہے؟" وہ بے یقینی کی کیفیت میں غرق تھی۔

"یہ تمہارا خواب ہے جو حقیقت ہونے جا رہا ہے" وہ اس کے لئے بے حد خوش تھی۔

"مجھے یقین نہیں آتا میرا ہجر ختم ہونے کو ہے" اس نے اپنی بے یقینی ظاہر کر دی۔

"خدا کی خدائی پر بے یقین نہیں ہوتے۔۔۔ اس پہ تو کامل یقین کرتے ہیں۔۔۔ آج تمھیں اس نے تمہاری خاموش محبّت کا صلہ دیا ہے تمھیں" وہ اس کے پلو کو ذرا آگے کرتے مصروف سے انداز میں بولی تو نور نے جھٹکے سے اسے دیکھا۔

"تمھیں سب پتا تھا؟" وہ حیرانی آنکھوں میں لئے پوچھ رہی تھی۔

زینب نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کب سے؟" ایک اور سوال وہ اپنی سابقہ کیفیت میں ہی پوچھ رہی تھی۔

"شروع سے" زینب کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی تھی۔

نے بے یقینی کی اس کیفیت سے باہر آجاؤ نور کبھی کبھی ہماری یہ بے یقینی ہمارا نقصان کر دیتی ہے اللہ" کرے تم ہمیشہ خوش رہو" وہ شاید پہلی بار اتنی جذباتی کچھ دے دیا ہے تو اس پر خوش ہو جاؤ۔۔۔۔اللہ ہوئی تھی۔نور نم آنکھوں سے مسکراتے اس کے گلے لگ گئی تھی۔

اشہل نے حال میں بیٹھے تقریباً سب ہی بڑوں کو چائے سرو کی تھی ساتھ وہ سب کو اپنے ہاتھوں کا بنا حلوہ بھی پیش کر رہی تھی۔

علی کب سے حاشر کو نوٹ کر رہا تھا وہ حلوہ نوش فرماتا مسلسل اشہل کو دیکھ رہا تھا وہ بھی اس کے برابر میں کھڑا۔

ایسے مت دیکھو میری بہن کو" وہ دانت کچکچاتا بولا۔"

حور نہیں ہے تمہاری بہن شیطان کی خالہ ہے اس کے چہرے پر سجی شیطانیت بتا رہی ہے کہ کوئی شیطانی" حرکت وقعوپذیر ہونے کو ہے" حاشر نے کہا تو اب کے علی نے اپنی بہن کو ذرا غور سے دیکھا حاشر جو کہہ رہا تھا سچ ہی تھا۔

چل" علی اسے گھسیٹتا اپنے ساتھ کچن میں لے آیا۔"

چونکہ اس وقت کچن کا خالی ہونا ناممکن سی بات تھی اسی لئے یہاں ابھی کچھ لڑکیاں موجود تھیں جو انہیں دیکھتے دانت نکال رہیں تھیں۔

علی نے بے دلی سے مصنوئی مسکان ان کی طرف اچھالی اور وہیں کھڑے کھڑے کچن کا تفصیلی معینہ کرنے لگا۔

مجھے تو لگتا ہے دال میں کچھ کالا ہے" حاشر نے علی کو اپنی بات پر یقین کرتا دیکھ اس کے یقین کو پختہ " کرنے کے لئے کہا۔

علی تھوڑا سا آگے بڑھا تو اچانک ہی اس کی نظر کچن کاؤنٹر پر پڑے گاجر کے حلوے کے جھوٹے چمچ پر پڑی۔ یہ پھوڑپانا اشہل کا ہی ہو سکتا تھا علی جانتا تھا۔

اس نے آہستگی سے چمچ کو قریب کرتے دیکھا۔

کالا نہیں سارا کا سارا لال ہے" اس نے سرگوشی کے سے انداز میں کہتے حاشر کو اشارہ کیا اور اس کی توجہ " اس چمچ کی طرف ملبوز کرائی۔

اوہ شٹ" حاشر کو دھچکا لگا تھا۔"

یہ ظلم کس پر ہونے والا ہے" اسے جیسے اس انجان شخص پر ترس آیا تھا۔"

تم پر نہیں ہونے والا اس کا شکر کرو" وہ مطمئن تھا۔"

کسی پر تو ہونے والا ہے نہ" اسے اس کسی کی بڑی فکر تھی۔"

تو پتا کرتے ہیں کس پر ہونے والا ہے آ جاؤ" اس نے چمچ سنگ میں ڈالا اور ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں" ڈالتے وہ لمبے لمبے قدم لیتا اس سے کہتا کچن سے نکل گیا۔

یہ دونوں اب دوبارہ ہال میں موجود تھے علی اپنی متلاشی نظروں سے اشہل کو ڈھونڈھ رہا تھا جو اسے نظر آ گئی تھی وہ ہاتھوں میں ایک عدد پیالی لئے کسی کی طرف بڑھ رہی تھی ان دونوں نے ہی میکانکی انداز میں گردن گھما کے دیکھا آیا وہ جا کس کی طرف رہی تھی لیکن دوسری طرف دو تین لڑکے کھڑے کچھ بات کر رہے تھے اور اشہل ان کے پیچھے کہیں چھپ سی گئی تھی علی تھوڑا سا آگے بڑھا تو منظر ایک بار پھر صاف ہو گیا اشہل ہونٹوں پر وہی شیطانی مسکراہٹ سجائے حیدر کو حلوہ پیش کر رہی تھی۔

اوہ نو!!!" وہ دونوں ہم آواز ہوئے بولے تھے اور تیز تیز قدم لیتے اس کی طرف بڑھ رہے تھے جو ہال" کے دوسرے کنارے پر تھی۔

یہ دونوں حال کے وسط میں تھے جب علی نے زینب کو رانیہ کے ساتھ سیڑھیاں اترتا دیکھا اسی لمحے کوئی خیال علی کے ذہن میں دھپ سے کودا تھا اور پھر وہ رک گیا تھا اور ساتھ میں حاشر کا بھی ہاتھ پکڑ اسے روک لیا۔

رک کیوں گیا ہے" حاشر بڑا بے چین لگ رہا تھا۔"

"ایک منٹ" علی کی ایک نظر حیدر پر تو دوسری زینب پر مرکوز تھی۔

"وہ کھا لے گا یار ہاتھ چھوڑ میرا" حیدر نے اشہل کے ہاتھ سے خوش دلی سے پیالی لی تو حاشر نے جھنجھولتے ہوئے علی سے کہا اور اپنا بازو چھوڑنا چاہا۔

"ایک منٹ" علی کا انداز سابقہ ہی تھا۔

"جب وہ کھا لے گا جب جائے گا" حاشر کو اب غصہ آنے لگا تھا حیدر کو پیالی چمچ میں چلاتے دیکھ بولا۔

علی نے اب کے خاموشی اختیار کی۔

حاشر نے علی کو خاموش پایا تو یہیں سے حلوہ منہ تک لے جاتے حیدر کو آواز لگانے کے لئے منہ کھولا لیکن علی نے اس کی اس کوشش کو بھی ناکام بنا دیا۔

"کہانہ ایک منٹ رک جا" علی اس کے منہ پر مضبوطی سے ہاتھ دبائے تھوڑے غصّے سے بولا اور پھر حاشر مچلتا ہی رہا لیکن علی نے اسے تب تک نہیں چھوڑا جب تک حیدر نے حلوہ کھا نہیں لیا۔

حیدر کے حلوہ کھاتے ہی علی کی گرفت حاشر پر سے ڈھیلی ہوئی تھی۔۔۔ حاشر پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی علی کو تو کبھی حیدر کو دیکھ رہا تھا۔

ایک۔۔۔ دو۔۔۔ اور۔۔۔ تین

اس کے بعد حیدر کھانسا تھا اور بہت بری طرح کھانسا تھا۔۔۔ ہال میں بیٹھے سب ہی لوگوں کی توجہ کا مرکز ایک پل میں ہی حیدر کی طرف ہوا تھا۔۔۔ زینب جو کے سیڑھیوں سے اترتی نیچے ہی آ رہی تھی اس کی ایک نظر حیدر سے ہٹی تھی اور حیدر کی حالت کیا ہو گئی تھی اسے سمجھ نہیں آیا کے ایک دم سے ہو کیا گیا تھا۔

وہ جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگتی اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

کیا ہوا ہے؟" وہ اسے بازو سے تھامے بہت پریشانی کے عالَم میں پوچھ رہی تھی۔"

حیدر نے بس کھانستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

ادھر آؤ" زینب نے اس کا ہاتھ تھامے پیچھے رکھے صفوں میں سے ایک صوفے پر بٹھایا اور سینٹر ٹیبل پر" رکھے جگ سے پانی انڈیلتے زینب نے گلاس بھرا اور حیدر کے برابر میں بیٹھتے اس کی کمر سہلاتے گھونٹ گھونٹ پلانے لگی۔

حیدر کی کھانسی تو رک گئی تھی اور اب اسے چھینکے آ رہی تھیں جو روکنے کا نام نہیں لے رہیں تھیں۔

یہ کیا ہے" زینب کی نظر تب سے اب اس پیالی پر پڑی تھی جو حیدر کے ہاتھ میں اب تک موجود تھی۔"

حیدر نے اس کا بڑھتا ہاتھ دیکھا تو اپنا پیالی والا ہاتھ اس کی پہنچ سے دور کیا۔

دکھاؤ ادھر" زینب نے پیالی اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی اور ذرا سا حلوہ چکھا۔ حیدر چھینکنے میں اتنا بے حال تھا کہ وہ اسے روک بھی نہ سکا جس کے حلوہ کھاتے ہی آنکھوں میں پانی آ گئے تھے۔

کس نے دیا تمھیں؟" اسے غصّہ چڑھنے لگا تھا۔"

رانیہ اوپر سے میرا بیگ لے آؤ" زینب نے خود کو کمپوز کرتے اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑی رانیہ کو" مخاطب کر کے کہا جو حیرت کی تصویر بنی انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

رانیہ "زینب کے غصّے سے کہنے پر رانیہ دوڑتی ہوئی اوپر گئی تھی اور بوتل کے جن کی سپیڈ سے واپس آئی" تھی۔

یہ لو" زینب نے اپنے پرس سے گولیوں کا پتا نکالا اور دو گولیاں نکال کے حیدر کے آگے کیں۔"

حیدر کی آنکھیں سرخ اور ناک لال ہو رہی تھی۔۔۔ اس نے چھینک کو بمشکل روکتے حیرانگی سے زینب کو دیکھا اور پھر اس کے لبوں پر زندگی کی طرح ایک مسکان ناچ گئی۔۔۔ وہ جتنا لاتعلق خود کو ظاہر کرتی تھی اتنی تھی نہیں۔

گولیاں لینے کے تھوڑی ہی دیر بعد حیدر پھر سے نارمل ہو گیا تھا اور زینب لاشعوری طور پر اس کے ساتھ ہی رہی جیسے اسے ڈر ہو کہ پھر کچھ ہو جائے گا۔

حیدر بیک یارڈ میں پول کے پاس کھڑا تھا اوپر گہرا نیلا آسمان اور نیچے ٹھہرا ہوا پول کا پانی۔۔۔پول کے گرد لائٹس لگیں تھیں جن کی وجہ سے حیدر کے چہرے پر پانی کا عکس بن رہا تھا۔

اسکی گرے آنکھیں اس عکس نے مزید خوبصورت بنا دیں تھیں۔

میں ٹھیک ہوں تم کب تک یوں ہی پہرا دیتی رہو گی" اپنے پیچھے کھڑی زینب کی موجودگی نوٹ کرتے" وہ جانے کیوں بولا تھا اور اس کے جواب میں زینب چپ ہی رہی تھی۔

تم کیسے پتا چلا میں ریڈ چلی سے الرجیٹک ہوں؟" اس نے سامنے خلا میں دیکھتے سر میں اٹھتے سوال کو" زبان دی تھی۔

انٹی کو کئی بار کہتے سنا تھا تو میں نے احتیاط کے طور پر" وہ رک رک کے کہتی ایک دم چپ ہوئی اور کافی " دیر تک کچھ بولی ہی نہیں۔

اس کی خاموشی نے حیدر کو مجبور کیا کے وہ پلٹ کر دیکھے۔۔۔حیدر نے اسے دیکھا تو وہ اسے ڈری ہوئی لگی اسے بات کچھ سمجھ نہیں آئی تو پوچھ لیا۔

"کیا ہوا"

تم۔۔۔تم یہ تو نہیں سمجھ رہے کے میں نے پہلے کسی طرح جان بوجھ کہ وہ حلوہ تمھیں کھلایا اور بعد میں " خود ہی میڈیسن دی" وہ تیزی سے ساری بات کہہ گئی۔

حیدر کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔۔۔۔ گہری سنجیدگی۔۔۔۔ اس نے نفی میں گردن ہلائی اور کہا۔

"زینب کو مجھے زہر بھی دینا ہوا تو وہ مجھے بتا کر ڈنکے کی چوٹ پر دے گی"

میں کیوں تمھیں زہر دینے لگی" اسے جیسے برا لگا تھا۔"

دے تو رہی ہو قطرہ قطرہ" وہ اسکی آنکھوں میں گہرائی تک دیکھتے اسی سنجیدگی سے بولا تو زینب کا دل زور" سے دھڑکا۔

اس نے آنکھیں پھیر لیں وہ ان آنکھوں میں دیکھنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔۔۔۔ جانے کتنا وقت یوں ہی خاموشی میں کٹ گیا جب یوں ہی نظریں بجاتے زینب کی نظریں ان لڑکیوں پر اٹک گئی جو ٹکٹکی بندھے ٹھنڈی آہیں بھرتی حیدر کو دیکھ رہیں تھیں۔۔۔ حیدر نے اسکی نظروں کا ارتکاز کرتے تھوڑا سا مڑ کر دیکھا۔۔۔ اور ان لڑکیوں کو دیکھ وہ مسکرایا۔ مسکرایا وہ زینب کی حالت پر تھا پر وہ لڑکیاں کیا سمجھیں تھیں کے سب کھکھلا کر ہنس دیں۔۔۔ زینب کو انہیں حیدر کو ایسے دیکھتے اچھا نہیں لگا اسی لئے وہ حیدر سے بولی۔

"اندر چلیں"

حیدر نے اثبات میں سر ہلایا اور ہنسی دباتا اس کے پیچھے ہو لیا۔

پول سائیڈ سے آنے سے لے کر اب تک زینب ایک نئ الجھن میں الجھ گئ تھی کیوں کہ نکاح ہو گیا تھا تو

زینب اور حیدر نے سب سے مل کر رخصت لی۔

یہ دونوں اب گھر کی طرف رواں تھے گاڑی نارمل رفتار سے ترقول کی صاف ستھری سڑک پر چل رہی

تھی۔

گاڑی میں مکمل خاموشی تھی کچھ دیر میں زینب نے خاموشی توڑتے اس سے سوال کیا تھا۔

وہ لڑکیاں تمہیں ایسے کیوں دیکھ رہیں تھیں ؟ اسے اب تک اس بات کی سمجھ نہیں آئی تھی اس لئے "

پوچھ لیا۔

کیسے دیکھ رہی تھیں" حیدر نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔"

عجیب سے گھور گھور کے" زینب کو شاید ان لڑکیوں کا حیدر کو ایسے دیکھنا اچھا نہیں لگا تھا۔"

تمہیں برا لگا؟" حیدر پتا نہیں کیا جاننا چار رہا تھا۔"

نہیں مجھے کیوں برا لگے گا میں تو اس لیے کہہ رہی ہوں کہ کسی کو بھی اس طرح نہیں دیکھنا چاہیے چاہے "

آپ غصے میں دیکھیں یا پھر ویسے ہی دیکھیں" زینب نے اپنی صفائی دی۔

ویسے ہی سے کیا مراد ہے" حیدر نے مسکراتے ہوئے پوچھا آنکھیں ہنوز ونڈو سکرین پر جمین تھیں۔"

ویسے ہی مطلب ایسے ہی" زینب نے کندھے اچکا کے کہا۔"

اور ایسے ہی سے کیا مراد ہے" وہ اسے زچ کر رہا تھا اس نے پھر مسکرا کے پوچھا۔"

اف۔۔۔ تم سے بات کرنا ہی فضول ہے" اس نے غصے سے کہا۔"

آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ آپ ہی کو اپنے اتنے ہینڈسم شوہر کی قدر نہیں ہے ورنہ لڑکیاں" فدا ہیں مجھ پے" وہ اسے اصل وجہ بتا رہا تھا۔

ہنہ ہینڈسم" وہ اس کی بات سے اتفاق نہیں کرتی تھی بڑبڑائی۔"

کچھ کہا" حیدر اپنی شان میں ملے طنز کو بخوبی سن چکا تھا پھر بھی پوچھا۔"

ہاں۔۔۔ یہی کہ کوئی بڑی ہی اندھی لڑکیاں ہیں جو تم پر فدا ہو رہیں ہیں" اس نے اپنی رائے کا اظہار بلا" کسی خوف کے بہت اعتماد سے دیا۔

ان کا تو نہیں پتا لیکن جو اس وقت میرے ساتھ ہے اس کی قریب اور دور دونوں کی ہی نظر کمزور ہے" وہ" کہاں چپ ہونے والا تھا اس پر چوٹ کرتے مزے سے بولا۔

زینب نے اب کے کوئی جواب نہیں دیا۔۔۔ ایک بار پھر خاموشی کا لمبا وقفہ ان کے بیچ آیا۔۔۔ اور ان کی منزل بھی آ گئی۔

زینب کے لئے حیدر نے دروازہ کھولا اور پھر ہاتھ آگے بڑھایا۔۔۔ زینب نے غصّہ اور بے چارگی محسوس کی تھی کیوں یہ بندا ہاتھ بڑھاتا تھا جب پتا تھا کہ وہ نہیں تھامے گی۔

اس نے بڑی مشکل سے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کیا اور گاڑی سے اترتی اندر جانے لگی جب احساس ہوا کہ اکیلے ہی چل رہی ہے تو پیچھے مڑ کے دیکھا وہ گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ بندھے اسے بولتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

تم نہیں آرہے "زینب نے شال درست کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔"

حیدر نے نفی میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔۔۔اس کے چھوٹے چھوٹے سوال اس کو مسرور سا کر رہے تھے اور وہ چاہتا تھا وہ کچھ اور سوال اس سے کرے۔

کیوں کہیں جانا ہے کیا "زینب کے سمجھ نہیں آئی اسے اب کہاں جانا ہے اس لئے پوچھ لیا۔"

ہمم۔۔۔بہت دور "اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔"

کب واپس آؤ گے "وہ اتنے سوال کیوں کر رہی تھی اس سے اسے خود اندازہ نہ تھا۔"

شاید کبھی نہ آؤ "وہ سابقہ انداز میں ہی بولا تو زینب ایک دم چونکی۔۔۔اسے پتا نہیں کیا ہوا تھا جو ایسی" باتیں کر رہا تھا۔

"کیا مطلب"

کچھ نہیں جا کے آرام کرو تھوڑی دیر میں آجاؤں گا "اس نے سیدھے ہوتے ریلیکس سے انداز میں کہا تو" زینب کو بھی تسلی ہوئی اور وہ کچھ اور پوچھے بینا اندر چلی گئی۔

کمرے میں آتے ہی اس نے شال بیڈ پر رکھی۔۔۔ڈریسنگ کے آگے کھڑے ہو کے اپنے بال کھولے اور کیوں کہ اتنے بڑے بال سلجھنے میں ٹائم لگتا ہے تو اسے بھی لگ بھگ پانچ دس منٹ لگ ہی گئے تھے۔۔۔ بالوں کو سلجھانے کے بعد اس نے انہیں پیچھے کیا تو وہ کمر پر بکھر گئے۔۔اس کے بعد اس نے وارڈروب سے اپنے کپڑے نکالے اور باتھروم میں جانے لگی کہ اس کا موبائل بجا۔۔۔اس نے بیڈ پر رکھے اپنے موبائل کو اٹھایا تو کوئی انون نمبر سکرین پر جگمگا رہا تھا۔

اس نے کال اٹینڈ کرتے فون کان سے لگایا۔

تم نے ٹھیک نہیں کیا یہ" وہ جو بھی تھی بہت غصّے میں بولی تھی۔"

کون بات کر رہا ہے" زینب سمجھ نہ سکی وہ تھی کون اور کہہ کیا رہی تھی۔"

تم نے جانے انجانے میری ایک چیز لے لی ہے۔۔۔۔ تمھیں پتا ہے بچپن میں۔۔۔ کئی بار ایسا ہوا جو" چیز میرے دل کو بھائی وہ میری نہ ہو سکی۔۔۔ ایک دفع مجھے میری سہیلی کی ایک ڈول بہت پسند آئی بھائی نے ہر جگہ وہ ڈول ڈھونڈھی پر کہیں نہیں ملی پھر پتا ہے میں نے اس لڑکی کی ڈول کے ساتھ کیا کیا۔۔۔۔ میں نے اسے گنے کی مشین میں دے دیا۔۔۔ جو چیز میری نہیں ہوئی میں نے اسے کسی کا ہونے بھی نہیں دیا۔۔۔ جو لائبہ ظفر کے پاس نہیں ہے اسے پھر کسی اور کے پاس بھی نہیں ہونا "چاہیے۔۔۔ میں اسے توڑ مڑوڑ کے برباد کر دوں گی پر تمہارا نہیں ہونے دوں گی

لائبہ!!!"زینب حیران تھی وہ کس چیز کی بات کر رہی تھی اسے اب تک نہیں معلوم تھا۔"

تم نے مجھ سے حیدر چھین لیا میں اسے تمہارا بھی نہیں ہونے دوں گی۔۔۔چاہے اس کے لئے مجھے اس کے ساتھ کچھ بھی کیوں نہ کرنا پڑے"اس کے عزائم پختہ تھے۔۔۔اس کے اتنا کہتے کال بے جان ہو گئی تھی اور زینب بے حد پریشان ہو گئی تھی اسے پچھلی باتیں یاد کرتے ہول اٹھ رہے تھے۔

میں لڑوں گا بھی اور ضرورت پڑی تو مر بھی جاؤں گا

ہاں تو مر جاؤ

اسے اپنے آج صبح کہے لفظوں کی سنگینی کا اندازہ اب ہو رہا تھا۔۔۔اس کے ہاتھ سے کپڑے اور موبائل چھوٹے فرش پر بچھے کارپیٹ پر گر گئے تھے۔

کیوں کہیں جانا ہے کیا

ہمم۔۔۔بہت دور

کب واپس آؤ گے

شاید کبھی نہ آؤ

اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔۔۔اور دل زور زور سے دھڑک رہا تھا وہ کیا کرے۔۔۔اس نے جلدی سے کارپیٹ سے موبائل اٹھایا اور اضطراب سے چکر کاٹتے حیدر کو کال ملائی۔

وہ کال نہیں اٹھا رہا تھا اور وہ اس طرح گھر میں بھی نہیں بیٹھ سکتی تھی۔۔۔اس نے بالوں کو جوڑے میں لپیٹتے کیچر لگایا اور بیڈ پر کچھ دیر پہلے رکھی اپنی شال اٹھائی اور تیزی سے باہر پورچ میں آئی۔۔۔ڈرائیور سے چابی لیتے اس نے گاڑی پورچ سے نکلتے خالی سڑک پر پوری رفتار سے دوڑائی تھی۔

اسے نہیں پتا تھا کہاں جانا میں وہ مسلسل حیدر کو کال کرتی ایک موڑ سے دوسرے موڑ پر گاڑی گھمارہی تھی۔

وہ بہت گھبرائی ہوئی بہت رف ڈرائیونگ کر رہی تھی۔زینب کی حالت بدحال ہو رہی تھی اس کے حواس جواب دے رہے تھے نجانے کیسے کیسے خیالات نے اسے اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔

وہ فون کان سے لگائے حیدر کی آواز سننے کے لئے بے تاب تھی جیسے وہ ایک آواز اس کی کانوں میں رس گھول دے گی جیسے اس کی ٹوٹی امید بندھ جائے گی اور پھر اس کی امید ٹوٹنے سے پہلے اس نے آخری بیل پر فون اٹھالیا۔

حیدر کہاں ہو تم "اس نے چھوٹے ہی پوچھا۔"

زہے نصیب۔۔۔ان کی کال آئی ہمارے فون پر کبھی ہم اپنے فون کو کبھی ان کے نمبر کو دیکھیں "وہ ریسٹورانٹ کی پارکنگ میں کھڑا شوخ ہوا تھا۔

حیدر کہاں ہو تم "اس نے اپنا سوال دوہرایا۔"

فلحال تو دنیا میں ہوں تم کہو تو کوچ کر جاؤں" ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں کو بکھیر رہی تھی اس نے بالوں" میں ایک ہاتھ چلاتے اسی شوخی سے کہا۔

حیدر ایسی باتیں مت کرو میرا دل بند ہو جائے گا" اسے خیال نہ رہا وہ گھبراہٹ میں کیا کہہ گئی تھی۔"

ہیلو تم سن رہے ہو" کافی دیر جب کوئی جواب نہ آیا تو زینب نے دوبارہ بولا۔"

تمہاری بات سن کے سن ہو گیا تھا" وہ گھمبیر لہجے میں بولا۔"

تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں" اس نے اجازت مانگی۔"

کیا؟" وہ اس وقت بس اسے سنا چاہتی تھی۔"

مجھے تم سے محبت ہے"

"اس اظہار سے محبت ہے

(نمرہ اسرار)

تم کہاں ہو" اس کے جواب میں وہ اتنا ہی بولی۔"

یار میٹنگ تھی گیلیکسی ریسٹورانٹ میں ابھی فارغ ہوا ہوں اس وقت پارکنگ ایریا میں ہوں بس نکل رہا" ہوں" حیدر نے اب کے تفصیل سے جواب دیا۔

اچھا" اور یہ کہہ کے زینب نے فون بند کر دیا۔۔۔ گھیر بدلتے اس نے پوری سپیڈ سے گاڑی گیلیکسی" ریسٹورانٹ کی سڑک پر ڈالی تھی۔

حیدر نے بونٹ پر رکھا اپنا بریف کیس اٹھایا اور بیک سیٹ کا دروازہ کھولتے پیچھے ڈالا اتنے میں ایک شوفر حیدر کی طرف آیا اور اسے کوئی فائل تھمائی۔

لائبہ مجلے سے حلیے میں پارکنگ ایریا میں ہی موجود تھی اس نے سامنے حیدر کو دیکھ سوچا

حیدر اگر میرا نہیں تو کسی کا نہیں میں دنیا میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی تو کیا ہوا اس جہاں میں آج میں" "تمہیں اپنے ساتھ لے کے جاؤں گی

یہ سوچتے ساتھ ہی اس نے اپنی پینٹ میں پھانسی گن نکالی۔ حیدر اس سے کافی فاصلے پر کھڑا شوفر سے فائل لیتا اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

لائبہ نے دونوں ہاتھوں سے پستول تھامتے نشانہ بندھا تھا۔ شوفر جا چکا تھا حیدر نے فائل کو بھی بیک سیٹ پر اچھالتے دروازہ بند کیا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ حیدر کے دل میں چبھن ہوئی تھی جس نے لمحہ ضائع کیے بغیر شدت اختیار کر لی تھی اس نے گولی دل پر ماری تھی جہاں وہ بستی تھی اور اگلی گولی لائبہ نے ٹریگر دباتے اپنے سر پر ماری تھی۔ گولیوں کی آواز فضا میں گونجی تھی اور زینب کا پیر

اچانک ہی بریک پر پڑا تھا وہ پارکنگ میں پہنچ گئی تھی اس نے سیٹ بیلٹ ہٹائی تھی اور وہ اندھا دھن بھاگی تھی کسی انہونی کا احساس روح کو جھنجوڑ رہا تھا۔

اس کا خالی دامن آج پھر خالی ہونا تھا۔

حیدر زمین پر گرا تھا آنکھیں کھولیں تھیں وہ آسمان کو دیکھ رہا تھا اور پھر آنکھوں کے پردے دھیرے دھیرے گرنے لگے تھے سانس لینے میں دوشواری ہو رہی تھی ایک آت سانس تھی جو باقی تھی ذہن کے سلیٹ پر یکے بعد دیگرے ایک ایک چہرہ نمودار ہوا تھا عباس صاحب کا فائزہ بیگم کا علی کا حاشر کا سنا کا سعید کا احد کا فاطمہ کا صفا کا احمر کا اور آخری چہرہ اس کا تھا ہاں اس کا ہی تھا اس کے ساتھ کی یاد تھی پھر حیدر کو لگا اس کے دل پر کسی نے ٹھنڈا مہکتا پھول رکھ دیا ہے ہاں یہ اسی کا لمس تھا۔۔۔۔ جسے بغیر سانسوں کے بھی حیدر پہچان سکتا تھا۔۔۔ حیدر نے آنکھیں کھولی تھیں اس کا چہرہ سامنے تھا اس کے آنسو حیدر کا چہرہ بھگو رہے تھے اور اس کا خون اس کے ہاتھ۔۔۔۔ وہ روتی ہوئی اس سے صرف ایک ہی جملہ دوہرا رہی تھی۔

حیدر میرے لئے رک جاؤ پلیز حیدر میرے لئے رک جاؤ" وہ سسکتی بلکتی اس کے ماتھے پے ماتھا ٹیکائے" التجائی لہجے میں آنکھیں سختی سے بند کرتی کہہ رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے گرتے موتی کے چمکتے ٹکرے حیدر کی آنکھوں پر پڑ رہے تھے۔

وہ پہلی بار اس سے کوئی گزارش کر رہی تھی اور وہ آج اتنا بے بس تھا کہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

حسرت ہی رہی ہماری

وہ کبھی دل پے ہاتھ رکھیں

وہ کبھی دل کو آباد کریں

جو علم ہوتا وہ لہو رنگ دیکھ تڑپ اٹھائیں گے ہمارا

میں کمان سے نکلا ہر تیر اپنے دل کے پار کرتا۔

(نمرہ اسرار)

اس نے اپنی آنکھیں موند لیں تھیں کبھی نہ کھولنے کے لئے محبت کی کہانی شاید یہیں ختم ہو گئی تھی وہ جگ ہاری تھی اور آج سہی معنوں میں وہ اپنا جگ ہار گئی تھی۔۔۔

میرے لئے رک جاؤ پلیز حیدر میرے لئے رک جاؤ" وہ سسکتی بلکتی اس کے ماتھے پے ماتھا ٹیکائے التجائی " لہجے میں آنکھیں سختی سے بند کرتی اسی ایک جملے کو بار بار دہرا رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے گرتے موتی کے چمکتے ٹکرے حیدر کی آنکھوں پر پڑ رہے تھے۔

وہ پہلی بار اس سے کوئی گزارش کر رہی تھی اور وہ آج اتنا بے بس تھا کہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

حسرت ہی رہی ہماری

وہ کبھی دل پے ہاتھ رکھیں

وہ کبھی دل کو آباد کریں

جو علم ہوتا وہ لہو رنگ دیکھ تڑپ اٹھائیں گے ہمارا

میں کمان سے نکلا ہر تیر اپنے دل کے پار کرتا۔

(نمرہ اسرار

اس نے اپنی آنکھیں موند لیں تھیں کبھی نہ کھولنے کے لئے محبت کی کہانی شاید یہیں ختم ہوگئی تھی وہ جگ ہاری تھی اور آج سہی معنوں میں وہ اپنا جگ ہار گئی تھی۔۔

وہ جگ ہاری ضرور تھی پر دنیا والوں کی طرح محبّت میں ہارنا اسے بھی گروارا نہیں تھا تو وہ کیسے محبّت میں ہار جاتی بینا کسی کوشش کے۔۔۔ حیدر کی بند آنکھیں دیکھ وہ سیدھی ہوئی تھی اور اپنا خون سے تر ہاتھ دیکھا تھا

جواب تک اس کے دل پر رکھا تھا۔۔۔وہ اس کی دھڑکوں کو محسوس کر سکتی تھی وہ چل رہیں تھیں پر بہت مدھم۔۔۔اس نے اپنے سفید سوٹ کی استین سے بیدردی سے اپنے گال پے بہتے آنسو رگڑ دیۓ تھے۔۔۔اسنے اس کے لئے رونا تو کبھی نہیں سیکھا تھا اور اس نے ہمت ہارنا بھی کبھی نہیں سیکھی تھی تو آج کیسے وہ ہمت ہار جاتی۔۔۔

زینب نے اسے مجمعے میں کھڑے لوگوں کی مدد سے اپنی گاڑی میں بٹھایا تھا اور اچانک ہی اسے لائبہ کا خیال آیا تھا۔حیدر کی طرف کا دروازہ بند کر وہ اس چودہ پندھرا سال کے بچے کی طرف موڑی تھی جس نے حیدر کو گاڑی تک لانے میں اس کی مدد کی تھی۔

وہ لڑکی۔۔۔۔"زینب کا فقرہ ہونے سے پہلے ہی اس نے بتایا تھا۔"

"شی اس ڈیڈ"

وہ یہ سن کتنی ہی دیر کچھ بول نہ سکی۔

آپ۔۔۔آپ پلیز۔۔۔ان کے۔۔۔بھائی۔۔۔عاطف۔۔۔کو کال کر کے اطلاع کر دیں"اس کی سانسیں پھولنے لگیں تھیں۔۔۔وہ اٹک اٹک کے بول پائی تھی۔

اس کی بات سن وہ لڑکا اسے ایسے دیکھنے لگا تھا مانو زینب کوئی خلائی مخلوق ہو۔۔۔

پلیز۔۔۔"اس نے ایک دفعہ پھر کہا اور تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی گاڑی ہسپتال کے راستے پر" ڈال دی۔۔۔اس نے آج سے پہلے کبھی اتنی رش ڈرائیونگ نہیں کی تھی۔۔۔وہ کرتی بھی کیا اس کے ہاتھ مسلسل کانپ رہے تھے۔۔۔اس نے ایک بھی بار گردن گھوما کے اپنے ساتھ بیٹھے حیدر کو نہیں دیکھا تھا اس میں اتنی ہمت تھی ہی نہیں وہ کیسے دیکھ لیتی اسے ڈر تھا کہیں کچھ۔۔۔۔اور اس سے آگے تو وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی اس کی رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ جاتی۔۔۔اسے اب اسے ہسپتال لے کے جانا تھا وہ بھی جلد از جلد۔۔۔۔

ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ کے باہر زینب کی گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی اور وہ اسی تیزی سے گاڑی سے اترتی اندر کی جانب بھاگی تھی۔۔۔

اسے سامنے ہی وارڈ میں ڈاکٹر نظر آگیا تھا جو کسی شخص کا معینہ کر رہا تھا۔۔۔وہ لمبے لمبے قدم لیتی ان کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔۔۔

ڈاکٹر ایمرجنسی"اس نے اپنے لہجے کو بھیگنے سے بچایا تھا۔۔۔ڈاکٹر بے اختیار ہی اس کی طرف متوجہ ہو" گیا تھا۔۔۔زینب کے سفید سوٹ پر پڑے خون کے لال لال دھبے اور خون میں رنگا ہاتھ کافی کچھ ڈاکٹر کو سمجھا چکا تھا۔۔۔

چلیں" ڈاکٹر نے ایک لمحہ بھی اور ضائع کئے بغیر اس سے کہا تو زینب نے فوراً سے پہلے انہیں باہر حیدر" کے پاس لے آئی۔۔۔ ڈاکٹر نے حیدر کی نبض چیک کی تھی۔۔۔ امید باقی تھی۔۔۔ اس نے مخصوص وردی میں کھڑے دو لڑکوں سے اسے اندر آپریشن تھیٹر میں لانے کا حکم دیا تھا۔۔۔

ان دونوں لڑکوں نے حیدر کو اسٹریچر پر لٹایا اور دوڑتے ہوئے اسے اندر لے گئے۔۔۔ زینب ساتھ ساتھ تھی۔۔۔ آج کیوں اسے ایسے دیکھنے میں اسے تکلیف بھی ہو رہی تھی اور اس سے دور جانے کا خیال بھی روح چھلنی کر رہا تھا۔۔۔ حیدر کے آپریشن تھیٹر میں داخل ہوتے ہی اسے اُس کا ہاتھ چھوڑنا پڑا تھا پر۔۔۔ پر وہ اس کی جان کبھی نہیں چھوڑنے والی تھی۔۔۔ وہ اسے روک لے گی اسے یقین تھا۔۔۔ وہ آپریشن تھیٹر کے باہر قطار میں لگی بینچوں میں سے ایک پر بیٹھی تو اس کے آنسو پھر بہنے لگے تھے۔۔۔

ایکسکیوز می" یہ وہی ڈاکٹر تھا۔"

زینب چہرہ صاف کرتے کھڑی ہوئی تھی۔

جی؟" اس نے بے چینی سے پوچھا تھا۔۔۔ آنکھوں میں انکی خوف کا تاثر بلکل واضح تھا۔"

میں ہسپتال کے رول کے خلاف جاتے آپریشن شروع تو کر رہا ہوں لیکن آپ کو پیمنٹ ابھی کرنی ہو گی""

وہ حیدر کی حالت کے پیشِ نظر بول رہا تھا۔۔۔ اسے امید تھی اور وہ پیسوں کے لئے ایک جان ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جی میں کر دیتی ہوں پر حیدر ٹھیک تو" وہ جملہ مکمل کرنے کی سکت ہی نہیں رکھتی تھی۔"

انشاءللہ" وہ بول کے رکا نہیں تھا سیدھا آپریشن تھیٹر کے اندر چلا گیا تھا۔"

اس نے زیرِلب دل کی گہرائیوں سے یہ الفاظ ادا کئے تھے۔ "انشاء اللہ"

یک دم اسے پیمنٹ کا خیال آیا تھا۔۔۔ وہ گھر سے خالی ہاتھ آئی تھی۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں تھا اس کے پاس۔۔۔ اب وہ کیا کرے۔۔۔ وہ سوچنے لگی۔۔۔ اور پھر اس نے جلدی سے پارکنگ میں آکے گاڑی میں سے اپنا موبائل نکالا تھا۔۔۔ اس نے عبّاس عالَم کو کال ملائی تھی۔۔۔ بیل جا رہی تھی۔۔۔ تیسری بیل پر فون رسیو کر لیا گیا تھا۔

ہیلو" وہ رات دیر تک اسٹڈی میں بیٹھنے کے عادی تھے ابھی بھی وہیں موجود تھے کوسی کتاب کا مطالع کر رہے تھے۔۔۔ مصروف سے انداز میں بولے تھے۔

بابا۔۔ بابا حیدر۔۔ حیدر" پتا نہیں اس کا دل ان کی آواز سن بھر آیا تھا وہ ہچکیاں لیتی کہہ رہی تھی۔"

کون" عباس عالَم ریوولونگ چیر پر سیدھے ہوتے چوکنا ہوئے تھے۔"

زینب بابا۔۔۔ حیدر۔۔ کو۔۔ با۔۔ بچا۔۔۔ لیں" اس طرح روتے۔۔۔ سسکتے۔۔۔ ہچکیاں" لیتے۔۔۔ ایسے تو کبھی کچھ بھی اس نے والیو اللہ سے بھی نہیں مانگا تھا جو وہ ان سے مانگ رہی تھی۔

کہاں ہے وہ اور کیا ہوا ہے اسے "وہ پریشان ہوئے تھے۔۔۔بے حد پریشان۔۔۔اپنی کرسی سے اٹھتے "

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے پورچ میں پہنچ گئے تھے۔۔۔اور ثانیہ بھابی جو ابھی تک سوئی نہیں تھی انہیں اس طرح پریشان حال دیکھ ان کے پیچھے لپکیں تھیں۔

ہسپتال "وہ ایک ہی سوال کا جواب دے پائی۔"

میں بس پہنچ رہا ہوں "انہوں نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے زینب سے کہتے کال منطقہ کی ہی تھی " کہ ثانیہ بھابی نے سوال کر دیا۔

"ماموسب خیریت تو ہے"

پتا نہیں بیٹا زینب کی کال آئی تھی حیدر ہسپتال میں ہے۔۔۔سعید کو اٹھاؤ اور فوراً بھیجو میں نکل رہا ہوں """ وہ عجلت میں مختصر بات کرتے گاڑی زن سے اڑا لے گئے تھے۔

۔۔۔۔۔،۔۔۔۔۔۔۔۔

حیدر کا آپریشن آئی سی یو کیا جا رہا تھا۔۔۔وہ بینچ پر بیٹھی رو رہی تھی۔۔۔پہلی بار اسے حیدر یاد آ رہا تھا۔۔۔اس کی باتیں۔۔۔اس کی فقرے جن سے وہ چڑ جایا کرتی تھی آج انہیں یاد کرتے اسے غصہ نہیں آ رہا تھا۔۔۔اگر کچھ آ رہا تھا تو صرف آنسو تھے جو آنکھوں سے رواں اس لمحے کو۔۔۔اس حادثے کو دھندلا دینا چاہتے تھے۔۔۔پر یہ دھن صرف آنکھوں تک محیط تھی۔۔۔یہ دن۔۔۔یہ پل وہ چاہ کر

بھی مٹا نہیں سکتی تھی۔۔۔۔ جو وہ حیدر کے لئے کبھی نہیں کر سکتی تھی آج کر رہی تھی وہ رو رہی تھی اس کے لئے۔۔۔۔ حیدر اگر یہ سنتا تو اسے کبھی یقین نہ آتا۔۔۔۔

عبّاس عالَم ریسپشن سے حیدر کا پتا کرتے آئی سی یو کے کوریڈور میں داخل ہی ہوئے تھے کہ ان کی نظر بینچ پر بیٹھی زینب پر پڑی جو سر پر دوپٹا لئے ایک غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے رو رہی تھی۔۔۔۔ اس کا لباس خون سے لتھ پت تھا۔۔۔۔ اسے اس طرح دیکھ عباس عالَم کی سانسیں اٹکی تھیں۔۔۔ ان کے پیر جم گئے تھے وہ آگے نہیں بڑھے وہیں کھڑے رہے۔۔۔ ابھی کچھ دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ کوریڈور میں سعید ثانیہ اور فائزہ بیگم تیزی سے چلے آ رہے تھے۔ وہ سب ہی عبّاس عالَم کو یوں کوریڈور کے وسط میں کھڑا دیکھ رک گئے تھے۔۔۔۔

ڈیڈ" عبّاس عالَم نے باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ انہیں اپنی طرف مخاطب کیا تھا۔"

عبّاس عالَم اس کی آواز پر اس کی طرف متوجہ ہوتے اسے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔

سعید عبّاس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان کا حوصلہ بڑھاتے انہیں وہیں بینچ پر بیٹھا دیا تھا اور خود کو راہداری میں ٹہلتے کبھی کسی نرس سے تو کبھی کسی وارڈ بوائے سے اس کی خیر ات معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور انہیں کچھ بھی پتا نہیں چلا تھا سب اسے ٹال کر آگے بڑھ جاتے۔۔۔۔

یونہی آئی سی یو کے باہر بیٹھے انہیں آدھا گھنٹہ ہوا تھا کہ احمر رانیہ علی عائشہ نور حاشر اور اشہل بھی یہاں پہنچ گئے تھے۔۔۔ یقیناً انہوں نے احمر کو اطلاع دی ہو گی اور پھر ان دوستوں نے ایک دوسرے کو اطلاع کر دی۔۔۔

حیدر کے گھر والوں کا حوصلہ بڑھانے کے بعد ان سب کی نظر آنسو چھلکاتی زینب پر پڑی تھی جو یک ٹک سی آئی سی یو کے دروازے کو دیکھ رہی تھی جیسے امید کی کوئی ڈور بندھی تھی اور اگر وہ پلک جھپکا جاتی تو امید ٹوٹ جاتی۔۔۔ پھر ایک ایک کر ان سب نے آپس میں نظروں کا تبالہ کیا تھا۔۔۔ ایک دوسرے سے سوال کرتی نظریں۔۔۔ حیرت کے سمندر میں غوتے کھاتی نظریں۔۔۔

وہ سب ابھی کوئی سوال نہیں کر سکتے تھے یہ موقع ایسے سوال کرنے کا نہیں تھا۔۔۔ لیکن وہ حیران ہو سکتے تھے اور حیران ہو رہے تھے۔۔۔

یک دم آئی سی یو کا دروازہ کھولا تھا اور ڈاکٹر باہر آیا تھا۔۔۔ زینب تیر کی طرح سیدھی کھڑی ہو گئی تھی اور اس سے پہلے وہ ان کی طرف بڑھ کے کوئی سوال کرتی ڈاکٹر اسے نظر انداز کرتا اپنی طرف آتے سعید عبّاس کو اشارہ کرتے تھوڑا آگے لے گیا تھا وہ ان کے پیچھے ہی چلی آئی اور اب کے اس کے پیچھے علی احمر اور حاشر بھی کھڑے تھے۔۔۔

ڈاکٹر نے اسے دیکھا۔۔۔ ایک سانس اندر کو کھینچی اور بولنا شروع کیا۔

گولی ٹھیک دل پر نہیں لگی ہے لیکن اس نے دل کو نقصان پہنچایا ہے کتنا ابھی ہم نہیں جانتے لیکن اگر"

زیادہ نقصان ہوا تو ہمیں ہارٹ ٹرانسپلانٹ کرنا ہوگا۔۔۔رپورٹ بس آتی ہی ہوں گی"ڈاکٹر پروفیشنل

انداز میں کہتے کہتے زینب کو دیکھ اںپروفیشنل انداز میں بولتا اس کی آس بڑھا رہا تھا۔

کوئی خطرے والی بات تو نہیں"سعید عبّاس جانتے بوجتے یہ سوال کر رہے تھے۔۔۔شاید چاہتے تھے"

کہ انہیں امید دی جائے۔

ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اگر پہلی صورت ہوئی تو ہم پر امید ہیں لیکن اگر ہمیں ہارٹ ٹرانسپلانٹ کرنا"

پڑا تو۔۔۔ہم نے ہارٹ کی سرچ شروع کروادی ہے تاکہ کوئی مسلہ نہ ہو بس آپ دعا کریں ہارٹ اویلیبل

ہو"وہ کہتے ہی وہاں سے چلا گیا تھا اس سے زیادہ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

احمر بھائی"وہ اسے پکار رہی تھی۔۔۔"

ہاں"اس نے فوراََ جواب دیا۔"

حیدر کا بلڈ گروپ کیا ہے؟"وہ اب تک وہیں دیکھ رہیں تھیں جہاں سے ڈاکٹر گیا تھا۔"

احمر کو اس کے اس سوال کی وجہ سمجھ نہیں آئی لیکن پھر بھی اس نے جواب دے دیا۔

"(+)بی پازیٹیو"

بی پازیٹیو(+)"زینب نے اسے دیکھتے دوہرایا۔"

احمر نے ہاں میں گردن ہلائی تو زینب کو نجانے کیا ہوا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آگے جانے لگی۔۔۔احمر کو وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی اس نے تھوڑی دور کھڑی رانیہ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور زینب کے پیچھے لپکا۔

ڈاکٹر۔۔۔ڈاکٹر" اسے راہداری میں ڈاکٹر نظر آ گیا تھا وہ انہیں آوازیں دیتی ان کے پیچھے بھاگ رہی" تھی۔

ڈاکٹر نے بلاخر سن لیا تھا اور وہ رک گیا تھا۔

ڈاکٹر میرا بلڈ گروپ بی (+) ہے" وہ انہیں بتانے لگی۔"

رانیہ اور احمر کچھ قدم اس سے دور تھے لیکن اس کی کہی بات با آسانی سن چکے تھے۔

تو" ان کے کچھ پلے نہ پڑا۔"

آپ میرا ہارٹ لے لیں حیدر کو بچا لیں" یہ کہتے اس کی آنکھیں بھر آئیں تھیں اور ڈاکٹر نے ایک ہی" لمحے میں کئی طرح کے احساسات کا تجربہ کیا تھا۔۔۔وہ حیرت زدہ ہوا اور پھر اسے زینب کی دماغی حالت پر شک ہوا۔۔۔پیچھے کھڑے احمر اور رانیہ کو بھی اس کی اس بات پر کرنٹ لگا تھا۔

آپ جائیں ڈاکٹر اپنا کام کریں۔۔۔اور تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے پتا بھی ہے کیا کہہ رہی ہو مر جاؤ گی" رانیہ نے پہلا فقرہ ڈاکٹر سے کہتے انہیں روانہ کیا اور دوسرے فقرے میں وہ زینب سے مخاطب ہوتی اس پر برسی تھی۔

ابھی بھی تو مر ہی رہی ہوں" اس کا لہجہ ٹوٹا۔۔بکھرا ہوا تھا۔۔آنکھوں سے اشک جاری تھے۔۔۔رانیہ نے اسے یوں روتا کبھی نہیں دیکھا تھا وہ تو آنسوؤں کو چھپا کر رکھتی تھی۔۔۔وہ ان کو دل میں اتارتی تھی پر شاید وہ بھول گئی تھی یہ تو قدرت کا قانون ہے بادل ایک وقت تک خود میں پانی جذب کرتا ہے اور پھر ایک دن اس نے برسنا ہوتا ہے۔۔۔اور ان آنسوؤں کے برسنے کا دن آج طے تھا سو وہ آج برس رہے تھے۔۔۔رانیہ اسے گلے لگاتے اپنے آنسوؤں کو روک نا سکی۔۔۔

کئی گھنٹے گزر گئے تھے ان سب کی ہی جان سولی پر اٹکی تھی۔۔۔ڈاکٹرز اپنا کام کر رہے تھے اور ایسی کوئی خاص پر امید بریفنگ نہیں دے رہے تھے۔۔۔

ہارٹ ٹرانسپلانٹ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی گولی دل سے ایک دو انچ کے فاصلے پر جا کے لگی تھی۔۔۔ہم نے آپریشن کر دیا ہے اور اب ان کے ہوش میں آنے کا انتظار ہے" گھنٹے بیتنے کے بعد ڈاکٹر نے آئی سی یو کے آپریشن تھیٹر سے نکل کے سعید عبّاس کو معطل کیا تھا۔

وہ ٹھیک تو ہے" انہیں بس اس کے ٹھیک ہو جانے سے غرض تھی۔"

سب بہتر کرے گا" ڈاکٹر نے آخر جب تک ہوش نہیں آجاتا ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔۔۔۔ دعا کریں اللہ"

میں ان کا کندھا تھپتھپتے ان کو حوصلہ دینے کی اپنی سی کوشش کی تھی۔

اسکے کانوں میں ڈاکٹر کے الفاظ پڑے تھے۔۔۔ اور وف سوچنے لگی تھی۔۔۔

دعا" ہاں یہ دعا ہی تو ہر راستہ سہل کر دیتی ہے جب سارے راستے بند ہوں جب کوئی امید باقی نہ ہو تب"

یہ دعا ہی تو کام آتی ہے اور آج اسے دعا ہی تو مانگنی ہے۔۔۔۔۔

کے ہر در کو خود پر بندھ کرنے والے ہم خود ہوتے ہیں جبکہ وہ تو دعا کا در کبھی بندھ نہیں ہوتا۔۔۔ اللہ

تمہارا منتظر ہے جب تک یہ سانسیں ہیں۔۔۔۔ جس دن تم نے اس سے سچے دل سے دعا مانگی میرے

ایمان ہے وہ تمھیں خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا

اچانک ہی والیو اللہ کے کہے جملے اسے یاد آئے تھے۔۔۔ وہ اکثر ہی اسے دعا مانگنے کے لئے کہتے تھے اور وہ

ان کی باتوں کو باتیں سمجھ سن لیا کرتی تھی۔۔۔۔ اسے نہیں علم تھا اسے انہی باتوں پر عمل کرنا تھا ایک

دن۔۔۔۔ اور رب نے وہ دن آج کا مقرر کیا تھا۔۔۔

وہ غیر محسوس انداز میں اٹھی تھی لیکن پھر بھی نور اور رانیہ اس کے پیچھے پیچھے چل دیں تھیں۔۔۔۔ وہ

اس سے فاصلہ رکھ چل رہیں تھیں۔۔۔۔ اس نے ایک راہداری عبور کر لی تھی اور دوسری راہداری کے

اختتام پر اسے عاطف دیکھا تھا وہ کسی ڈاکٹر سے بات کر رہا تھا۔۔۔زینب کے قدم خود با خود ہی اس کی طرف چل دئے تھے۔۔۔۔

عاطف نے ڈاکٹر سے بات کرنے کے دوران ہی اسے دیکھ لیا تھا اور جلد ہی اپنی بات مکمل کر وہ اس کے اس تک پہنچنے سے قبل اس کی طرف رخ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

وہ آتو گئی تھی پر وہ کیا کہے اس کے بولنے کی جیسے قابلیت ہی نہیں رہی تھی۔۔۔۔وہ خاموش رہی لائبہ کی تعزیت کرنے کے لئے اس کے پاس الفاظ نہیں تھے سو یہ لمبی خاموشی ہی اس کی تعزیت تھی۔۔۔

پیچھے وہ دونوں کھڑی اپنا غصّہ ضبط کر رہیں تھیں۔۔۔ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ عاطف کو کھری کھوٹی سنائیں۔۔۔اور انہیں زینب پر بھی غصّہ تھا بھلا وہ کیوں یوں چپ چاپ اس کے پاس کھڑی

ہوئی تھی۔۔۔زیادہ غصّہ انہیں اس کے چہرے پر چھائے افسوس نے دلایا تھا جو یقیناً کسی اور کے لئے نہیں اس کی بہن کے لئے ہی تھا۔۔۔

"کہیں پڑھا تھا" وہ خاموشی توڑتے بولا تھا۔۔

"کچھ لوگوں کے حصے میں صرف چاہتیں باٹنے کا کام آتا تھا وصول کرنے کا نہیں۔۔۔شاید اشفاق احمد نے کہا تھا" وہ نارمل نہیں لگ رہا تھا۔۔۔

"اس دن آپ کو لاوارث کہا تھا" وہ استہزیہ انداز میں مسکرایا تھا۔۔۔

"لاوارث۔۔۔ہمم۔۔۔لاوارث تو میں ہوں۔۔۔مجھ جیسا لاوارث بھی کوئی ہو گا۔۔جس کے اپنے ہوتے ہوئے کبھی اس کے اپنے نہیں ہوئے۔۔۔محبت والدین سے کی۔۔۔وہ چھوڑ گئے۔۔۔محبّت بہن سے کی۔۔۔وہ چھوڑ گئی۔۔۔اور جب کسی کی محبّت پانی چاہی تو وہ بھی نہیں ملی۔۔۔مجھے لگتا ہے اشفاق احمد یہ بات میرے لئے ہی کہہ گئے تھے میں انہی لوگوں میں شامل ہوں" اس کے پاس کوئی نہیں تھا یہ سب باتیں کرنے کے لئے وہ تھی تو وہ اسے سنا رہا تھا۔۔۔

"اور میں بھ۔۔۔" عاطف نے اس کے کہے سے نفی کرتے اس کی بات کو مکمل ہی نہیں ہونے دیا تھا۔

"شاید آپ نے میری بات غور سے نہیں سنی میں نے کہا۔۔۔کچھ لوگوں کے حصے میں چاہتیں باٹنے کا کام آتا ہے۔۔وصول کرنے کا نہیں۔۔۔تو بھلا آپ کیسے ان لوگوں میں شامل ہوئیں۔۔۔جو شخص آپ

سے محبّت کرتا ہے وہ آج آئی سی یو میں پڑا ہے۔۔۔ جو ہر کسی سے آپ کے لئے لڑ جاتا تھا۔۔۔ میری دعا ہے وہ آج موت سے بھی لڑ جائے آپ کے لئے اور آپ کو اس کی چاہت وصول کرنے کا موقع ملے" وہ ٹوٹے دل سے دعا کر رہا تھا اس کے لئے کہ کسی کی تو محبّت کامل ہو۔۔۔ اور آج وہ چاہتی تھی پورے دل سے کے یہ قبول ہو۔۔۔ اسکی دعا سے اسے اپنی دعا یاد آئی تھی اسے بھی تو دعا مانگنی تھی۔۔۔ یہ سوچتی ہوئی وہ اسے کوئی بھی جواب دیئے آگے بڑھ گئی۔

میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔۔۔ بہتر ہے کہ یہ بات میں آپ کو خود بتا رہا ہوں کیوں لہ شاید اگر آپ" کو اس بات کا علم کسی دوسرے سے ہوا تو آپ کو بہت افسوس ہو گا" نکاح ہونے کے بعد وہ انہوں نے اس سے اکیلے ملنے کی درخواست نور کی دادی کے سامنے رکھی تھی جو کے منظور کر لی گئی تھی اور اب انس احسن اپنی جاندار پرسنیلٹی کے ساتھ اس کے سامنے کھڑے اس سے ہم کلام تھے۔

نور ہاتھوں کو آپس میں جوڑے پہلے ہی بہت نروس بیٹھی تھی اور اب انس احسن کی عجیب و غریب باتیں اسے مزید پریشانی میں گھیر رہی تھیں۔

میں زینب کو پسند کرتا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا" وہ توقف کے بعد اسے آنکھوں میں لئے" بولے تھے جیسے انہیں اس کے برا لگ جانے کا ڈر ہو۔

نور کے چہرے پر جو تاثر آنا چاہیے تھا وہی آیا تھا وہ حیرات زدہ ہوئی تھی۔

اگر آپ اس حقیقت کو قبول کر کے میرے ساتھ زندگی گزرنا چاہتی ہیں تو موسٹ ویلکم لیکن اگر" صورت دوسری ہوئی تو میں کو پوری عزت کے ساتھ چھوڑ دوں گا" انھوں نے بہت نرم لہجے میں بات مکمل کی تھی اور وہ چلے گئے تھے۔۔۔ اس کی کوئی بات انہوں نے نہیں سنی تھی۔۔۔ وہ اسے کب سنے آئے تھے وہ تو اپنی کہنے آئے تھے اور کہہ کے چلے گئے تھے۔

دوسری صورت ہوئی تو میں آپ کو پوری عزت کے ساتھ چھوڑ دوں گا کمرے میں آپ تک ان کی مہک موجود تھی۔۔۔ اور بہت قریب اس کے وہی جملہ گونجا تھا جو کچھ دیر پہلے وہ کہہ کے گئے تھے۔

اس جملے کے معنٰی کی اسے ضرورت نہیں تھی وہ صاف لفظوں میں سب کچھ اس کی آنکھوں کے آگے سے صاف کر گئے تھے۔۔۔ ہر خواب۔۔۔ ہر تمنا۔۔۔ ہر ارمان اور وہ سب اپنے جذبوں کی اس صفائی کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

انہوں نے کہا تھا وہ اسے عزت کے ساتھ چھوڑ دیں گے۔۔۔ انہیں کیا معلوم نہیں تھا کہ جسے چھوڑ دیا" جائے پھر اس کی عزت کہاں رہتی ہے۔۔۔ نہ اپنے دل میں نہ ہی دنیا میں۔۔۔ دل عزت نہیں کرتا کہ وہ محبّت میں کامیاب نہیں ہوا اور دنیا عزت نہیں کرتی کہ وہ شادی جیسے رشتے کو نبھا نہیں سکی۔

اسکی چار سال کی خاموش محبت نے اسے عجیب دوراہے پے لا کھڑا کیا تھا۔۔۔وہ کیا کرتی۔۔۔ہاں وہ تو پہلے بھی چپ رہی تھی اسے آج بھی یہی کرنا تھا۔۔۔اس نے اپنے گہری مہندی چڑھے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں سے نکلتا ایک خاموش آنسو اتنی ہی خاموشی اسے رگڑ دیا تھا جتنی خاموشی اس نے انس احسن سے محبّت کی تھی۔

منظر بدلہ تھا۔۔۔

وہ اب حال میں تھی۔۔۔نکاح کے دن کا وہ منظر اسے زینب اور عاطف کی وجہ سے یاد آیا تھا۔۔۔جو وہ اس پورے دن سوچتے رہی تھی۔۔۔صرف ایک سوال۔۔۔وہ زینب سے محبّت کیوں کرتے ہیں؟ اسے جواب مل گیا تھا۔۔۔زینب نفرت نہیں کر سکتی تھی کسی سے بھی نہیں۔۔۔تبھی تو وہ لائبہ کی موت کا مجرم بھی خود کو سمجھ رہی تھی اور لائبہ کی وجہ سے ہونے والے حیدر کے حملے کا بھی خود کو۔۔۔کیوں کہ اگر وہ مجرم لائبہ کو گردانتی تو کبھی اس کی تعزیت کے لئے کھڑی نہیں ہوتی۔۔۔اسے تو یہی لگ رہا تھا۔

کتنے عجیب ہیں ہم سب دائرے میں رہ کر محبّت کرنے کے باوجود ہمارے دائرے محبّت سے ملتے ہی نہیں" اس نے مصلحے پر بیٹھی دنیا سے بیگانی زینب کو بھیگی آنکھوں سے دیکھتے سوچا تھا جسے حیدر سے محبّت تو نہیں ہوئی تھی پر آج اسے اس کی محبّت کا احساس ضرور ہو گیا تھا۔۔۔رشتوں میں جو چیز سب سے اہم

ہے آج اسے وہ ہو چلا تھا۔۔۔۔احساس۔۔۔۔باقی کے جذبے بھی عبور کو جاتے اگر۔۔۔اگر وہ بچ جاتا۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سعید عبّاس نے کسی طرح بہلا کے ماں باپ کو ثانیہ کے ساتھ گھر بھیجا تھا ساتھ اسے ان کا خیال رکھنے کی تائد بھی کی تھی۔۔۔وہ زینب کو بھی گھر بھیجنا چاہتا تھا پر وہ اسے کہیں نظر ہی نہیں آئی۔۔۔

احمر علی حاشر اب تم لوگ بھی جاؤ گھر۔۔۔حیدر کے ہوش میں آتے ہی میں کال کر دوں گا" انہوں نے مظبوط لہجے میں سب کو اپنا حکم سنایا تھا نہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی۔

زینب کہاں ہے؟ اسے بھی ساتھ لے کے جانا" ان کے متلاشی نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لیتے احمر سے کہا تھا پر وہ کہیں نہیں تھی۔

دور سے آتی رانیہ اور نور کو دیکھ احمر نے ان کے قریب آنے پر رانیہ سے پوچھا تھا۔

"بھابی کہاں ہیں؟"

وہ پریئنگ روم میں ہے" رانیہ افسوردگی سے بولی تھی۔"

لے آؤ انہیں ہمیں اپنے ساتھ لے کے جانا ہے" احمر نے رسان سے کہا تھا۔"

ہم نے بہت کہا پر لگتا ہے وہ سن ہی نہیں رہی" یہ کہتے رانیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں تھیں۔"

تم سب نکلو میں دیکھ لوں گا اسے "سعید عبّاس نے ان سب کی نظریں خود پر محسوس کر انہیں پھر سے " جانے کا کہا تھا۔

ان سب بے دلی سے باہر کی طرف قدم بڑھائے تھے صاف لگتا تھا کہ ان میں سے کسی کا بھی یہاں سے جانے کا دل نہیں تھا پر ہسپتال میں وہ رک بھی نہیں سکتے تھے رکتے تو ایک رش لگ جاتا اور ہسپتال کے عملے سے انہیں خوب سنے کو ملتی۔

وہ مصحلے پر کب سے بیٹھی تھی اسے اندازہ نہیں تھا۔۔۔ پرینگ روم سے اس سارے وقت میں کتنے ہی لوگ آئے تھے اور کتنے ہی چلے گئے تھے پر وہ یونہی ہاتھ پھیلائے بیٹھی تھی۔۔۔۔ وقت لمحہ لمحہ کر کے گزر گیا تھا اندھیری رات ڈھل گئی تھی۔۔۔ نمازِ فجر کی اذان اس کی سماعتوں سے ٹکرائیں تو اس نے سب کچھ پیچھے چھوڑے رب کے دربار میں حاضری دی تھی نماز میں اسے ہمیشہ ہی سکون ملتا تھا آج بھی کی بارگاہ میں پھیلائے تو آنکھوں سے ایک نیا سیلاب ملا۔۔۔ امید کی ڈور مضبوط ہوگئی تھی۔۔۔ ہاتھ اللہ جاری ہو گیا تھا۔۔۔ یونہی اسکی زندگی مانگتے وہ سجدے میں چلی گئی تھی۔۔۔ وینٹیلیٹر سے آتی سورج کی پہلی کرنیں سجدے میں سر جھکائے اس کے وجود پر پڑیں تھیں۔۔۔ آہستہ آہستہ کمرہ روشنی میں نہا رہا تھا پر وہ اسی طرح لرزتی ہوئی سجدے میں جھکی رہی کہ جب تک اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی وہ یوں ہی اس کے در پر سر جھکائے بیٹھی رہے گی۔۔۔

سورج سر پر چڑھ گیا تھا۔۔۔۔اس نے حیدر کو تب سے اب تک ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔۔۔اسے اسے ایسے دیکھنے کی آرزو بھی نہیں تھی۔۔۔۔مشینوں اور تاروں میں جکڑا ہوا۔۔۔۔وہ اسے ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتی تھی چاہے وہ اسے ستالیتا پر یوں ستاتے جان تو نہ لیتا۔۔۔۔

زینب۔۔۔۔"رانیہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھی اسے پکار رہی تھی۔۔۔"

زینب۔۔۔۔حیدر بھائی"حیدر کا نام سنتے ایک ہی وقت میں اس کی جان میں جان بھی آئی تھی اور جان" سے جان نکلنے کو بھی تھی۔۔۔۔

وہ سجدے سے ڈری سہمی سے اٹھی تھی آنکھوں میں امید کے ساتھ خوف کے رنگ بھی نمایاں تھے۔

رانیہ اسے دیکھ دھک سے رہ گئی تھی۔۔۔۔اس کی آنکھیں سرخ ہو رہیں تھیں آنکھوں کے پپوٹے بری طرح سوجے ہوئے تھے۔۔۔چہرہ آنسوؤں سے بھیگا تھا۔۔۔چہرے کے آگے چاند لاٹیں آگئی تھیں جو کے نمکین پانی کی زد میں آ کے گیلی ہو چکی تھیں۔۔۔۔

رانیہ کی آنکھیں یکایک نم ہوئیں تھیں۔

زینب حیدر بھائی ٹھیک ہیں انہیں ہوش آگیا ہے۔۔۔۔چلو اب چپ ہو جاؤ"وہ بچوں کی طرح خود" روتے ہوئے اس کے آنسو صاف کرتی اسے بہلا رہی تھی۔

تم جاؤمیں آرہی ہوں" وہ کافی دیر کے بعد کچھ بولنے کے قابل ہوئی تھی اور نارمل انداز میں بولی" تھی۔۔۔ وہ بے یقین نہیں ہونا چاہتی تھی۔۔۔ اس لئے اس نے یقین کیا تھا اس ذات پر جس ذات کے یقین پر وہ کل سے مصلحے پر بیٹھی تھی۔۔۔

پورے بارہ تیرہ گھنٹے گزرنے کے بعد بلاخر سب کی دعائیں رنگ لے آئیں تھیں۔۔۔۔ حیدر کو ہوش آگیا تھا پر وہ خطرے سے باہر تھا۔۔۔ لیکن اب بھی غونودگی کی حالت میں تھا اور کچھ انجیکشنز کا اثر تھا جس کی وجہ سے وہ مکمل ہوش نہیں سنمبھال سکا تھا۔۔۔ وقفے وقفے سے آنکھیں کھولتا اور بند کرلیتا۔۔۔ سعید عبّاس نے سب کو گھر میں اطلاع کردی تھی اور وعدے کے مطابق احمر علی اور حاشر کو بھی۔۔۔ وہ لوگ اگلے پندھرا دس منٹ میں اس کے سر پر حاضر تھے جیسے یہیں آنے کے لئے بے تاب بیٹھے تھے۔۔۔

حیدر کے تو دوستوں نے جب تک ڈاکٹر سے بریفنگ لے خود اچھی طرح تسلی نہیں کی وہ مطمئن نہیں ہوئے۔۔۔ اور ڈاکٹر کے بتانے پر کے وہ بلکل ٹھیک ہے تو ان سب نے سکون کی سانس لی۔۔۔۔۔

کوئی اڑھائی تین بجے وہ مکمل حواسوں میں آیا تھا اور پھر سعید عبّاس نے ڈاکٹر سے ملاقات کی اجازت لی تھی جو کے ڈاکٹر نے باآسانی دے دی تھی۔

حیدر نے نرس سے کہہ اس کے بیڈ کو اونچا کرنے کے لئے کہا تھا۔۔۔ لیٹے لیٹے اس کی کمر دکھنے لگی تھی۔۔۔ وہ تھوڑا اوپر ہو مشقت سے بیٹھا تھا کہ دروازہ کھول وہ سب اندر داخل ہوئے تھے۔۔۔۔

فائزہ بیگم نے تو کتنی ہی دیر اسے چھو کے اس کے ہونے کا یقین کیا تھا۔۔۔ انہیں کل سے ایک پل چین نہیں آیا تھا سعید عبّاس نے انہیں ضد کر گھر بھیج تو دیا تھا پر وہ ساری رات اللہ سے دعائیں کرتی رہیں تھیں۔۔۔ آرام کو انہوں نے خود پر حرام کر لیا تھا۔۔۔

عبّاس عالَم نے جھک کے اس کا ماتھا چوما تھا ساتھ اس کی خیریت بھی دریافت کی تھی۔۔۔ انہیں اس سے زیادہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی ان کی محبّت اور پرواہ ان کی آنکھوں سے عیاں تھی۔۔۔ اور فائزہ بیگم کی ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت ظاہر تھی۔۔۔

""اب کیوں رو رہیں ہیں آپ یار۔۔۔ دیکھیں میں بلکل ٹھیک ہوں آپ کے سامنے بھلا چنگا بیٹھا ہوں"" اسے ان کے آنسو ہمیشہ کی پریشان کرتے تھے آج بھی کر رہے تھے۔۔۔ پر وہ ظہور نہیں ہونے دیتا تھا کوفت زدہ لہجہ بنا کر بولا۔

"اللہ کی عجیب مخلوق ہے بیٹا جو رونے کے مواقعے ہوتے ہیں وہاں تو یہ روتی ہی ہیں اور جو نہیں ہوتے وہاں یہ یقینی طور پر روتی ہیں" عبّاس عالَم نے اپنی شریک حیات پر بھرپور چوٹ کر کے کہا تو حیدر نے بے

ساختہ قہقہ لگایا تھا جو ایک پل میں کھانسی میں بدل گیا تھا۔۔۔دل کی طرف ٹیس اٹھی تھی۔۔۔آنکھوں میں آئے پانی کو اس نے پلکیں جھپکتے چھپا لیا تھا۔۔۔

تم ٹھیک تو ہو" فائزہ بیگم اس کی کمر سہلاتی پریشانی سے استفسار کرے لگیں۔"

آپ کے ہوتے ہوئے بھلا مجھے کچھ ہو سکتا ہے"اس نے اس کا ہاتھ تھام اپنے آگے بٹھایا" تھا۔۔۔کھانسی اب رک چکی تھی۔۔۔

فائزہ بیگم نے اس کی نفی کی تھی۔

امی بھوک لگ رہی ہے"وہ بچوں کی سی طرح انہیں بتا رہا تھا۔"

ہاں۔۔۔۔"وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ گئیں تھیں۔"

آرے یار آپ یہیں بیٹھیں۔۔۔۔احمر ایک گلاس گرم دودھ اور اچھا سا گرما گرم ناشتے کا انتظام کرو" اور یار علی تم خدا کے لئے ان دوائیوں کی اسمل کا کچھ کرو"پہلا فقرہ اس نے فائزہ بیگم کو پھر سے اپنے پاس بٹھالتے کہا تھا اور دوسرے میں وہ بڑے مزے سے علی اور احمر کو آرڈر کر رہا تھا۔۔۔۔جو اس کے ایک حکم پر سر ہلاتے باہر نکل گئے تھے۔۔۔

پانچ منٹ میں ناشتہ کمرے اس کے پاس موجود تھا۔

مجھے پتا ہے آپ نے کچھ نہیں کھایا ہو گا چلیں اب جلدی سے یہ دودھ آدھا کریں تاکہ میں پی" سکوں۔۔۔اور یہ اوملیٹ بھی آپ نے آدھا کھانا ہے اگر شرط منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں نے آدھا بھی نہیں کھانا" وہ بڑی ہوشیاری سے انہیں کھانے پر مجبور کر رہا تھا۔۔۔اور فائزہ بیگم بس اسے گھور رہیں تھیں جانتی تھی اس نے کہہ دیا ہے تو اب کبھی نہیں کھائے گا۔

گھورنے سے کچھ نہیں ہو گا اب جلدی جلدی ہاتھ چلائیں" وہ انہیں بھی حکم دے رہا تھا۔۔۔اور وہ" ماننے کے سوا کچھ نہیں کر سکتیں تھیں۔

انہوں نے جلدی جلدی کھایا کم نگلا زیادہ تھا انہیں بیٹے کی فکر تھی جس نے شرط رکھ دی تھی۔۔۔جب وہ کھا چکیں تو انہوں نے اسے کھانے کا اشارہ کیا۔۔وہ دودھ کا گلاس منہ کے قریب لے کے گیا اور بغیر پیئے عجیب سے منہ بناتے اس نے گلاس واپس ٹرے میں رکھ دیا۔۔۔

کیا ہوا" انہوں نے فوراً پوچھا۔"

امی مجھے لگ رہا ہے میں نے کچھ بھی کھایا تو مجھے ومٹ (الٹی) ہو جائے گی۔۔۔اور پھر اس صورت میں" مجھے کافنگ شروع ہو جائے گی اور اس کا میرے ٹانکوں پر اثر پڑے گا" وہ صرف باتیں بنا رہا تھا پر اس کی باتیں فائزہ بیگم کو ڈرا گئیں تھی اس لئے انہوں نے اسے کھانے پر مجبور نہیں کیا۔۔کچھ دیر فائزہ بیگم اور

عبّاس عالَم اس کے پاس بیٹھے کیوں کہ اس سے زیادہ اس نے بیٹھنے ہی نہیں دیا اور انہیں زبردستی گھر بھجوا دیا۔

فائزہ بیگم اور عبّاس عالَم کے جاتے ہی اس کی نظر کمرے میں بیٹھے باقی نفوسوں پر پڑی جو کب سے اس کی حرکتیں ملاحضہ فرما رہے تھے۔

چلو اٹھو اپنی جگہوں سے اور اپنی لٹکی ہوئی صورتیں غائب کرو میرے سامنے سے کچھ کھا پی کر " آؤ۔۔۔ تم لوگ تو ایسے بھوکے بیٹھے ہو کے میری فوتگی کی ہی بریانی کھاؤ کے " وہ وہ ان سب کی شکلیں دیکھ غصّے میں ہی تو آ گیا تھا ر کھائی سے بولا۔

" دماغ خراب ہو گیا ہے "

" پاگل ہو گیا ہے کیا "

" کچھ بھی بولے چلے جا رہا ہے "

احمر علی اور حاشر کو اس کے ایک جملے نے ہولا دیا تھا۔۔ وہ غصّہ کرتے ایک کے بعد ایک بولے تھے۔

جاؤ یہاں سے کھا پی کر آؤ کچھ۔۔۔ شکلیں دیکھو کسی مسکینوں والی لگ رہی ہیں " وہ اب بھی اپنی ہی بولا تھا اور وہ سب اس کی سن جانے لگے تھے جب وہ پھر بولا تھا۔

تھیں وہ نجانے کہاں تھی۔۔۔وہ کب سے اس کا انتظارt زینب کہاں ہے ؟" جسے نظریں ڈھونڈھ رہی" کررہا تھا پر وہ کہاں تھی اور کیوں اب تک نہیں آئی تھی۔۔۔اسے کئی سوال بے چین کرر ہے تھے۔

جہاں اسے ہونا چاہیے "جواب علی نے دیا تھا اور پھر حیدر نے آگے سے کوئی سوال نہیں کیا" تھا۔۔۔کمرہ خالی ہو گیا تھا۔۔۔

تو کیا وہ گھر پر ہے۔۔۔سکون سے۔۔۔میری بے سکونی نے اسے سکون دے دیا۔۔۔پر" کیسے۔۔۔کیا وہ مجھ سے واقعی اا تنی شدید نفرت کرتی ہے کہ میری موت کے اتنے قریب ہوتیں سانسیں اس کی نفرت کو مٹا نہیں پائیں۔۔۔کیا میری محبّت اتنی کھوکلی تھی کہ اپنا اثر نہیں چھوڑ سکی اس پے اور ایسا تھا تو زندگی کیوں ملی مجھے موت کیوں نہیں ملی" وہ تنہا بیٹھا تھا۔۔۔پر کیوں لگ رہا تھا اسے کے آج وہ واقعی تنہا ہو گیا ہے۔

زینب اب تو نماز بھی پڑھے تمھیں اتنا ٹائم ہو گیا ہے۔۔۔حیدر بھائی ٹھیک ہیں انہیں ہوش بھی آ گیا" ہے تمھیں ملنا نہیں ہے کیا" رانیہ کب سے اس کے پیچھے لگی تھی کہ حیدر سے مل لے اور اب اکتائی ہوئی اس سے پوچھ رہی تھی۔

لیکن میں کیسے۔۔۔"اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا وف مکمل کر بھی نہیں سکتی تھی۔"

سے ان کی زندگی مانگ رہی ہو مرنے دیتی اگر تمہیں ان سے ملنا ہی نہیں تھا تو کل سے کیوں بیٹھی اللہ"

نہ "رانیہ غصّے سے بھری جو منہ میں آیا بول گئی۔

زینب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔۔۔ اسے تکلیف ہوئی تھی۔۔۔ سیدھے دل میں۔۔۔

تم تو ایسے مت کہو رانی" وہ پھر رونے کے در پر تھی۔"

اچھا نہیں کہتی پر تم جاؤ تو ملو تو سہی ان سے۔۔۔ ہر خوف کو بلائے طاق رکھ کر جاؤ۔۔۔ بہادروں کی" طرح۔۔۔ محبّت ویسے بھی بزدلوں کا شیوہ نہیں۔۔۔ وہ تمھیں کچھ نہیں کہیں گے۔۔۔ نہ چڑائیں گے نہ مذاق اڑائیں گے۔۔۔ نہ ہی کچھ اور کہیں گے تم جاؤ اور محبّت جیت آؤ۔۔۔ چاہے انا ہار جائے پر محبّت کو جیت جانا چاہیے" وہ بہت جوش و خروش سے اس کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔

زینب کے کچھ سمجھ آ گیا تھا تب ہی اس نے جانے کی حامی بھر لی تھی۔

حیدر دلکشی سے مسکرا رہا تھا۔۔۔ تھری دیر پہلے چھائی اس کے اوپر کی اداسی چھٹ چکی تھی۔۔۔ وجہ عائشہ تھی جو اسے زینب سے متعلق سب بتا گئی تھی ٹھیک اسی وقت دروازہ وا کرتی زینب اندر داخل ہوئی تھی۔۔۔ وہ سر جھکائے آئی تھی اس لئے پہلی ہی نظر میں اسے دیکھ نہ سکی ورنہ اس کے چہرے پر سجی مسکان دیکھ لیتی۔

حیدر کے لب مرجھائے تھے۔۔۔وہ اسے دیکھ ٹھٹھک گیا تھا۔۔اس نے اپنا کیا حال بنالیا تھا۔۔۔وہ ایک ہی دن میں کتنی اجڑی اجڑی لگنے لگی تھی۔۔۔دل میں وہ کہیں اپنے لئے اس کے پریشان ہونے پر خوش تھا لیکن اسے ایسے دیکھ تکلیف بھی ہوئی تھی۔

سنا ہے کوئی دل دینے کی باتیں بڑے زور و شور سے کر رہا تھا" حیدر نے مسکراتے ہوئے کہا تھا وہ اپنے اور" اس کو درمیان حائل موحول کو نارمل کرنا چاہتا تھا۔

سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہیے "زینب نے نظریں جھکائے کہا۔۔۔آتو گئی تھی اس سے ملنے پر" اپنی ہار وہ اتنی آسانی سے اس کے آگے قبول نہیں کرنے والی تھی۔

اس کے لہجے نے پل میں اپنا انداز بدلہ تھا اب کے وہ بہت سنجیدہ تھا۔

اور آنکھوں دیکھی کو" حیدر کا اشارہ اس کی سوجھی ہوئی آنکھوں کی طرف تھا۔۔۔"

ضروری نہیں آنکھوں دیکھا بھی سچ ہی ہو" ایک بر پھر ویسے ہی کہا گیا۔۔۔وہ اس کی طرف نہیں دیکھ" رہی تھی۔۔۔اس کے علاوہ کر چیز کو دیکھ رہی تھی کیوں کہ اس شخص کے آگے وہ زیادہ دیر سر جھکا کے کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔۔۔اور اگر اس کی طرف دیکھ لیتی تو بری طرح ہار جاتی۔

میری زندگی سے حسین تو موت ہی تھی کم از کم تم دل دینے کی بات تو کر رہیں تھیں" حیدر نے جل" بھن کے کہا۔۔۔وہ اب بھی نہیں مان رہی تھی اسے افسوس ہوا۔

زینب کے لئے اس کی موت کا ذکر جان لیوا تھا۔۔۔۔وہ اسی پل کمزور کو گئی۔۔۔۔

پہلی دفع مجھے اپنی ہی سانسیں بوجھ لگی تھیں۔۔۔۔میں نے اس سے زیادہ خوفناک کچھ نہیں پایا" وہ آنسو" پینے کے جھوکم میں پھر سر جھکا گئی تھی۔۔۔۔اس نے موت کا لفظ استعمال نہیں کیا اس سے اس کی اپنی روح میں تکلیف کی لہر دوڑ گئی تھی۔

وہ کتنی ہی بار اس کے ایک فقرے کی گردان اپنے ذہن میں کر چکا تھا۔۔۔اس کا مطلب تلاش رہا تھا اور اس کا ایک بھی مطلب تھا اور اگر کوئی مطلب نکلتا بھی تھا تو اسے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔۔۔وہ بس چاہتا تھا جو اسے لگتا ہے وہ ہی سچ ہو۔

تم اظہار محبت کر رہی ہو" اور پھر جیسے اس نے تزدیق کرتے پوچھا۔"

زینی کا جھکا ہوا سر ایک جھٹکے سے اٹھا تھا۔

میرے کسی بھی جملے میں محبت کا لفظ تک نہیں تھا" زینب نے جیسے اسے یاد دلایا۔۔۔وہ کیوں اس کی" چوری پکڑنے پر تلا تھا۔۔۔

لفظ نہیں تھا لیکن احساس تھا اور میں نے صرف اس احساس کو سنا ہے" اس نے گہری نظروں سے دیکھتے" بے حد سنجیدی سے کہا تھا۔

گولی دل پر لگی ہے مگر اثر دماغ پر ہو گیا ہے" اس نے حیدر کا مذاق اڑاتے ہوئے بات کو بدلنا چاہا تھا۔"

یہ دل اتنا برا لگتا ہے تو مار دو گولی تمہارے ہاتھوں تو خوشی خوشی کھالوں گا" وہ اس سے کچھ اور ہی سنے کا" منتظر تھا۔۔۔ آج وہ صرف اس سے وہ کہلوانا چاہتا تھا جو وہ کہنے سے کترا رہی تھی۔

زینب کا دل تو اس ایک دن میں موم کا ہو گیا تھا۔۔۔ اور آنسو تو اب ہر وقت کی باہر کا راستہ تلاش کرتے تھے۔۔۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے بیڈ تک آکے رکی تھی۔۔۔۔ حیدر کی نظریں اس پر کی مرکوز تھیں۔۔۔۔ وہ اس کے پاس جگہ خالی دیکھ بیڈ پر بیٹھی تھی اور حیدر کا منہ پورا کا پورا کھولنے کو تھا لیکن اسے اس وقت اپنی حیرت اس سے چھپانی تھی ورنہ وہ اس کے اظہار سے محروم ہو جاتا۔۔۔

وہ اس کے بے حد قریب ہوتی اس کے دائیں کندھے پر اپنا سر رکھ بیٹھ گئی تھی۔۔۔۔ حیدر اس لمحے مانو پتھر کا مجسمہ ہوا تھا۔۔۔ اسے لگا وہ یقیناً کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا ہے ورنہ زینب اور اس کے اتنے قریب وہ بھی اپنی خواہش سے۔۔۔۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔۔۔ کتنی ہی دیر وہ اس حیرانگی کے زیرِ اثر بیٹھا رہا۔۔۔ لیکن دائیں جانب جب اسے احساس ہوا کہ اس کا کندھا گیلا ہو رہا ہے تو ہوش سنبھال گیا۔۔۔۔

تم ٹھیک تو ہو؟" اس کی آواز سے ظاہر تھا وہ رو رہی تھی۔"

میں ٹھیک ہوں بلکل فٹ ہوں" وہ اسے بھلا رہا تھا۔"

میں۔۔۔۔میں ڈر گئی تھی" وہ رو رہی تھی۔۔۔ ہچکیاں لیتے۔۔۔اور شادی سے اب تک اپنا کوئی" احساس اس سے شئیر کر رہی تھی۔

میں بھی" ہاں وہ بھی ڈر گیا اسے اکیلے وہ اس دنیا میں کیسے چھوڑ سکتا تھا جبکہ وعدہ تو زندگی اور موت" دونوں کا تھا۔

شش۔۔۔سب ٹھیک ہے" وہ محبّت سے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتا اسے چپ کرانے کے جتن کر رہا تھا۔" وہ کافی دیر اس کا کبھی سر سہلاتا کبھی کمر سہلاتا اسے مسلسل ریلیکس کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اسے پتا بھی نہیں چلا تھا کہ وہ تو کب کی اس کے کندھے پر سر رکھے رکھے ہی سو گئی تھی۔۔۔اور یہ جان وہ مسکرایا تھا وہ اس کے اتنے قریب سکون سے سو گئی تھی۔۔۔

کچھ دیر پہلے سینے میں اٹھنے والی درد کی ٹیسیں ہوا ہو گئیں تھیں۔۔۔درد ہوتا کیا ہے اسے بھول ہی گیا تھا۔۔۔اس اس کے گرد ہلا بناتے خود بھی آنکھیں مندھ لی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے پلکوں کی باڑ اٹھاتی نیند سے بیدار ہونے لگی تھی۔۔۔پہلی نظر سامنے ٹیبل پر رکھی خوشبو پھیلاتی موم بتی پر پڑی تھی اور اس کے بعد وہ ارد گرد کا جائزہ لیتی اندازہ کر رہی تھی کہ وہ ہے کہاں۔۔۔اور اسے جلد ہی سب یاد آگیا تھا۔۔۔وہ حیدر سے دور ہوتی سیدھی بیٹھی تھی پر اس کے بال

جو حیدر کے سینے پر پھیلے تھے انہیں یہ دوری برداشت نہ تھی۔۔۔اس نے حیدر کو دیکھا تھا وہ اٹھا تھا اور انہی گہری گہری آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔۔زینب نے اپنے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کر کان کے پیچھے اوڑھسا تھا۔۔

وہ اسے اب بھی ویسے ہی دیکھ رہا تھا۔

کپڑے بدل لئے ہوتے خون کی بدبو آرہی ہوگی" وہ اس کی اس طرح دیکھنے سے گھبرا رہی تھی اس نے" محسوس کرتے اپنا انداز بدل لیا تھا۔

خوشبو آرہی تھی" اس نے سرگوشی میں کہا تھا پر وہ قریب ہی تو بیٹھی تھی وہ سن چکا تھا۔"

کس کی؟" اسے لگا وہ طنز کر رہی تھی۔۔۔پھر بھی سوال کرنا بہتر سمجھا۔"

جس کا خون ہے" زینب نے اس کی خوشبو کی وجہ سے لباس نہیں بدلہ تھا۔۔۔اس کا دل خوشی سے" جھوم ہی تو گیا تھا۔

وہ ہر بار اظہار تو کر رہی تھی پر نت نئے طریقوں سے۔۔۔اس نے تمہاری نہیں کہا تھا وہ زینب تھی صاف اظہار کی امید اس سے لگانا نری حماقت تھی۔

اور اگر میں مر جاتا تب بھی نہ بادلتیں؟" وہ بھی حیدر تھا اس کا صاف اظہار سنے پر تلا ہوا تھا۔"

وہ کچھ نہ بولی تھی اس نے غصّے سے اپنے گرد پھیلے حیدر کے ہاتھوں کو نرمی سے جھٹکا تھا اور وہ اس سے آزاد ہوتی تیزی سے دور جانے لگی تھی کہ حیدر نے اس کا بازو پکڑ اپنی طرف کھینچا تھا اور اس کا دائیاں ہاتھ سیدھے حیدر کے زخم پر لگا تھا وہ کراہیا تھا۔

سوری میں نے۔۔۔ میں نے جان بوجھ کے نہیں کیا" وہ بہت ہی زیادہ گھبرا گئی تھی ورنہ حیدر کو سوری" اس نے بولا کب تھا اور وہ بولتی بھی کیوں۔

حیدر نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے پکڑ اپنے دل پر ہی رہنے دیا تھا۔

آئی ایم سوری۔۔۔ ویری سوری۔۔۔ کیوں کہ میں نے ہر بار تمہیں جان بوجھ کر تکلیف " پہنچائی۔۔۔ میں جانتا ہوں جو درد میں نے دئے سوری سے وہ کم نہ ہوں گے اور نہ تمہاری یادوں سے میٹیں گے۔۔۔ چلو درد سے درد کا سودا کر لیتے ہیں جتنے میں نے تمہیں دئے ان سے کہی زیادہ تم دے دینا زخموں کو ہرا رہنے دینا۔۔۔ انہیں خرش لینا پر ایک بات یاد رکھنا حیدر دنیا اور دنیا میں بسنے والی ہر شئے چھوڑ سکتا ہے پر زینب کو وہ کبھی نہیں چھوڑ سکتا" وہ آج معافی مانگ رہا تھا اپنے کئے کی۔۔۔ پورے دل سے اس کے آگے گھٹنے ٹیک رہا تھا۔۔۔

تم نے مجھ سے شادی کیوں کی تھی؟" اسے واضح نہیں ہوا تھا اسی لئے پوچھ رہی تھی۔ "

محبّت ہو گئی تھی تم سے۔۔۔" وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔ "

اور تمہیں اپنے پاس رکھ کے ہر خوشی دینا چاہتا تھا تمہیں خوش رکھنا چاہتا تھا۔۔۔ہوں" وہ کچھ بتانے" میں ہچکچا نہیں رہا تھا یہ ایک چیز تھی جو زینب کو اچھی لگی تھی۔

تم نے دھمکایا تھا شادی کے لئے"اس کے منہ سے شکوہ نکل ہی گیا تھا وہ اب بھی ہلکی آواز میں ہی بولی" تھی۔

وہ آج جتنا خوش تھا کوئی اس سے پوچھتا تو اس کے پاس لفظ نہیں ہوتے وہ پہلے اپنا ڈر سنا رہی تھی اور آپ شکایت کر رہی تھی حالانکہ انداز شکایتی نہیں تھا وہ عام سے انداز میں کہتی اسے بہت خاص کر گئی تھی۔

ایک سچ بتاؤں" وہ اس کی آنکھوں میں گہرائی تک دیکھتا پوچھ رہا تھا۔"

وہ اسے آنکھیں سکیڑ کے جانچتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔۔۔ایسا کیا تھا جو اسے اب تک نہیں پتا تھا۔

احمر اس سب میں شامل نہیں تھا۔۔۔اس دن کال پر دوسری طرف میں تھا" وہ بڑی بہادری سے اپنے" جرم کا اعتراف کر رہا تھا۔

وہ آنکھیں پھاڑے اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔۔۔اسے بیوقوف بنا گیا تھا وہ بھی اتنی آسانی سے ۔۔۔اس نے اگلے ہی پل لب بینچے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا تھا پر حیدر نے گرفت مظبوط کر لی تھی۔

زینب!!!" وہ اسے بلا رہا تھا پر وہ اس کی طرف نہیں دلہ رہی تھی منہ پھیرے بیٹھی تھی۔۔۔وہ تو اس" نے حیدر کی طبیعت کا لحاظ کر لیا تھا ورنہ دل تو کر رہا تھا ایک اور رکھ کے دے۔

زینب !!!" وہ پھر بولا تھا اور وہ ہونٹوں بیٹھی رہی تھی۔"

زینب ! اگر مجھے یقین نہیں ہوتا میں تمہیں اپنی محبّت سے جیت لوں گا تو میں کبھی تم سے نکاح نہ کرتا"""

اس کا لہجہ گھمبیر تھا۔۔۔ آنکھوں میں سچائی لئے وہ بولتا وہ زینب کو اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کر گیا تھا۔

اور تمہیں لگتا ہے کہ تم جیت گئے ہو ؟" وہ اپنے پرانے انداز میں واپس آنے لگی تھی۔"

ہمم۔۔۔ اگر اسے جتنا کہتے ہیں تو میں جیت گیا ہوں" اسے گردن اثبات میں ہلاتے۔۔۔ اپنے سیدھے"

ہاتھ کی طرف اشارہ کیا تھا جو کب سے زینب تھمی بیٹھی تھی اسے احساس ہی نہ تھا۔

زینب نے اس کا اشارہ سمجھ اپنا ہاتھ دیکھا تو ہڑبڑائی گئی۔۔۔ پر ہاتھ ہٹایا نہیں۔۔۔ وہ جیت گیا تھا اس کے

دل پر لگا حیدر کے نام کا جھنڈا محبّت کی ہواؤں سے لہراتا اسے آگاہ کر گیا تھا۔۔۔

تم نے کچھ کھایا" حیدر کو اب اس کے کھانے کی فکر لگ گئی تھی۔"

تم نے ؟" اس نے ساختہ سوال کے بدلے سوال کر ڈالا۔"

نہیں" وہ اس زینب کو دیکھنے میں ماحو تھا جس کا ہر انداز اسے ایک نئی خوشی بخش رہا تھا۔۔۔ وہ کھوئے"

ہوئے بولا۔

میں لے کے آتی ہوں" وہ دوپٹہ سر پر برابر کرتی اٹھی تو حیدر نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی۔"

"جلدی آنا"

اور زینب مسکرا بھی نہ سکی۔۔۔بس سر ہلا کے چل دی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ان سب نے کینٹین سے کچھ نہ کچھ لے بے دلی سے کھالیا تھا پر ابھی وہ کینٹین میں ہی بیٹھے ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے تھے جب رانیہ ان کے پاس آ کے بیٹھی تھی۔۔۔وہ ابھی ابھی زینب کو حیدر کے روم میں چھوڑ کر آ رہی تھی۔۔۔

نہیں ابھی مت جائیں آپ لوگ" ان سب کو حیدر کے پاس جانے کے لئے اٹھتا دیکھ وہ بولی تھی۔"

کیوں" یہ احمر تھا جس نے سب کے سوال کو زبان دی تھی۔"

ابھی زینب ہے وہاں کچھ دیر بعد چلیں گے" اس نے انہیں وجہ بتاتے روکا تھا اور وہ سب رک گئے" تھے۔۔۔

رانیہ نے شکر کر کیا اتنی مشکل سے تو وہ زینب کو منا کر چھوڑ کر آئی تھی اور اب یہ سب پہنچ جاتے تو وہ دونوں صحیح سے بات بھی نہیں کر پاتے اور یوں دونوں کے دل کی بات دل میں ہی رہ جاتی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مجھے لگ رہا ہے مجھے ومیٹ ہو جائے گی۔۔۔ تم کھالو" اس نے آڑے ٹیڑھے منہ بناتے ٹرے کو پیچھے" کیا تھا۔۔ وہ ماں والا حربہ اس پر بھی آزما رہا تھا پر اب وہ اسے دھمکا نہیں سکتا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے تم نے ہی کہا تھا نہ درد کا سودا کر لو تو سمجھ لو کر لیا۔۔۔اب تمہیں ویٹ ہو یا تمہارے" ٹانکوں پر اثر ہو کیا فرق پڑتا ہے کھانا تو تمہیں پڑے گا" وہ کہاں اس کے ڈراموں میں آنے والی تھی بڑے ریلیکس انداز میں ساری بات کر گئی تھی۔

حیدر نے ہتیار ڈالتے دودھ کا گلاس اٹھایا تھا اور اس کے آگے بڑھایا تھا۔

زینب نے اس کی آنکھوں سے کی گئی التجاؤں کی وجہ سے گلاس اس کے ہاتھ سے لینا چاہا تو اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔۔۔وہ الجھی۔۔۔

میرے ہاتھ میں کانٹے نہیں لگے" وہ چڑا ہوا لگ رہا تھا۔۔۔اب اس کے ساتھ زبردستی بھی تو نہیں کر" سکتا تھا کہ وہ مان جاتی۔۔۔

وہ دل ہی دل میں اس کے اس چڑچڑے پن پر مسکرائی تھی اور اس کے ہاتھ سے ہی دودھ پینے لگی تھی۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

کینٹین میں بیٹھے انہیں کافی ٹائم ہو گیا تو انہوں نے باہمی مشورے سے حیدر سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔۔۔

احمر چونکہ سب سے آگے تھا اسی لئے حیدر کے روم کا ڈور بھی اسی نے کھولا تھا اور سامنے کا منظر دیکھ وہ وہیں کا وہیں رہ گیا تھا۔۔۔اور اس کے پیچھے قطار میں لگے علی حاشر نور عائشہ رانیہ اور اشہل نے اسے دیکھا تھا وہ آگے کیوں نہیں چل رہا تھا ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔۔۔اور جب وہ اپنی جگہ سے ایک

انچ نہ ہلا تو سب نے تنگ آکر اپنی اپنی گردانیں اونچی کر اندر کا وہ شاندار نظارہ دیکھا تھا جو انہیں احمر کی ہی کیفیت میں لے گیا تھا۔۔۔

زینب۔۔۔زینب والیو اللہ حیدر عبّاس کے ہاتھ سے دودھ پی رہی تھی۔۔۔امپوسبل۔۔۔۔حاشر نے تو ایک دوبار آنکھیں رگڑ کے بھی دیکھا تھا پر منظر بدلنے سے انکاری تھی۔۔۔اور پھر وہ سب یونہی ہونقوں کی طرح ایک ایک کر اندر آئے تھے۔۔۔

زینب نے انہیں دیکھ پیچھے ہونا چاہا تھا پر حیدر نے ایسا ہونے ہی نہیں دیا۔۔۔

اور پیٹ پوجا کرلی" وہ ان سب سے مخاطب تھا اور اس نے ساتھ ساتھ نوالہ بنا کے زینب کے آگے بھی" پیش کیا تھا۔

زینب کو اس کو توقع نہ تھی۔۔۔اس نے غیر محسوس انداز میں اس کا پیچھے کیا تھا۔۔۔

ہاں کر آئے"جواب رانیہ نے دیا تھا پر ان سب کی نظروں نے حیدر کے ہاتھ کو فوکس کیا ہوا تھا جو اس" نے پھر زینب کے آگے بڑھا دیا تھا۔۔

زینب اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں وارن کر رہی تھی پر حیدر کو پھر کب ایسا موقع ملنا تھا۔۔وہ ڈھیٹ بنا رہا۔۔۔

زینب نے آگے بڑھ کے نوالہ کھایا تو تھا ہی ساتھ میں اس کی انگلیاں بھی وہ چبا گئی تھی۔۔۔

وہ سب تو پاگل ہونے کے در پر تھے یہ آخری چیز تھی جس کی توقع انہیں زینب سے ہر گز نہیں تھی۔

زینب تم نے ان سے شادی کیوں کی تھی "رانیہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں پاس پڑی بینچ پر بیٹھی چہرے " پر دنیا جہاں کی الجھن لئے پوچھ رہی تھی۔۔۔اسے صرف یہ ایک بات آپ ٹک سمجھ نہیں آئی تھی۔۔۔۔

زینب نے ایک الجھی نظر حیدر پر ڈالی۔۔۔شاید وہ بھی اس کے جواب کا منتظر تھا۔۔ایسے نہیں تھا اسے پتا نہیں تھا پر وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ زینب کا کیا جواب ہو گا۔

مجھے پروپوز کیا تھا حیدر نے۔۔۔بس اس لئے "وہ لاپرواہی سے بولی تھی۔۔۔"

کیا!!!"وہ چیخ ہی تو پڑی تھی۔"

نہیں میں یقین نہیں کر سکتی"وہ ٹھوس لہجے میں بولتی نفی میں گردن ہلا رہی تھی۔۔۔اسے پائنٹ ون" پرسینٹ بھی زینب کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

کیوں نہیں کر سکتیں" یہ احمر تھا جو سینے پر ہاتھ باندھے حیدر کو بچانے کے لئے اس کے آگے کھڑا تھا۔۔" کیوں کہ مس رانیہ کو لگتا ہے کہ حیدر بھائی نے ان کے حوالے سے کوئی دھمکی دے زینب کو شادی کے" لئے منایا ہو گا اور مجھے ان کی بات سو فیصد سچ لگتی ہے"اشہل نے رانیہ کے برابر بیٹھ اس کی طرف سے کہا تھا ساتھ وہ کیا سوچتی ہے وہ،وہ بھی بتا گئی تھی۔

زینب نے اشہل کی بات سن حیدر کو کن انکھیوں سے دکھا تھا اور حیدر نے زینب کو اور یہاں زینب اپنی ہنسی نہ روک پائی اور ہنستی چلی گئی اور کے اس عمل میں حیدر نے بھی بھرپور ستج دیا تھا۔۔۔ان کے دوست پہلے کی طرح ان کو دیکھ رہے تھے۔۔۔انہیں سمجھ نہیں آئی کہ انہوں نے ایسا کون سا لطیفہ سنایا تھا کہ انہیں اتنی ہنسی آرہی تھی۔۔۔ان سب نے پہلے تو منہ بنایا پر پھر وہ انہیں ہنستے دیکھ خود بھی مسکرا دیے۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چند دن بعد

اس نے بچتے بچاتے اپنا موبائل جو اس نے زینب سے چھپایا تھا نکالا۔۔۔وہی ڈیل جس کے سسلے میں وہ ہوٹل گیا تھا اسے اس سے متعلق کام کرنا تھا وہ اب یوں بیٹھے بیٹھے تھکنے لگا تھا۔۔۔

اس کے کچھ بھی کرنے سے پہلے موبائل بج اٹھا تھا اس نے فوراً سے پہلے کال رسیو کی تھی۔

سر آپ نے جو کام کہا تھا ہو گیا ہے" وہ احترم سے بول رہا تھا۔"

کہو کیا پتا چلا" اس کے ماتھے پر لکیریں آئیں۔"

سامنے زینب دیکھی تو سب بھلائے مسکرانے لگا۔

آگے سے کال کرنے والے شخص نے ایسا کچھ کہا تھا کہ پل میں حیدر کی مسکراہٹ اڑ گئی تھی۔۔۔اور اس کی جگہ اس کے چہرے پر وہ رنگ آئے تھے جو بیان سے باہر تھے۔

زینب نے کچھ بھی کہے بینا اس کے ہاتھ سے فون لے اپنے پرس میں رکھ لیا تھا۔

وہ رائل بلو کلر کے جوڑے میں ملبوز تھی۔۔۔آج حیدر کو ڈسچارج ہونا تھا تو بس وہ انہی تیاریوں میں لگی تھی۔۔۔

حیدر کو گھر آئے دو دن ہو گئے تھے اور زینب نوٹ کر رہی تھی وہ اس سے کھینچا کھینچا سا رہتا تھا کیوں اسے علم نہیں تھا۔۔۔حیدر چپ تھا اور یہ بھی پہلی دفع تھا کہ اسے حیدر کی خاموشی کھل رہی تھی۔۔۔

وہ کچن میں کھڑی حیدر کے لئے کپ کیک بنا رہی تھی کیا پتا وہ اس کا یہ عمل دیکھ سمجھ جائے جو وہ لفظوں سے نہیں کہہ پا رہی تھی۔۔۔پر اسے کیا خبر تھی وہ اس میں ہوتی بچینیاں جانتا تھا پر آج کل وہ خود بڑا پریشان تھا بات ہی اتنی بڑی تھی کوئی بھی پریشان ہو جاتا۔۔۔

آپ سے بات کرنی ہے" یہ حیدر کی آواز تھی جو کہ اوپن کچن میں بآسانی سنی جاسکتی تھی۔"

ہمم بیٹھو" دوسری آواز عبّاس عالَم کی تھی۔"

زینب لاشعوری طور پر ان کی باتیں سنے لگی تھی۔

سعدیہ کون تھیں؟"اس نے کوئی تمہید نہیں بندھی تھی وہ اپنے سوالوں کے جواب چاہتا تھا۔"

عبّاس عالَم پزل ہوئے تھے۔۔۔۔جو کبھی کہیں کسی بھی مشکل میں نہیں گھبراتے تھے بیٹے کے ایک سوال پر سٹپٹا گئے تھے۔۔۔

کون بیٹا میں تو اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا"وہ خد کو کمپوز کر گئے تھے۔۔۔۔"

سوچ لیں یاد آجائے گا"وہ بہت صبر سے بیٹھا تھا۔"

نہیں میں نہیں جانتا"وہ اب بھی ماننے سے انکاری تھے۔"

آپ نے کیا کر دیا ڈیڈ"اس کا لہجہ روندھ گیا۔۔"

زینب چونکی تھی۔۔۔۔

میں نے کچھ نہیں کیا"وہ مکر گئے۔۔۔۔"

اب تو سچ بول دیں"جو اسے اس کا بے پناہ افسوس تھا۔۔"

فائزہ بیگم ثانیہ بھابی سعید عبّاس سب ہی تو تھے یہاں وہ کیسے سچ بول دیتے۔۔۔۔جبکہ فائزہ بیگم کو دلہ کے لگتا تھا وہ سب جانتی ہیں پر سوال ان سے نہیں ہو رہا تھا سو وہ چپ ہی بیٹھی رہیں انہیں اس بات کا جواب دینے کی کوئی خواہش بھی نہیں تھی۔۔۔

زینب چوکھٹ سے لگی ابھی اس کی باتیں سن ہی رہی تھی جب حیدر نے کچن میں آتے اس کی کلائی پکڑ اپنے پیچھے گھسیٹا تھا۔۔۔زینب نے دیکھا تھا اس کی آنکھیں شدتِ جذبات سے لال ہو رہیں تھیں۔

جانتے ہیں اسے یہ کون ہے؟"حیدر نے اس کی کلائی چھوڑ اسے عبّاس عالَم کے سامنے کر ایک نیا سوال کیا تھا۔۔۔

بیوی ہے تمہاری"انہیں اب غصّہ چڑھنے لگا تھا۔"

الحمد اللہ بیوی ہے میری۔۔۔پر آپ وہ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔۔۔یہ زرنش ہے سعدیہ پھپو" کی بیٹی۔۔۔جسے آپ۔۔۔۔کچرے کے ڈھیر میں پھینک آئے تھے"اس نے لمحے میں راز پاش کیا تھا۔

آپ نے کبھی ہمیں ہماری چھوٹی پھپو کے بارے میں نہیں بتایا ان کا نام ٹک ہم سے چھپایا گیا جب بھی" پوچھا گیا سب نے ٹال دیا مجھے تو شاید کبھی پتا بھی نہ چلتا اگر یہ میری زندگی میں نہ آتی۔۔۔۔مجھے یقین نہیں آرہا۔۔۔میرا باپ۔۔۔جو ہر عیب سے پاک تھا۔۔۔وہ یہ بھی کر سکتا تھا"وہ آج چپ نہیں ہو سکا تھا۔۔۔۔

اور زینب بت بنی اس کے ایک ایک لفظ کا مطلب تلاش رہی تھی۔۔۔وہ حیران تھی اپنی قسمت پر۔۔۔خدا کی حکمت پر۔۔۔وہ جہاں سے کبھی نکال پھینکی گئی تھی۔۔۔وہیں کا ایک شخص اسے زبردستی اس کی جگہ پر لے آیا تھا۔۔۔

یہ جھوٹ بول رہی ہے تم سے" عبّاس عالَم بیٹے کو ہاتھ سے جاتا دیکھ۔۔۔ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے تھے۔

کاش۔۔۔کاش یہ اس نے مجھ سے بولا ہوتا۔۔۔کاش کہ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہوتا۔۔۔پر" یہ کاغذ آپ کے جرم کی گواہی دے رہے ہیں میں کیسے ان سے منہ پھیر لوں" وہ بہت دکھ سے بولا تھا۔۔۔میز پر پڑی فائل کو اس نے ان کی طرف بڑھایا۔

وہ ایک ایک صفحہ پلٹ دیکھ رہے تھے اور پھر انہوں مے اپنی شکست قبول کی تھی۔

مجھے معاف کر دو بیٹا" عبّاس عالَم نڈھال سے صوفے پر بیٹھتے چلے گئے تھے۔"

میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا کبھی بھی نہیں۔۔۔آپ نے ٹھیک نہیں کیا۔۔۔آپ نے مجھے" میری ہی نظروں میں گرا دیا ہے۔۔۔"اس پر ضد حاوی ہونے لگی تھی کہ اس کے دائیں کو زینب نے اپنے مومی ہاتھ میں لئے تھا۔۔۔

حیدر نے پہلے اپنے ہاتھ کو اور پھر اس کو دیکھا تھا جو نرم لہجے میں ہی کہہ رہی تھی۔

"حیدر غلطیاں ہو جاتی ہم سے بھی ہمارے اپنوں سے بھی اور معاف بھی ہمیں ہی کرنا ہوتا ہے"

غلطی نہیں کی انہوں نے گناہ کیا ہے" اسے زینب سے اس رویے کی امید نہیں تھی۔۔۔اس کا غصّہ"

بڑھنے لگا۔

انہوں نے بھی کسی کے گناہ کی سزا کسی اور کو دی تھی اور آج تم بھی یہی کر رہے ہو۔۔۔گناہ کی سزا دینا"

ہمارا کام ہی نہیں ہے جس کا کام ہے وہ بیٹھا ہے سب دیکھ رہا ہے اسے اس کا کام کرنے دو اسکے کام میں

داخلاندازی مت کرو" وہ سابقہ لہجے میں ہی بولی تھی۔

اس کے لفظ میٹھے تھے پر وہ کسی کی سنے کو تیار نہ تھا۔

تم ان کے لئے مجھ سے لڑ رہی ہو" وہ ان پر زور دیتا بولا تو وہاں موجود سب کو ہی تکلیف ہوئی تو وہ کیسے"

انہیں پل میں بیگانہ کر سکتا تھا۔

کیوں کہ تم میری وجہ سے ان سے لڑ رہے ہو" وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔"

اور وہ سب زینب کو دیکھ کر رہ گئے تھے جو آج کھڑی ان کے لئے حیدر سے لڑ رہی تھی۔

میں صیح بات کر رہا ہوں" وہ اپنی بات پر ڈاٹا ہوا تھا۔"

ماں باپ سے لڑنا کب سے صیح ہو گیا حیدر" وہ اس سے چلاجنگ انداز میں پوچھنے لگی تھی۔"

یہ تمہاری تکلیف کا باعث ہیں" وہ اسے یاد کرا رہا تھا۔"

وہ تو کبھی تم بھی بنے تھے" اس نے بھی اسے کچھ یاد کرایا تھا۔"

میں نے معافی مانگی تھی۔۔۔۔ تم نے معاف نہیں کیا کیا" وہ اس کا بازو پکڑ پوچھ رہا تھا کیوں کہ اس کے" لئے یہ جاننا اہم تھا کہ معافی ملی بھی تھی اسے یا نہیں۔۔۔۔

میں نے معاف کر دیا تمہیں بھی اور انہیں بھی" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔"

انہوں نے معافی نہیں مانگی" وہ ہر لفظ پے زور دیتا بولا تھا۔"

یہ مانگے گے بھی نہیں۔۔۔۔ بڑے معافی مانگنے کے لئے نہیں ہوتے دعا دینے کے لئے ہوتے ہیں" وہ" ترکی بات ترکی بولی تھی۔

وہ اسے گھورتا رہا اور پیر پٹخ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔۔۔۔ کم از کم اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ زینب ہی خود اس کے آگے کھڑی ہو جائے گی۔۔۔۔ آج کئی عرصے بعد وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔۔۔۔ اپنے لئے نہیں ایک دوسرے کے لئے

وہ کمرے میں صوفے پر منہ پھلائے لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا اور کافی دیر سے اسے اگنور کر رہا تھا جو گاہے بگاہے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

وہ وارڈروب بندھ کرتی اس کے پاس آکے بیٹھی تھی اور آہستگی سے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ بیٹھ گئی تھی۔۔۔۔ پھر کہا تھا حیدر کے تنے نقوش ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔۔۔۔۔

تمہیں پتا ہے حیدر یہ خون کے رشتے بڑے عجیب ہوتے ہیں ان سے آپ کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ملے" ان کی محبت مارے نہیں مرتی دل سے ان کو تکلیف میں دیکھ دل تڑپ ہی اٹھتا ہے۔۔۔۔ مجھے آج بھی کوئی کہیں سے میرے والدین سے ملا دے تو میں سب کچھ بھلائے ان کے گلے لگ جاؤں گی پر افسوس وہ رہے ہی نہیں۔۔۔۔ میرے پاس یہ نعمت نہیں تمہارے پاس تو ہے تو تم کیوں محروم ہونا چاہتے ہو۔۔۔۔ ان سے غلطی ہوئی سب سے ہو جاتی ہے پر ان غلطیوں کے پیچھے ہمیں اپنے رشتے تو خراب نہیں کرنا چاہیے نہ ان میں کہاں کی عقلمندی ہے اگر کوئی برائی کرتا ہے تو کیا ضروری ہے اس کی برائی کا جواب برائی سے ہی دیا جائے۔۔۔۔ تھوڑی سی بھلائی کر رشتہ بچایا بھی تو جا سکتا ہے" اس نے ساری بات بہت پیار سے ٹھر ٹھر کر کی تھی کہ حیدر کے سمجھ آجائے۔

تم کیوں ہو ایسی" اس نے ہار مان لی تھی تب ہی وہ زینب سے پوچھ رہا تھا۔"

کیوں کہ ہر کوئی زینب جیسا تھوڑی ہوتا ہے" وہ شوخی سے بولی تھی اور حیدر نے عقیدت سے اس کی" چھوٹی سی ناک پر بوسہ کیا تھا۔

چار سال بعد

اس کی آنکھیں باپ کی طرح ہی تھیں گرے۔۔۔ لیکن بال ماں پر گئے تھے کالے سیاہ چمکیلے۔۔۔ رنگت اس نے دونوں سے چرائی تھی۔۔۔ گوری گوری۔۔۔ وہ تین سالہ بچی لال رنگ کی کوٹن کی خوبصورت سی فروک پہنی بلکل گڑیا لگ رہی تھی۔۔۔

حوریہ۔۔۔ حوریہ" زینب اسے آوازیں لگاتی لاونج میں آئی تھی جہاں حوریہ دادی کی گود میں بیٹھی" ان سے ٹوٹے پھوٹے جملے بول باتیں کر رہی تھی۔

حوریہ آپ اب تک یہیں ہو بیٹا جاؤ جا کے بابا کو جگاؤ کب سے سو رہے ہیں حاشر چاچو کی شادی میں نہیں" جانا آپ نے کیا" وہ فائزہ بیگم کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی اور حوریہ کے بالوں میں ہاتھ پھیر پوچھ رہی تھی۔

حاشی۔۔۔ چاچو" وہ اپنی ہول گول آنکھوں سے اسے دیکھتی پوچھ رہی تھی۔"

ہاں حاشر چاچو اب جاؤ جا کے بابا کو اٹھاؤ ورنہ ہم لیٹ ہو جائیں گے" زینب نے اس کے گال پر پیار کرتے" جواب دیا تھا اور وہ اگلے ہی پل دادی کی گود سے اتر کمرے کی طرف بھاگی تھی۔

حوریہ کے جاتے ہی زینب فائزہ بیگم سے باتیں کرنے لگی تھی۔۔۔ فائزہ بیگم کا رویہ اس کے ساتھ ثانیہ بھابی والا ہی تھا۔۔۔ شروع شروع میں وہ اس سے بات کرنے میں کتراتیں تھیں پر وقت کے ساتھ ساتھ سب چیزیں اپنی جگہ پر آگیں تھیں۔

حوریہ دروازے کو دھڑام سے کھول اندر آئی تھی جہاں اس کا باپ بڑے مزے سے خواب وخر جوش کے مزے گہری نیند سو رہا تھا۔

وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کا استعمال کرتی بیڈ اور چڑھی تھی۔۔۔اور حیدر کے قریب ہو اس نے آہستگی سے حیدر کا گال چوما تھا۔۔ساتھ ساتھ وہ "بابا۔۔۔بابا" کہتی اسے اٹھانے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔۔۔

حیدر نے نیند سے بھری آنکھیں کھولی تھیں۔

بابا حاشی چاچو۔۔۔شادی" وہ اس کی کھولی آنکھیں دیکھ بولنے لگی تھی۔"

چلیں گے حور۔۔سو جاؤ" حیدر نے اس کے گال چوم اسے اپنی باہوں میں خود سے قریب کیا تھا اور" کچھ ہی دیر میں وہ باپ بیٹی دونوں سو گئے تھے۔

لو بھئی "زینب فارغ ہو کے جیسے ہی کمرے میں آئی تھی انہیں اس طرح سوتا دیکھ اس نے اپنا کمر کر ہاتھ" رکھ کہا تھا۔

زینب چلتی چلتی حیدر کے بیڈ سائیڈ کی طرف آئی تھی اور اس گلاس میں رکھا سارا کا سارا پانی حیدر کے اوپر ایسے الٹا تھا کہ حوریہ اس کی زد میں نہ آئے۔

حیدر کی آنکھیں فوراً کھول گئی تھیں لیکن وہ ایک دم سے اٹھا نہیں حوریہ کی وجہ سے۔۔۔

کبھی تو یار پیار سے اٹھا دیا کرو" وہ منہ پر آیا پانی صاف کرتا بول رہا تھا۔"

کبھی تو تم ایک دفع کے کہنے پر اٹھ جایا کرو" وہ اس کا بلینکٹ طے کر اسی کے انداز میں بولی تھی۔"

اور انہیں دیکھو میں تمہیں اٹھانے کے لئے بھیجتی ہوں یہ میڈم ہمیشہ خود ہی سو جاتی ہیں بلکل باپ پر گئی" ہے کبھی جو میری سن لے" وہ حیدر سے کہہ رہی تھی جو آرام سے اپنے اوپر سے اٹھاتا بستر پر لیٹا رہا تھا۔

کیا کرے بلکل ماں پر گئی ہے میرے کندھے سے لگتے ہی سو جاتی ہے" حیدر نے بدلے میں اسی پر چوٹ" کی تھی جو آج بھی اس کے کندھے پر سر رکھ فوراً سو جایا کرتی تھی۔

حاشر کا اشہل کے ساتھ نکاح ہو گیا تھا اور اب وہ اسے وینیو سے لئے گھر جانے کو تھا پر اشہل جتنی بھی بولڈ کیوں نہ ہو جاتی تھی تو وہ ایک لڑکی ہی سو ہر لڑکی کی طرح وہ بھی اپنی رخصتی پر رو رہی تھی اور حاشر کو وہ ایسے زہر لگ رہی تھی وہ کب سے کوشش کر رہا تھا کہ وہ چپ ہو جائے پر اشہل میڈم چپ ہو کے ہی نہیں دے رہی تھیں۔

قسمت تو میری پھوٹی ہے تم کیوں رو رہی ہو" حاشر نے اب کے اس زبان میں کہا جس کی اسے سمجھ آتی" تھی۔۔۔ انداز چڑا ہوا رکھا تھا۔

ابھی تو صرف قسمت پھوٹی ہے ایسا نہ ہو کہ میں تمہارے دانت سر ہاتھ پیر سب پھوڑ دوں" حاشر اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا تھا اشہل نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے اور اپنے دلہنا پے کو بلائے طاق رکھ کہا۔۔۔

محفل میں کھڑے سب ہی لوگوں نے اس کی بات سن قہقہہ لگایا تھا۔۔۔ اور سارے بڑوں نے اسے ان۔ گھوریوں سے نوازا تھا کہ اسے اپنا دولہا بھول جاتا یہ گھوریاں نا بھولتیں۔۔۔

برات دلہن کو لے چلی گئی تھی اور یہ سب بھی اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھنے لگے تھے نور بھی انہی میں شامل تھی۔۔۔ وہ ابھی کار کی طرح بڑھ رہی تھی جب کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ اسے روک لیا تھا۔۔۔

وہ ڈر کے مارے چیخنے کو تھی لیکن انس احسن کو اپنے سامنے دیکھ اس کی نکلتی چیخ خود با خود ہی بند ہو گئی تھی۔۔۔

کیا میرے گھر آنے کا ارادہ نہیں ہے؟" آج ان کے انداز ہی بدلے بدلے تھے نور کا ہاتھ اب بھی ان" کے ہاتھ میں تھا اور وہ مسلسل مسکرا رہے تھے۔

جی۔۔۔ لیکن آپ نے تو کہا تھا" وہ ہلکے ہلکے چوروں کی طرح اپنا ہاتھ آزاد کرنے کی کوشش کرتی کہہ" رہی تھی۔

انس احسن نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا مطلب صاف تھا وہ اسے آج بھاگنے نہیں دینے والے تھے۔

"اب بھی میں ہی کہہ رہا ہوں"

لیکن آپ توزی۔۔۔"اس نے خود ہی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔"

آپ کو پتا ہے زینب سے جب میں نے یہ بات کہی تھی تو اس نے کہا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے مجھے" کوئی غلط فہمی ہوئی ہے اور مجھے لگتا ہے اس نے ٹھیک کہا تھا۔۔۔ محبّت کبھی نہیں تھی ہمارے درمیان۔۔۔ کچھ اور تھا۔۔۔ کوئی انسانی رشتہ بن گیا بے نام مگر مضبوط۔۔۔ آج مجھے معلوم ہو چلا ہے کہ میں زینب کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔ ورنہ اپنی محبّت کو کوئی کسی اور کے ساتھ کیسے برداشت کر سکتا ہے اور مجھے وہ حیدر کے ساتھ پہلے سے زیادہ مکمل لگتی ہے۔۔۔ انس احسن کو محبّت پہلے نہیں ہوئی تھی اب ہو گئی ہے۔۔۔ کیوں کہ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ سوچنا بھی پسند نہیں کرتا۔۔۔۔ یہ خیال ہی بہت جان لیوا ہے"انس احسن نے یہ بات سمجھتے سمجھتے بہت وقت لے لیا تھا۔۔۔ نور کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔۔۔

اب تو ہنسنے کے دن ہیں تم اب کیوں رو رہی ہو"وہ اس کے آنسو انگلیوں کی پوروں پر چننے لگے تھے۔"

آپ نے بہت انتظار کرایا"وہ شکوہ کر رہی تھی۔"

صبر کا پھل میٹھا بھی تو ہوتا ہے" وہ مسکراتے ہوئے اسے بھلا رہے تھے۔"

اچھا ایسی بات ہے تو اب آپ کریں چار سال اور انتظار" وہ اپنے ہاتھ چھوڑا کے ان سے دور ہوئی تھی اور" مسکراتے ہوئے ہی بولی تھی۔

نور تم ایسا کچھ نہیں کرو گی" وہ اس کی طرف قدم آگے بڑھاتے کہہ رہے تھے۔"

نور نے ہونٹ دانتوں تلے دبا نفی تھی۔

اچھا سوری نہ" وہ آگے بڑھے اور نور پیچھے۔"

نور نے پھر نفی کی۔

نور۔۔۔تم چاہ کیا رہی ہو؟" اب کے وہ جھنجھلائے تھے۔"

"دم۔ چل رہی تھی۔۔۔1میں۔۔۔۔"وہ الٹے ق"

میں تو بس آپ کو چاہ رہی ہوں ہر لمحہ۔۔۔ ہر پل" وہ کہتے ساتھ کھکھلاتے ہوئے مسکراتی ہوئی بھاگ گئی تھی۔

اور انس احسن کے لب اس اقرار پر خوشی سے کھل گئے تھے۔۔۔

حیدر اپنی بیڈ سائیڈ پر لیٹا ہوا مسلسل زینب کو دیکھ رہا تھا اور اس کے پیروں پر ہی اسکی نظریں پڑ رہیں تھی۔۔۔ اس کی پنڈلیوں سے جھلکتی پازیب جو حیدر نے ہی اسے دی اور جس دن سے دی تھی اس دن سے اب تک زینب نے وہ اتاری رہی تھی۔۔۔ پازیب سونے کی تھی اور دیکھنے میں کوئی خاص مہنگی نہیں لگتی تھی۔۔۔ اس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے چمکیلے نگ لگے تھے۔۔۔ خیر زینب کو تو وہ نگ ہی لگے تھے حالانکہ وہ مہنگا ترین پھتر جڑا تھا زینب کو ہیروں کی پہچان نہ تھی ورنہ وہ جان جاتی۔۔۔ اخیر کو حیدر نے کہا تھا وہ مہر دے کر رہے گا ایسے نہیں تو ویسے سہی سو اس نے دے دیا تھا۔۔۔ تو کیا تھا زینب لاعلم تھی۔۔۔ پر اس نے تو اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔۔۔ اور ساتھ میں اس کے ٹاپس بھی اسے لوٹا دئے تھے اور زینب نے جب پوچھا تو اس نے ساری بات سچائی کے ساتھ بتادی تھی۔۔۔ زینب نے صبر کیا تھا اور اسے صلہ بھی اتنا ہی خوبصورت ملا تھا۔

حیدر زینب کو پھر دیکھنے لگا تھا۔۔۔ زینب کی گود میں حوریہ بیٹھی اپنی ڈول سے کھیل رہی تھی اور زینب مصروف سی اس کے بالوں میں برش کر رہی تھی۔۔۔

زینب" حیدر نے اسے پکارا تھا۔"

ہمم" وہ مصروف سی ہی بولی۔"

آئی لو یو" وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی زینب سے کچھ سننے کے لئے اس سے کہہ رہا تھا۔"

زینب مسکرائی۔۔۔اور پھر اس نے غرور سے ناک اونچی کرتے کہا تھا۔

"تھنکس بٹ نو تھنکس"

حوریہ ماما سے کہو نہ بابا کو آئی لو یو کہیں" وہ حوریہ کو بیچ میں گھسیٹ رہا تھا جانتا تھا زینب اس کی کوئی بات" نہیں ٹالتی۔

بچی ہے وہ "زینب نے اسے گھور کے کہا تھا۔"

بابا ماما نہیں کہی۔۔۔ں۔۔۔۔ آئی لو یو۔۔۔ آپ تو۔۔۔تو ن کے یہ پیار نی کرتی آپ سے "اس کا" انداز معصومیت سے بھرا تھا۔

اس کی بات سن ان دونوں نے کرنٹ کھا کے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

مجھے ماما آئی لو یو نہیں کہیں گے کیوں کہ یہ مجھ سے پیار نہیں کرتیں" حیدر نے اس کی ساری کہی بات" تھی یا ان دونوں نے کچھ غلط سنا تھا۔t دوہرائی تھی آیا وہ یہی کہنا چاہ رہی

حوریہ نے معصومیت سے ہی گردن ہاں میں ہلائی تھی۔

زینب تو پریشان ہی ہو گئی تھی حوریہ کو ایسا کیا محسوس ہوا تھا جو وہ یہ کہہ رہی تھی۔

ماما آپ سے بھوت پیار۔۔۔۔ کرتی ہیں۔۔۔۔ آئی لویو۔۔۔۔ بول۔۔۔۔ ہو۔۔۔ تو" مچ نہیں۔۔۔۔ بولتو" وہ اب ماں کی طرح خود ہی غصّے سے بولی تھی اور ان دونوں نے ایک ساتھ اس کا گال چوما تھا۔

آئی لویو ممی ٹو مچ تھری مچ اینڈ سو اون" وہ اسے گود میں لے گود گودی کرتا کہہ رہا تھا۔۔۔ اور حوریہ" کی کلکریاں ان کے آنے والی زندگی کو بھی مہکنے والی تھیں۔

ختم شد